تنقیح المسالک

شرح اردو

المؤطا للامام مالکؒ

شارح

مولانا محمد عالمگیر دانش قاسمی (سیتامڑھی)

دار الکتاب دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ———— تنقیح المسالک شرح اردو موطا امام مالک
شارح ———— محمد عالم گیر دانش، سیتامڑھی،
مصحح ———— مولوی محمد عمران صاحب راحل دربھنگوی
کتابت ———— ظفیر الدین جمال پوری
صفحات ———— ۲۸۸
سن طباعت ———— رجب ۱۴۱۶ھ
تعداد طباعت ———— گیارہ سو (۱۱۰۰)
ناشر ———— واصف حسین مالک دار الکتاب دیوبند

انتساب

اس متاعِ حقیر کو اپنے نانا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

نیز

استاذ محترم جناب حضرت مولانا فخرالہادی صفدری مظفرپوری کی طرف
منسوب کرتا ہوں، جنھوں نے احقر کے حصولِ علم میں ہمہ تن توجہ رکھی،

محمد عالمگیر دانش ابن محمد شفیق الرحمٰن،

مورخہ ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۹۵ء

MUHAMMAD TAQI
296, SHWE BON THA STREET
PABEDAN T/S, YANGON

پسند فرمودہ

عالم نبیل، فاضل بے مثیل خطیب المسلمین حضرت مولانا، مفتی عبد الرزاق صاحب مدظلہٗ، استاذ حدیث و رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ مسجد ترجمہ والی موتیا پارک، بھوپال (ایم پی)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

"امابعد"

عزیز القدر مولوی محمد عالمگیر دانش دھنکولوی متعلم دارالعلوم دیوبند نے موطا امام مالکؒ کی اردو زبان میں ایک جامع شرح مسمّٰی "تنقیح المسالک" ترتیب دی ہے اور کافی محنت کی ہے حل کتاب کے ساتھ ساتھ مسائل کی تفصیلات اور ائمہ کے مذاہب، استدلال وجوابات کی صراحت کی ہے، خاکسار نے جستہ جستہ مطالعہ کیا تو طالبعلمانہ محنتوں کا اچھا مرجع پایا۔

اللہ تعالےٰ عزیز القدر کے علم میں برکت، عمل میں نورانیت، اور اس گلدستۂ علم کو قبولیت کا شرف بالائے شرف سے نوازے (آمین)

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (القرآن)

انا احقر الوریٰ (حضرت مولانا) مفتی عبد الرزاق (صاحب)

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

ارشادِ عالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم :-

عزیزم مولوی محمد عالم گیر (سیتامڑھی) دار العلوم دیوبند کے مقبول اور کامیاب طالبعلموں میں ہیں، اذکی، ذہین اور جید الاستعداد طالب علم ہیں، اپنے ساتھیوں میں بھی طلبہ کی نظر میں انتہائی مقبول ہیں، باذوق طلبہ ان کے حلقۂ تکرار میں بیٹھ کر استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت امام دار الہجرت کی یہ تصنیف فن حدیث میں معرکۃ الآراء اور مستند تصور کیجاتی ہے۔ علم حدیث بذات خود ایک نازک اور گوشہ دار فن ہے پھر یہ کہ امام مالک جیسے مدوّن حدیث کے نکتہ آفرین قلم نے اس کتاب کو اور بھی ادق بنادیا ہے اس لئے اس کی تدریس کوئی آسان نہیں ہے مگر مولوی عالم گیر سلمہ کی تالیف "تنقیح المسالک" اس نوجوان کی عرق ریزی اور دماغی کاوش کا مظہر ہے۔

موطا امام مالک کے جملہ مباحث کا سمجھنا آسان اور سہل کر دیا ہے۔

سب سے پہلے عبارت کا ترجمہ ہے، ترجمہ کی زبان نہایت ہی عام فہم اور شستہ ہے۔ حل کتاب کے ساتھ ساتھ مسائل کی توضیحات و تشریحات اور ائمہ کے مذاہب و استدلال کی صراحت کی ہے۔

موطا امام مالک کی کوئی ایسی اردو میں شرح نہیں ہے جو اس کے تمام ضروری گوشوں اور مباحث پر تسلی بخش روشنی ڈالتی ہو، اس لئے اردو میں ایک ایسی شرح کی

ضرورت ہنوز باقی تھی جو مذکورہ خصوصیات اور خوبیوں کی حامل ہو۔ تنقیح المسالک شرح اردو موطا امام مالک اس ضرورت کو بدرجۂ اتم پوری کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ تنقیح المسالک کو قبولیت عطا کر کے مؤلف کو جزائے خیر دے کہ ان کے علم و قلم نے موطا امام مالک کو قوت پرواز بخشی ہے،

(آمین ثم آمین)

(حضرت مولانا مفتی)

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

دار العلوم دیوبند

۹ر جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سرگذشتِ شارح

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد

اس ارض گیتی پر جتنے بھی مصلح وریفارمر، مؤرخ ومصنف، مرتب ومؤلف، مترجم یا شارح اپنی علمی کاوش کو جب حوالہ صفحۂ قرطاس کرتے ہیں تو آغاز کتب میں اولاً اپنا مختصر سرگذشت تحریر فرماتے ہیں۔ چنانچہ الحقیر اکوری بھی اپنے بڑوں کے نقش قدم کو اختیار کرتے ہوئے اپنے دل کی سچی باتیں تحریر کر رہا ہے،

ولادتِ شارح

شارح "تنقیح المسالک" محمد عالم گیر دانش ابن محمد شفیق الرحمٰن بن محمود انصاری بن بتھو انصاری کی ولادت مورخہ ۱۵ / مارچ بروز جمعہ بوقت بعد نماز عصر ۱۹۷۵ء میں مضافات سیتامڑھی کے ایک مشہور تھانہ باجپٹی کے قریب مقام دھنکول میں ہوئی، یہ مقام باجپٹی تھانہ سے جنوبی جانب تقریباً دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اور ہمیشہ گہوارہ علم رہا ہے۔

تعلیمی فکر

ناچیز نے ابتدائی تعلیم سے لیکر تحتانیہ چہارم تک اپنے گاؤں کے معلم جناب مولانا ممتاز احمد صاحب سے مکمل کی، بعدہٗ مدرسہ رحمانیہ مہسول سیتامڑھی میں وسطانیہ دوم تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اپنے گاؤں کے قریب مدرسہ جامعہ اسلامیہ آدرپور کے خوش رنگ و پُرمسرت فضا میں وسطانیہ سوم سے لیکر عربی اول تک کی تعلیم کئی ماہرین اساتذہ کرام سے حاصل کی، جن میں ہمارے چچا مشفقی حضرت مولانا صغیر احمد صاحب قاسمی، مشفق وہمدرد استاذ حضرت

مولانا ابوالحسن صاحب مرزاپوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ ہٰذا سرفہرست ہیں۔

اس کے بعد عربی دوم سے لے کر چہارم تک مدرسہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ سیتامڑھی میں حضرت مولانا عمران صاحب القاسمی، مولانا حسین احمد صاحب القاسمی، مولانا سراج الدین صاحب قاسمی ثم المدنی، مولانا بدر الحق صاحب، ماسٹر حاتم صاحب، مولانا مطلوب الرحمن صاحب سے استفادہ کیا۔ انہی اکابر اساتذہ کی جوتیوں کے صدقے بیرون وطن جاکر اپنی علمی پیاس بجھانے کے لائق ہوا۔

چنانچہ اپنے وطن مولوف کو خیرباد کہہ کر دلہنِ ہند مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال کے مدرسہ جامعہ عبیسہ مسجد ترجمہ والی میں داخلہ لیا، اور پنجم کی کتابیں پڑھیں۔

اللہ رب العزت جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا نور الھدیٰ صفدری صاحب القاسمی، اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب دیوریاوی، و مولانا عقیل احمد صاحب کشن گنجی مدظلہم العالی کو کہ انھوں نے احقر کی تعلیم و تربیت میں پوری جدوجہد اور سرگرمی سے کام لیتے ہوئے اس لائق بنایا کہ گلشن دارالعلوم دیوبند میں عندلیب خوشنوا بن کر اپنے بزرگوں کے فیض سے مستفید ہوسکے بالآخر گلشن علم و ہنر، تہذیب و اخلاق کا نو شگفتہ پھول کھلا، اور اپنی بھینی بھینی خوشبوؤں سے دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری کو معطر کرنے لگا۔ اور دورۂ حدیث کے عنادل میں شامل ہوگیا یہاں تک کہ جاتے جاتے اپنی محنتوں کا ثمرہ پیارے احباب اور تشنگانِ علم دین کی خدمت میں **تنقیح المسالک** شرح اردو مؤطا امام مالک کی صورت میں جلوہ نما ہوا اور ایسا کیوں نہ

شعر

ہنسا دیتا ہے مالک اسے جو برسوں سے روتا ہے
نہیں کچھ دیر لگتی جب خدا کا فضل ہوتا ہے

بڑی ناانصافی ہوگی کہ اس حسین موقعہ پر اپنے محسنین کا نام نہ لیا جائے، یوں تو میرے جتنے بھی احباب و اصدقاء ہیں سبھی محسن اور مشفق ہیں، لیکن بہر حال سرفہرست حافظ عبدالمنان صاحب سیتامڑھی، مولوی عمران صاحب دربھنگوی، مولوی ریاض الدین

صاحب رانچوی مدظلہم العالی ہیں، احقر کو دارالعلوم کی زندگی میں کبھی بھی کوئی ضرورت پیش آئی خواہ وہ نوشت وخواندگی کی قبیل سے ہو یا دیگر قبیل سے ——— ان حضرات نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو کیا۔ انہی مشفقین اور محسنین میں برادر محترم مولانا عرفان قیصی صاحب بالکوی صدر بزم سجاد ہیں، موصوف نے ہی اس موضوع پر خامہ فرسائی کے لئے توجہ دلائی، ساتھ ہی ساتھ ہر لحہ ہر وقت ہمت افزائی بھی کرتے رہے۔ ——— ——— ——— ———

چنانچہ قادر مطلق، مالک ذی الجلال والاکرام پر توکل کرتے ہوئے اس ذمہ داری کو نبھانے میں ۱۵؍ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ کو منہمک ہوگیا، اور حق جل مجدہٗ نے اپنے فضل وکرم سے "باب وقوت الصلوٰۃ" سے لیکر "کتاب الطہارۃ" کی تکمیل بھی فرمادی،

احقر نے حل عبارت کے سہل اور رواں کرنے پھر نقل مذاہب اور تعبیرات کے آسان کرنے میں اگرچہ پوری احتیاط اور جد وجہد سے کام لیا ہے، پھر بھی بر بنائے بشریت عدم خطاء کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ——— احقر کی یہ پہلی کاوش ہے۔ ———

اللہ تعالیٰ اسکو قبولیت عطاء فرمائے اور مزید اس سے بڑے کام کی توفیق عطاء فرمائے، اور اس کو باعث نجات بنائے، ——— آمین ثم آمین،

خاکپائے اکابر واسلاف

محمد عالمگیر دانش بن محمد شفیق الرحمٰن دھنکولی

سیتامڑھی (بہار)

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات

امام دار الہجرت

نام ونسب

آپ کا نام ونسب یہ ہے، امام دار الھجرت ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر نافع بن عمرو بن حارث بن عثمان بن جثیل بن عمرو بن حارث ذو اصبح، اصبحی حمیری مدنی رحمۃ اللہ علیہ، بعض علماء انساب نے عثمان کے بجائے غیمان بتایا ہے۔ آپ کی نسبت یمن کے مشہور قبیلہ حمیر بن سبا سے ملتی ہے جس کا تعلق یعرب بن قحطان سے ہے ؏۱ جمہرۃ النساب العرب، ابن حزم ص ۴۳۶،،

پیدائش اور بچپن

امام صاحب کی پیدائش ۹۳ھ میں علاقہ جرف کے ایک حصہ ذی مروہ میں ہوئی۔ بعض لوگوں نے ۹۰ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ بھی بتایا ہے، عام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ شکمِ مادر میں تین سال تک رہے، اور بعض نے دو سال بتایا ہے،

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں تیرہ سال بڑے تھے، انہوں نے امام مالکؒ کے بچپن کو بھی دیکھا ہے۔ ایکمرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ مدینہ کے نوخیز لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟ تو کہا کہ اگر ان میں کوئی اونچا جائیگا تو مالک،

دراِن نجب منہم فالاشواۃ الازرق یعنے مالکا ،، ـــــــ اگران میں کوئی نجیب ہوگا تو سرخی مائل گورا مالک ، ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رح نے کہاکہ میں نے مدینہ میں علم کو بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی اس کو جمع کرے گا تو یہی لڑکا ـــــــ ابن غانم کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے امام ابوحنیفہ کی یہ بات امام مالک کو سنائی تو انھوں نے کہاکہ ابوحنیفہ نے سچ کہا، میں نے ان کو دیکھا ہے۔ وہ بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے ۔ کاش ! وہ فقہ کی بنیاد اصل یعنے اہل مدینہ کے اثر پر رکھتے ۔

مسکن مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر وادی عقیق کے جرف نامی مشہور نشیبی اور سیلی علاقہ جہاں کھیت اور باغات تھے، اسی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاگیر بھی تھی، وہیں کے آپ رہنے والے تھے ؎ دفار الوفا ص ۱۱۷۵ ج ۴، اسی علاقہ میں امام کے والد کا شاندار قصر اور محل تھا جو قصر للمقعد کے نام سے مشہور تھا، قاضی عیاض نے لکھا ہے ،،

ـــــــ وکان ابو مالك بن مقعد ؎، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے والد انس مقعد تھے اور مقام ، وکان لہ قصر بالجراف یعرف بقصر المقعد،، جرف میں ان کا ایک محل تھا جو قصر مقعد کے نام سے مشہور تھا ؎ دفار الوفا ص ۱۱۷۵ ج ۴۔ مقعد النسب اور مقعد الحسب ایسے شخص کو کہتے ہیں جو قصر النسب یا معدوم النسب ہو ؎ تاج العروس ص ۵ ج ۹ ، (کویت) اس سے معلوم ہوتاہے کہ جب امام صاحب کا خاندان یمن سے مدینہ آیا تو اس کے افراد کم اور غیر معروف تھے ، ایک مرتبہ امام صاحب سے لوگوں نے عقیق میں مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی اور کہاکہ اس سے مسجد نبوی تک آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے ، امام صاحب نے جواب دیاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق سے محبت رکھتے تھے اور وہاں تشریف لیجاتے تھے ، اور بعض صحابہ نے وہاں سے منتقل ہوکر مسجد نبوی کے قریب قیام کرنا چاہا تو آپ نے فرمایاکہ کیا تم لوگ مسجد تک آمدورفت میں ثواب نہیں سمجھتے ہو ؟ امام صاحب بعد میں مدینہ منورہ چلے آئے تھے ، ابن بکیر کا کہنا ہے کہ امام صاحب پہلے عقیق میں رہتے تھے پھر مدینہ آگئے ، یہاں حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں قیام کرتے تھے، جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے قریب مسجد نبوی سے متصل تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، تو آپ کا بستر اسی مکان میں رکھا جاتا تھا۔" ترتیب المدارک ص ۱۱۵ ج ۱"

بچپن میں تعلیمی شوق

امام صاحب کا گھرانا دینی، علمی تھا، احادیث کی روایت مدینہ میں عام تھی، امام صاحب نے بچپن میں ہی طلب حدیث کی ابتدا کی، خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں بھی علم حاصل کرنے جاؤں گا، انھوں نے کہا کہ آؤ میں تم کو علم دین کا لباس پہنادوں —— چنانچہ انھوں نے مجھے اونچے کپڑے (ثیاب مشمرہ) پہنادیا، اور سر پر سیاہ لمبی ٹوپی رکھ کر اوپر سے عمامہ باندھا اور کہا۔ اذھب الی ربیعۃ فتعلم من ادبہ قبل علمہ، ربیعہ کے پاس جاؤ اور ان کے علم سے پہلے ان سے ادب سیکھو۔

زبیری کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ کو ربیعہ کے حلقہ درس میں دیکھا ہے اس وقت ان کے کان میں بُندا تھا۔ (ترتیب المدارک ص ۱۱۹ ج ۱)

اسی زمانے میں امام صاحبؒ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر سے بھی تحصیل علم کرتے رہے، اسی دور میں صفوان بن سلیم سے علم حاصل کی، امام صاحبؒ کے اساتذہ و شیوخ میں مدینہ منورہ کے اساطین علوم نبوت تھے جن میں امام محمد بن شہاب زہری رح خاص اہمیت رکھتے ہیں، اور امام صاحب نے ان سے بہت ہی زیادہ مستفیض ہوئے ہیں بیان کرتے ہیں کہ ہم طلبہ حدیث ابن شہاب کے مکان واقع بنی اسرائیل میں بہت زیادہ بھیڑ لگاتے تھے، ابن شہاب حلقہ درس میں "قال ابن عمر کذا و کذا" کہتے اور ہم سن لیتے اور حلقہ ختم ہونے پر ان سے پوچھتے کہ ابن عمر کے یہ اقوال آپ تک کیسے پہونچے ہیں؟ —— تو بتاتے کہ ان کے صاحبزادے سالم نے ان کو بیان کیا ہے۔

مدینہ منورہ کی دینی و علمی مرکزیت

امام مالک رح مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پوری تعلیم حاصل کی، کسی روایت سے ان کے

طلب علم میں باہر جانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے، اس زمانہ میں مدینہ علم دین اور علمائے دین کا مرکز تھا، اور پورے عالم اسلام کے اہل علم اسی سرچشمۂ علم ودین کے پاس آتے تھے،

ابو العالیہ ریاحی بصری رح کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کی روایت سے حدیث سنتے تھے، اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے تھے جب تک کہ مدینہ آکر خود ان صحابہ کے منہ سے نہیں سن لیتے تھے، (الکفایہ ص ۴۰۲) اسی لئے امام مالک نے یہیں رہ کر نہایت احتیاط اور ذمہ داری کیساتھ علم حاصل کیا

زمانہ طلب علم میں معاشی تنگی

امام صاحب کا خاندان معاش ومعیشت کی واجبی زندگی بسر کرتا تھا۔ قاضی عیاض نے ان کے والد کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے ‹‹وکان یعیش من صنعۃ النبل (بحوالہ ترتیب المدارک ص۱۰۱ ج ۱) وہ تیر سازی کے ذریعہ زندگی بسر کرتے تھے،،

امام صاحب کے بھائی نظر بن انس بزازی کرتے تھے ان کے ساتھ امام صاحب بھی اسی تجارت میں لگے ہوئے تھے، اس ذریعۂ معاش سے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ فراخی کے ساتھ امام صاحب طالب علمی کا دور گذار سکیں۔

ذاتی اوصاف، اخلاق وعادات

امام مالک رح ان تمام اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کے جامع تھے جو صحابہ اور تابعین میں موجود تھے، اور جن کے حاملین کی ذات اسلامی تعلیمات کا آسوہ اور نمونہ تھی، امام صاحب کے مکان واقع وادئ عقیق کے دروازے پر ”ماشاء اللہ“ لکھا تھا،،

آپ کا مکان نہایت صاف ستھرا تھا، کپڑے نہایت نفیس، اور قیمتی جوڑے زیب تن فرماتے تھے ــــــ مدینہ منورہ میں سواری پر کبھی نہیں چلتے تھے کہ جس سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جس خاک پر آپ چلے ہیں اس پر سواری کرنا ادب کیخلاف ہے۔ وہ ہمیشہ مدینۃ الرسول سے باہر ہی سوار ہوتے تھے،

امام صاحب تخلقوا باخلاق اللہ کا مظہر اتم تھے، اخلاق نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم

کا پیکر اور اتباع سنت کے پابند تھے،

حضرت امام صاحبؒ کے پاس ایک عمدہ خچر تھا جس پر نفیس زین تھی، اس کے اوپر کپڑا تھا۔ خادم پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اسی حال میں وادیٔ عقیق والے مکان کے دروازہ تک گئے، خورد و نوش کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ امام صاحبؒ کے بھانجے اسماعیل بن ابو اویس کہتے ہیں کہ روزانہ دو درہم کا گوشت خریدا جاتا تھا اس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا ——— امام صاحب رحؒ کو کیلا بہت مرغوب تھا، کہتے تھے کہ اس پھل پر نہ مکھی بیٹھتی ہے، نہ گندا ہاتھ لگتا ہے۔ جنت کے پھلوں کے مشابہ ہے، سردی گرمی ہر موسم میں ملتا ہے۔

آپؒ کثیر الصّمت اور قلیل الکلام تھے۔ کھل کر نہیں ہنستے تھے بلکہ مسکراتے تھے، امام صاحبؒ عقل و فہم میں بچپن سے ہی مشہور رہے۔ ان کے ابتدائی استاذ ربیعہ رائی تھے جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تو کہتے کہ عاقل آگیا۔ ——— ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک، سفیان، شعبہ اور ابن مبارک میں مالک کو سب سے زیادہ عقلمند پایا ہے میری آنکھوں نے ان سے زیادہ بارعب، عقلمند، متقی اور عالی دماغ کسی کو نہیں دیکھا۔

ابن وہب کہتے ہیں کہ ہم نے امام مالک سے علم سے زیادہ ادب سیکھا ہے۔

چند مشہور شیوخ و اساتذہ

امام مالک کے شیوخ و اساتذہ اجلّہ تابعین اور مشہور فقہاء و محدثین ہیں ——— علامہ زرقانی رحؒ نے کہا کہ نوسو (۹۰۰) سے زائد امام مالک کے استاذ ہیں، غافقی نے پنچانوے (۹۵) کے نام بیان کئے ہیں۔ جن میں اجلہ و شیوخ تو بہت ہیں ہم مشہور اور معروف کا نام ذکر کرتے ہیں۔

ربیعۃ الرائی۔ نافع مولی ابن عمر، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، عبداللہ بن دینار، ایوب سختیانی، داؤد بن حسین، عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ، اور علماء و محدثین کی ایک جم غفیر ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۵ ج ۱۰)

مسندِ درس وافتار

امام صاحب ذہانت، محنت، اور ذوق وشوق کی بنا پر سترہ سال کی عمر میں جملہ دینی علوم میں درجۂ کمال کو پہونچ گئے تھے، اور اسی عمر میں اپنے اساتذہ وشیوخ کی شہادت واجازت پر مسند درس وافتار پر بیٹھے، خود بیان کرتے ہیں " ما افتیت حتی شهد لی سبعون انی اهل لذالك (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ١٩٤)

جب تک ستر علمار نے میرے بارے میں شہادت نہیں دی کہ افتار کا اہل ہوں میں نے فتویٰ نہیں دیا، اس وقت ان کے کئی شیوخ زندہ تھے اور انکی حیات میں امام صاحب فتویٰ دیا کرتے تھے ـــــــ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا اس وقت امام مالک کا حلقہ درس وافتار قائم تھا ـــــــ ابن منذر کا بیان ہے کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی ہی میں امام مالک رح فتویٰ دینے لگے تھے "۔

امام صاحب کی مجلس درس وافتار دو جگہ منعقد ہوتی تھی۔ ایک مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے روضۂ جنت میں جہاں امام صاحبؒ اپنے استاذ نافع کی زندگی میں بیٹھ کر ان سے علم حاصل کرتے تھے، ـــــــ اور دوسرے وادیٔ عقیق کے مقام جُرف میں جہاں آپ کا ذاتی مکان تھا گھر کی مجلس میں امام صاحب کے بائیں دائیں تکیے رکھے جاتے تھے، عود سلگائی جاتی تھی، پنکھے رکھے جاتے تھے، مجلس میں شور اور ہنگامہ نہیں ہوتا تھا۔ قریش وانصار کے علاوہ بیرونی طلبہ کی بھیڑ رہا کرتی تھی ـــــــ مگر کیا مجال کہ ذرا آداب مجلس اور سکون ووقار میں فرق آئے "

تلامیذ واصحاب

امام صاحبؒ کی درسگاہ سے دینی وعلمی فیض یافتہ تلامیذ واصحاب کی تعداد بہت زیادہ ہے ـــــــ قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں ان کے نام حروف تہجی پر جمع کئے ہیں تو تیرہ سو سے زائد ان کی تعداد نکلی ہیں۔

(ترتیب المدارک ج ا ص ۲۵۴ تا ص ۹ ۱۰۲)

ابن حجر نے امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ان کے شیخ ابن شہاب زہریؒ وغیرہ کا نام بھی ذکر کیا ہے ـــــــ اور معاصرین میں اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد مصری، سفیان بن

عیینہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں ۔ ـــــــ ان کے بعد یحییٰ بن سعید قطان، عبد الرحمٰن بن مہدی، امام شافعی، عبد اللہ بن مبارک، ابن وہب، ابن قاسم وغیرہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں،

(بحوالہ تہذیب التہذیب صہ ٦ ج ١٠)

حلیہ اور لباس

امام صاحب کا رنگ سفید سرخ مائل تھا، قد لمبا، سر بڑا، آنکھیں بڑی بڑی، نہایت وجیہہ اور حسین و شکیل تھے۔ داڑھی دراز، مونچھ مناسب، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے، نہایت خوش پوش، خوش خور تھے، عدن، خراسان، مرو، اور طراز کے عمدہ کپڑے استعمال کرتے تھے۔ عام طور سے کپڑا سفید ہوتا تھا۔ کبھی ہلکا زرد رنگ کا بھی ہوتا تھا، انگوٹھی میں سیاہ نگ ہوتا تھا جس میں "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" کندہ تھا، عمدہ خوشبو اور عطریات استعمال کرتے تھے، عام طور سے خوشحالی کا اظہار کرتے تھے تاکہ علمی شان میں حرف نہ آئے، اور جب کوئی اس بارے میں کچھ کہتا تھا تو جواب دیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحدیث اور اس کا اظہار ہے۔

تصانیف

امام صاحبؒ کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تدوین کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا، ١٤٠ھ اور ١٥٠ھ کے درمیان عالم اسلام کے بڑے شہروں میں علمائے اسلام نے فقہی ترتیب و تبویب پر کتابیں لکھیں، اس کے تقریباً تیس سال بعد امام صاحبؒ کی وفات ١٧٩ھ میں ہوئی، اس مدت میں بہت سے علماء نے کتابیں مدون و مرتب کیں، جن میں امام صاحبؒ نمایاں مقام رکھتے ہیں ـــــــ آپکی تصانیف میں الموطا سنگ میل کا حکم رکھتی ہے ـــــــ قاضی عیاض نے امام صاحبؒ کی تصانیف میں ان کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔

(١) کتاب الموطا (٢) رسالۃ الی ابن وہب فی القدر (٣) کتاب النجوم وحساب مدار الزمان ومنازل القمر (٤) رسالۃ مالک فی الاقضیۃ (٥) رسالۃ الی ابی غسان محمد بن مطرف فی الفتوی

(بحوالہ ترتیب المدارک ج ١ ص ٢٠٥، ٦، ٧، ملخص)

موطا امام مالک

موطا کے بارے میں امام شافعی رح کا قول ہے "ما فی الارض کتاب من العلم اکثر صوابا من موطا مالک" (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ١٢)

روئے زمین پر موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو امام صاحبؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کی گذارش پر لکھی ہے ــــــ عتیق زبیری کا بیان ہے کہ امام صاحبؒ نے تقریباً دس ہزار احادیث سے منتخب کر کے موطا کو مرتب کیا ہے، اور سال بہ سال اس کی تحقیق و تنقیح کرتے رہے، اسطرح اس میں کمی ہوتی رہی اس لئے یحییٰ بن سعید قطان کا قول ہے لوگوں کا علم بڑھتا ہے مگر مالک کا علم کم ہوتا ہے اگر وہ کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو ختم ہو جاتا مشرق و مغرب کے بے شمار اہل علم نے موطا کی روایت امام صاحبؒ سے کی، اور بہت سے راویوں نے بعد میں روایت کی، اس لئے موطا کے بہت سے نسخے ہیں، اور ان میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ قاضی عیاض نے ایسے نسخوں کی تعداد بیس ۲۰ بتائی ہے۔ اور بعض علماء نے تیس ۳۰ کہا ہے، ان میں کئی راویوں نے امام صاحب سے موطا کی روایت کر کے اس میں خشک و اضافہ کیا۔ اور اپنی دوسری مرویات کو بھی داخل کر کے مستقل کتاب کی شکل دی، جیسے موطا امام محمد جو درحقیقت امام مالکؒ کی موطا ہے، مگر ایک مستقل کتاب بن گئی ہے،

وفات ۱۷۹ھ امام صاحبؒ زندگی کے آخری سالوں میں تقریباً گوشہ نشین ہو گئے تھے، حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کے لئے لئے بھی باہر نہیں آتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کھل کر اپنا عذر بیان نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود آپکی مقبولیت و مرجعیت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ــــــ (بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۹۶)

امام صاحب ۲۲ دن بیمار رہے، ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو شنبہ کے دن وفات پائی (رحمۃ اللہ علیہ) ــــــ ابن کنانہ اور ابن زبیر نے غسل دیا صاحبزادے یحییٰ اور کاتب حبیب پانی ڈالتے تھے، وصیت کے مطابق سفید کپڑے کا کفن دیا گیا، اور امیر مدینہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراھیم نے نماز پڑھائی، انتقال سے پہلے تشہد پڑھا، اور یہ جملہ کہا للہ الامر من قبل و من بعد اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے ــــــ امام صاحبؒ کی وفات عالم اسلام کے لئے حادثۂ فاجعہ تھی،

اولاد واحفاد

ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو لڑکے یحییٰ اور محمد تھے، اور دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف تھے ان کے پوتے احمد بن یحییٰ بن مالک تھے اور تین چچا تھے، ادیس، ابو سہل نافع، اور ربیع، یہ تینوں ابو عامر نافع کے لڑکے تھے۔

(بحوالہ جمہرۃ انساب العرب صـ۴۳۶)

(ہذا کلہ ماخوذ من ائمۂ اربعہ، قاضی اطہر صاحب مبارکپوری)

مآخذ و مراجع

تنقیح المسالک کی ترتیب کے وقت یہ کتابیں پیشِ نظر رہیں

نام کتاب	مصنف
القرآن الکریم	
معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ ،
صحاح ستہ	ائمۂ صحاح ستہ
شرح السنہ	حضرت امام بغوی محی السنہ علیہ الرحمۃ ،
مشکوٰۃ شریف	علامہ خطیب تبریزی علیہ الرحمۃ ،
بحر الرائق شرح کنز الدقائق	علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ ،
التدریب	" سیوطی علیہ الرحمہ ،
تقریب التہذیب	علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ ،
تہذیب التہذیب	" " "
التہذیب	" ابن عساکر "
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ ،
عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی "
فیض الباری	" کشمیری نور اللہ مرقدہ ،

نام کتاب	مصنف
تحفۃ القاری مشکلات بخاری	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رح
فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ،
بذل المجہود	مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمہ،
انوار المحمود	حضرت شیخ الھند علیہ الرحمہ،
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	مولانا عبید الرحمٰن مبارکپوری علیہ الرحمہ،
نیل الاوطار	علامہ شوکانی علیہ الرحمہ،
فتح القدیر	شیخ کمال الدین ابن الہمام الحنفی علیہ الرحمہ،
المرقات شرح مشکوٰۃ	حافظ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ،
التعلیق الصبیح،	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رح
مظاہرِ حق جدید	مولانا جاوید صاحب
تنظیم الاشتات	مولانا ابو الحسن صاحب بنگلہ دیشی،
مقدمۃ الاشعۃ	
اوجز المسالک	حضرت شیخ زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ
درس ترمذی	مولانا تقی عثمانی صاحب
تحفۃ المرآۃ	قاری محمد طاہر رحیمی صاحب

محمد عالمگیر دانش

دھنکول سیتامڑھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محدثین ومفسرین، فقہاء ومتکلمین، مناطقہ وفلاسفہ کے نزدیک بالاتفاق چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے جس کو مبادئ علوم یا رؤس ثمانیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) علم حدیث کی لغوی اور اصطلاحی تعریف (۲) موضوع (۳) غرض وغایت (۴) وجہ تسمیہ (۵) فضیلت (۶) اجناس العلوم میں علم حدیث کا مقام (۷) تاریخ تدوین حدیث (۸) علم حدیث کے مصنفات کی اقسام۔ ——— اب ہم مخصوص اور اہم بحث رؤس ثمانیہ میں سے ذکر کرتے ہیں، اور تمام کی تفصیل کے لئے فتح الباری یا عینی وغیرہ دیکھ لیں۔

حدیث کے لغوی معنی

حدیث کے لغوی معنے جدید اور خبر کے ہیں، لغت عرب کے امام علامہ جوہریؒ نے صحاح میں حدیث کے معنے اس طرح بیان کئے ہیں کہ "الحدیث الکلام قلیلہٗ وکثیرہٗ وجمعہ احادیث"

اصطلاحی تعریف

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں کہ حدیث سے وہ اقوال و اعمال مراد ہیں جو آنحضرت کیجانب منسوب ہوں، (فتح الباری)

علامہ عینی رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۵ھ اور علامہ کرمانی المتوفی ۸۳۵ھ فرماتے ہیں کہ حدیث وہ علم ہے جس

جس میں حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے بحث کیجائے، اور بھی محدثین نے مختلف تعریفیں کی ہیں مگر سب سے عمدہ وہ ہے جو ہمارے اکابر دیوبند نے حدیث کی تعریف کی ہے، وہ یہ ہے "هو علمٌ يشتمل على نقل ما اضيف الى النبي صلى الله عليه وسلم قولاً وفعلاً وتقريراً وذاتاً وصفةً"،

موضوع اقوال النبي صلى الله عليه وسلم وافعاله وتقريراته، اوذات الرسول صلى الله عليه وسلم من حيث انهٗ نبيٌّ ورسولٌ لا من حيث انهٗ بشرٌ وجسمٌ"،

غرض وغایت "الغرض" ـــــ الاهتداء بهدى النبي صلى الله عليه وسلم" ـــــ ہدایت پانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ وسیرت سے وعند الکرمانی، الفوز بسعادة الدارین"،

وجہ تسمیہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح فتح الباری شرح بخاری میں اور علامہ سخاوی رح فتح المغیث میں ونیز علامہ جلال الدین سیوطی رح فرماتے ہیں کہ حدیث بمعنے حادث وجدید ہے۔ چونکہ قرآن کریم قدیم ہے اس لئے اس کے مقابلے میں سنت پر لفظ حدیث بولا گیا ہے۔ لیکن یہ وجہ تسمیہ بہت بعید ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رح مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ص۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث بمعنے خبر ہے، اور الفاظ باری تعالیٰ کے ارشاد "واما بنعمة ربك فحدث" سے ماخوذ ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تین نعمتیں ذکر فرمایا ہے ـــــ (۱) الم يجدك يتيماً فاوىٰ (۲) ووجدك ضالاً فهدىٰ (۳) ووجدك عائلاً فاغنىٰ، یعنے ایواء ہدایت، اغناء، اس کے بعد لف ونشر غیر مرتب کے طور پر ادائے شکر نعمت کے لئے تین احکام دیئے ہیں، نعمت ایواء کے مقابلے میں فاما اليتيم فلا تقهر، اور تیسری نعمت اغناء کے مقابلے میں واما السائل فلا تنهر، اور دوسری

ہدایت کے مقابلے میں واما بنعمۃ ربک فحدث، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول ہم نے آپ کو علوم نبوت کی ہدایت عطا کی ہے۔ اس لئے آپ اس نعمت کو بیان کیجئے، تو حدیث نبوی، ہدایت ربانیہ کا تذکرہ بیان اور اخبار ہے، اور تحدیث کے معنے اخبار و تذکرہ ہی کے ہیں،

فضیلتِ علم حدیث

جہاں تک اس علم کے شرف و فضل کا تعلق ہے، وہ لاتعداد احادیث و آیات سے ثابت ہے۔ ہم اس علم کی فضیلت کے بارے میں ایک آیت اور چند احادیث و آثار لکھتے ہیں، تفصیل کے لئے علامہ ابن عبد البر (المتوفی ۴۶۳ھ) کی جامع بیان العلم دیکھ لی جائے۔

قرآن: "وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین "۔۔۔۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

(۱) حدیث: نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا واداھا الی من لم یسمعھا اللہ تعالیٰ سرسبز و شاداب رکھے ایسے شخص کو جس نے میری بات سنی پھر اس کی حفاظت کی، اور ایسے شخص تک پہونچا دیا جس نے اسے پہلے نہیں سنا تھا۔ فضیلت ظاہر ہے۔

(۲) حدیث:۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحم خلفائی قالوا ومن خلفاؤک یا رسول اللہ قال الذین یحفظون احادیثی ویبلغونھا الی الناس (رواہ فی مسند البزار) اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی حفاظت و تبلیغ خلافت نبی کے استحقاق کا سبب اور ذریعہ ہے اور بڑی فضیلت کی بات ہے،

(۳)۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لولا السنۃ لما فہم القرآن احد منا، امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جمیع ما تقولہ الائمۃ شرح للسنۃ شرح للقرآن"

فہرست

	صفحہ نمبر		صفحہ نمبر
پسند فرمودہ	۴	حالات امام مالک	۱۰
ارشاد عالی	۵	مآخذ و مراجع	۱۹
سرگزشت شارح	۷	مقدمہ	۲۱

(اصل کتاب کے مضامین)

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱	باب وقوت الصلوٰۃ	۲۹	۱۰	انتہائے وقت ظہر، اختلاف ائمہ کرام	۴۷
۲	تحقیق الوقوت، ابن شہاب، عمر بن	۳۱	۱۱	انتہائے وقت عصر، اختلاف ائمہ کرام	۴۹
	عبدالعزیز	۳۱	۱۲	ابتدائے وقت مغرب، انتہائے وقت	۵۰
۳	اشکالات وجوابات، فرضیت صلوٰۃ			مغرب، اختلافات ائمہ، دلائل وجوابات	۵۱
	اقتدار المفترض خلف المتنفل اور		۱۳	شفق کی تفسیر میں اختلاف ائمہ کرام	
	مسئلہ خلافیہ مع الدلائل	۳۳	۱۴	انتہائے وقت صلوٰۃ العشاء	۵۲
۴	تعارف عائشہ رض	۳۵		اور اختلافات ائمہ کرام	
۵	مسئلہ خلافیہ، عصر کا وقت مستحب	۳۶	۱۵	مقدار قرأت فی الصلوٰۃ، فرائض	
۶	زید بن اسلم، عطاء بن یسار سے مراد	۳۸		میں مسنون قرأت کی مقدار،	۵۴
۷	مستحب وقت فجر اور اختلاف ائمہ	۴۱	۱۶	یزید بن زیاد، عبداللہ بن رافع،	
۸	حالات ابوہریرہ رض	۴۳		اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے مراد	۵۶
۹	طلوع وغروب شمس فی اثناء الصلوٰۃ	۴۴	۱۷	حالات انس رض	۵۷
	مسئلہ خلافیہ ائمہ کرام، اور ان کے		۱۸	باب وقت الجمعہ، جمعہ کی تحقیق	۵۹
	استدلال وجوابات	۴۴	۱۹	وقت جمعہ، اختلاف بین الجمہور والحنابلہ	۶۰

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۲۰	باب من ادرک من الصلوٰۃ،	
	من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ پر اشکالات	
	وجوابات اور اختلاف ائمہ کرام	۶۲
۲۱	باب ما جاء فی دلوک الشمس وغسق اللیل	۶۶
۲۲	داؤد ابن الحصین	۶۷
۲۳	ترک صلوٰۃ عصر اور اس پر عتاب	۶۸
۲۴	من ادرک الوقت کی تشریح	۷۱
۲۵	باب النوم من الصلوٰۃ،	۷۴
۲۶	سعید بن مسیب پہ سوال وجواب	۷۵
۲۷	من نسی الصلوٰۃ فلیصلہا اذا ذکرہا	۷۷
	مسئلہ اختلافی اور ائمہ حضرات	
۲۷	باب النہی عن الصلوٰۃ بالہاجرۃ	۸۱
۲۸	فان شدۃ الحر من فیح جہنم کی تحقیق وتوضیح	۸۲
۲۹	باب النہی عن دخول المسجد بریح الثوم	۸۶
	وتغطیۃ ثوم اور صورت مسئلہ	
۳۰	واقعۂ حدیث	۸۷
۳۱	باب العمل فی الوضوء،	۸۸
۳۲	عمرو بن یحیی سے مراد	۸۹
۳۳	عبد اللہ بن زید راوی حدیث	۹۰
۳۴	تعداد مضمضہ واستنشاق میں اختلاف ائمہ	۹۱

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۳۵	ثم مسح راسہ بیدیہ فاقبل بہما وادبر	
	بدأ بمقدم راسہ کی تشریح	۹۳
۳۶	مسح الراس کلہا من قرن الشعر	۹۴
۳۷	من استجمر فلیوتر کی تشریح اور اختلاف	
	ائمہ کرام	۹۵
۳۸	ویل للاعقاب من النار، مسئلہ	
	غسل رجلین واختلاف اہل سنت	
	والجماعت اور روافض کے درمیان	
	اور ان کے استدلال	۹۷
۳۹	باب وضوء النائم اذا قام الی الصلوٰۃ	
	مسئلہ اذا استیقظ احدکم من نومہ،	
	اختلاف ائمہ اور انکے دلائل وجوابات	۱۰۱
۴۰	وضوء من النوم اور نوم سے مراد	۱۰۳
۴۱	مسئلہ رعاف اور اختلاف ائمہ،	۱۰۵
۴۲	باب الطہور للوضوء	۱۰۷
۴۳	مغیرہ بن ابی بردہ سے مراد	۱۰۸
۴۴	جاء رجل کا مصداق، انا نرکب البحر کا سوال	۱۰۹
۴۵	ہو الطہور ماءہ، الحل میتتہ،	
	اور اختلاف ائمہ کرام	۱۱۰
۴۶	مسئلہ سؤر الہرۃ واختلاف ائمہ من الطوافین	۱۱۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	علیکم والطوافات	۱۱۱
۴۷	حمیدہ بنت ابی عبیدہ، اور	۱۱۴
	مسئلہ احکام المیاہ اختلاف ائمہ	۱۱۵
۴۸	غدیر عظیم کے سلسلے میں حدیث	۱۱۸
۴۹	باب فضل طہور المرأۃ، اختلاف ائمہ	۱۲۱
۵۰	باب ما لا یجب فیہ الوضوء، الی امرأۃ	
	اطیل ذیلی وامشی فی المکان القذر	۱۲۳
۵۱	قئی ناقض وضوء ہے یا نہیں مسئلہ خلافیہ	
	اور ائمہ کے دلائل وجوابات	۱۲۵
۵۲	باب ترک الوضوء مما مست النار	۱۲۷
۵۳	باب جامع الوضوء	۱۳۵
۵۴	مسئلہ سماع موتی اور اختلاف جمہور	۱۳۷
۵۵	تطبیق وتحقیق	۱۳۸
۵۶	تحقیق المقاعد ومسئلہ تثویب	۱۴۱
۵۷	طرفی النہار کی تحقیق اور آیت کا	
	شان نزول	۱۴۲
۵۸	مسئلہ الاذنان من الراس اختلاف ائمہ	۱۴۳
۵۹	تحقیق نسخ للارض من اصابعہ	۱۴۷
۶۰	تحقیق الطہارۃ من الغائط بالماء	۱۴۹
۶۱	مسئلہ سؤر الکلب واختلاف ائمہ	۱۵۰
۶۲	باب ما جاء فی المسح بالراس والاذنین	۱۵۳
	اختلاف ائمہ اور دلائل	
۶۳	مسئلہ خلافیہ، ہل یکفی مسح العمامۃ ام لا	۱۵۵
۶۴	باب ما جاء فی المسح علی الخفین، روافض	۱۵۸
	کا شبہ اور اسکے جوابات	
۶۵	ما المغیرہ وغزوہ تبوک	۱۶۱
۶۶	مسح توقیت المسح علی الخفین اختلاف ائمہ	۱۶۴
۶۷	ازالہ شبہ	۱۶۶
۶۸	صورت مسئلہ	۱۶۸
۶۹	حکم الترتیب فی الوضوء	۱۶۹
۷۰	دوسرا مسئلہ طہارت کاملہ، اختلاف ائمہ	۱۷۰
۷۱	باب العمل فی المسح علی الخفین	۱۷۱
۷۲	مسئلہ موضع مسح الخفین، اختلاف ائمہ	
	اور ان کے دلائل	۱۷۲
۷۳	باب ما جاء فی الرعاف والقئی، اختلاف	۱۷۵
	ائمہ اور انکے دلائل	
۷۴	باب العمل فی الرعاف	۱۷۷
۷۵	باب نیس علیہ الدم من جرح او رعاف	۱۷۸
۷۶	مرتکب الکبیرۃ لا یکفر	۱۷۹
۷۷	باب الوضوء من المذی	۱۸۱

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	صفحہ
۷۷	توضیح مذی اور سوال علی رض	۱۸۳	۹۴	صورۃ مسئلہ فی الاحتلام	۲۲۳
۷۸	فلینضح فرجہ بالماء کی توضیح	۱۸۴	۹۵	باب غسل المرأۃ اذا رأت فی المنام	۲۲۵
۷۹	باب الرخصۃ فی ترک الوضوء من المذی	۱۸۵	۹۶	ازالہ شبہ	۲۲۷
۸۰	باب الوضوء من مس الفرج، مس ذکر	۱۸۶	۹۷	باب جامع غسل الجنابۃ	۲۲۸
	میں ائمہ کرام کا اختلاف اور انکے دلائل		۹۸	عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال	۲۲۹
۸۱	باب الوضوء من قبلۃ الرجل امرأتہ	۱۹۳		درست ہے یا نہیں ؟	
۸۲	مس امرأۃ، مسئلہ اختلافی ائمہ کرام	۱۹۴	۹۹	دفع تعارض تطبیق بین الروایتین	۲۳۲
۸۳	باب العمل فی غسل الجنابۃ	۱۹۶	۱۰۰	باب التیمم، مشروعیت تیمم،	۲۳۳
۸۴	مطلب حدیث	۱۹۷	۱۰۱	صورت مسئلہ اور تیمم	۲۳۷
۸۵	فرق کی مقدار کیا ہے ؟	۱۹۹	۱۰۲	المسئلۃ فی التیمم بجد الماء فی اثناء الصلوٰۃ	۲۴۰
۸۶	مُد اور صاع کے مقدار میں اختلاف	۱۹۹	۱۰۳	باب العمل فی التیمم،	۲۴۲
۸۷	مسئلہ مضمضہ واستنشاق اور اختلاف ائمہ	۲۰۱	۱۰۴	اختلاف فی صعید طیب وضربۃ الید	۲۴۳
۸۸	باب واجب الغسل اذا التقی الختانان	۲۰۴		فی التیمم ،	
۸۹	باب وضوء الجنب اذا اراد ان ینام	۲۱۰	۱۰۵	کیفیت تیمم، عدد ضربات تیمم	۲۴۷
	او یطعم قبل ان یغتسل	۲۱۰	۱۰۶	اختلاف ائمہ مقدار مسح یدین	۲۴۸
۹۰	باب اعادۃ الجنب الصلوٰۃ وغسلہ		۱۰۷	باب تیمم الجنب،	۲۴۹
	اذا صلی ولم یذکر الخ	۲۱۴	۱۰۸	مایحل للرجل امرأتہ وہی حائض	۲۵۱
۹۱	وغسل ما رأی فی ثوبہ یعنی احتلام	۲۱۵	۱۰۹	مطلب حدیث اور حائضہ کے اقسام	۲۵۴
۹۲	واختلاف ائمہ کرام منی پاک ہے یا ناپاک	۲۱۵	۱۱۰	باب طہر الحائض الوان حیض میں اختلاف	۲۵۶
۹۳	ثم یصلے بعد ارتفاع الضحی واختلاف ائمہ	۲۱۷	۱۱۱	باب جامع الحیضۃ،	۲۵۸

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱۱۲	مطلب و ذالک الامر عندنا	۲۵۹	۱۲۱	بحث النفاس، اکثر مدت نفاس اختلاف،	۲۷۳
۱۱۳	باب ماجاء فی المستحاضة،	۲۶۱	۱۲۲	اقل النفاس	۲۷۴
	حد الاستحاضة وللعامہ واقسامہ		۱۲۳	باب ماجاء فی بول الصبی	۲۷۴
۱۱۴	مسئلہ الغسل والوضوء للمستحاضة	۲۶۴	۱۲۴	حکم بول الصبی و اختلاف الائمة	۲۷۵
۱۱۵	تیسرا مسئلہ فاغسلی عنک الدم وصلی	۲۶۵	۱۲۵	باب ماجاء فی بول القائم اوغیرہ	۲۷۹
۱۱۶	توضیح زینب بنت جحش ،	۲۶۶	۱۲۶	تطہیر الارض ، دخل اعرابی،	۲۸۱
۱۱۷	مصداق ان امرأة	۲۶۷	۱۲۷	حکم الاستنجاء بالماء و اختلاف ائمہ	۲۸۳
۱۱۸	توضیح تغتسل من طہر الی طہر	۲۶۹	۱۲۸	باب ماجاء فی السواک	۲۸۴
۱۱۹	مدت حیض ونفاس واختلافی مسئلہ	۲۷۱	۱۲۹	مسواک کی شرعی حیثیت	۲۸۶
۱۲۰	اکثر مدت حیض اقل مدت طہر اختلاف ائمہ	۲۷۲	۱۳۰	ہل السواک سنة الصلوٰۃ ام لا،	۲۸۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقوت الصلوٰة

:- الحدیث الاول :-

حدثنا یحیی بن یحیی انا مالك بن انس عن ابن شهاب
ان عمر بن عبد العزیز اخر الصلوٰة یوما فدخل علیه
عروة بن الزبیر فاخبره ان المغیرة بن شعبة اخر الصلوٰة
یوما وهو بالکوفة فدخل علیه ابو مسعود الانصاری
فقال ما هذا یا مغیرة الیس قد علمت ان جبریل نزل
فصلی فصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، ثم صلی
فصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، ثم صلی فصلی
رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم صلی فصلی رسول الله
صلی الله علیه وسلم ثم صلی فصلی رسول الله صلی
الله علیه وسلم، ثم قال بهذا امرت فقال عمر بن
عبد العزیز اعلم ما تحدث به یا عروة او ان جبریل
هو الذی اقام لرسول الله صلی الله علیه وسلم وقت

الصَّلوٰۃِ ــــ قَالَ عُرْوَۃُ کَذٰلِکَ کَانَ بَشِیْرُ بْنُ اَبِی مسعودِن الانصاری یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْہِ ــــ قَالَ عُرْوَۃُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِی عَائِشَۃُ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِی حُجْرَتِہَا قَبْلَ اَنْ تَظْہَرَ"

ترجمہ حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے ایک دن نماز مؤخر ہو گئی چنانچہ عروہ بن زبیر ان کے پاس تشریف لائے، اور خبر دیا ان کو کہ مغیرہ بن شعبہؓ سے ایک دن نماز مؤخر ہو گئی حالانکہ وہ کوفہ کے گورنر تھے، تو ابو مسعود انصاریؓ ان کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ یہ تاخیر کیسی ہے اے مغیرہ؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور نماز ادا کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز ادا کی پھر ادا کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی، پھر نماز ادا کی تو رسول اللہ نے نماز پڑھی، پھر جبرئیل نے نماز ادا کی تو رسول اللہ نے نماز ادا کی، ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر فرمایا اس کا میں حکم دیا گیا ہوں چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رح نے کہا، کیا بیان کر رہے ہو اسکو خوب جان لو اے عروہ! کیا وہ جبرئیل ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نماز قائم کی ہے۔ عروہ نے کہا، (تعجب کی بات نہیں) ایسے ہی بشیر بن ابی مسعود انصاری بھی اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں، عروہ نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے حالانکہ سورج ان کے گھر میں ہوتا تھا دیوار پر چڑھنے سے پہلے،،

: توضیحات، اشکالات وجوابات :

وقوت :- وقت کی جمع ہے، یحییٰ بن یحییٰ کی کتاب میں "اوقات الصلوٰۃ" ہے، نیز موطا امام مالک کے جو دوسرے مصری نسخے ہیں انہیں "اوقات الصلوٰۃ" جمع قلت ہے لیکن یہاں باب میں وقوت جمع کثرت ہے، کیونکہ اوقات نماز کے ابحاث کئی بار لوٹ آتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ روزانہ یہ نمازیں بار بار آتی ہیں اس وجہ کر جمع کثرت لائے ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ ہر روز تین وقت ہے (۱) فرض، (۲) مستحب، (۳) مکروہ، ان تینوں کو پانچ میں ضرب دے کر شمار کرنے کے بعد پندرہ اوقات ہوتے ہیں لہٰذا وقوت کہا، بعض لوگوں نے کہا کہ جمع کثرت اور جمع قلت دونوں ایک ہی ہیں، کیونکہ اہل عرب جمع کثرت کی جگہ جمع قلت استعمال کرتے ہیں۔

حدثنا یحیی بن یحیی :- حدثنا کا فاعل عبید اللہ اندلسی ہیں جو یحییٰ بن یحییٰ کثیر کے صاحبزادے ہیں،

ابن شہاب :- کبھی تو ان کو امام زہری اور کبھی ابن شہاب سے یاد کیا جاتا ہے، پورا نام :- امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہے، یہ اپنے جد امجد کیطرف منسوب کر کے زہری کہلاتے ہیں، ان کے علم وجلال کا سلف میں اتفاق ہے، تقریباً دس صحابہ سے انکی ملاقات ہوئی ہے، یہ ۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائے،،

عمر بن عبد العزیز :- ان کا پورا نام عمر بن عبد العزیز بن مروان بن حکم بن عاص بن امیہ ہے، سلیمان بن عبد الملک کے انتقال کے بعد ۹۹ھ میں مسند خلافت پر فائز ہوئے اور ۱۰۱ھ میں اس دار فانی سے دار بقاء کو کوچ کر گئے،

أخر الصلوٰۃ :- روایت میں وقت مطلقاً ذکر کرنے سے چند شبہات پیدا ہوتے ہیں

(۱) آیا وقت مستحب سے مؤخر کیا یا ابتدائے وقت سے،

دوسرا شبہ:- کس نماز میں یہ واقعہ پیش آیا، تو دوسری روایت میں صراحت کیساتھ ذکر ہے کہ وقت مستحب سے مؤخر کیا اور یہ معاملہ نماز عصر میں پیش آیا، جیساکہ حافظ ابن عبدالبر ؒ نے صراحت کی نماز میں تاخیر ہوگئی مصالحت المسلمین کی بنیاد پر کیونکہ مسلمانوں کے حالات و واقعات پر غور کرنا اور اس میں حکم نافذ کرنا خلیفہ ہی کا کام ہے،

فَدَخَلَ عَلَيْهِ عروۃ بن الزبیر:- یہ مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے لخت جگر ہیں انکی پرورش حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے کی اور حضرت عائشہؓ سے ہی انہوں نے علم حاصل کیا،

مغیرۃ بن شعبۃ:- کبار صحابہ میں سے ہیں، صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے، اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر رہے،

مَا هٰذَا يَا مُغِيرَةُ:- اے مغیرہ یہ کیسی تاخیر ہے، ابومسعود انصاری نے مغیرہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ تم صحابئ رسول ہو اور نماز مؤخر کرتے ہو ایسا ہی معاملہ عمر بن کے ساتھ ہوا،،

أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ:- بعض روایات میں أَلَسْتَ قَدْ عَلِمْتَ ہے، دونوں طرح مستعمل ہے، "معنا،، آپ اس سے بخوبی واقف ہیں اس کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے

وصلیٰ نصلیٰ رسول اللہ:- چنانچہ جبرئیلؑ نے نماز ادا کی تو حضورؐ نے بھی نماز ادا کی، فاء تعقیب کے لئے ہے، معنی ہوگا کہ پہلے جبرئیل نے چار رکعت ادا کی اور اسکے بعد حضور نے چار رکعت پڑھی لیکن دوسری روایت میں ہے" امّنی جبرئیل،، جبرئیل نے میری امامت کرائی، معنی یہ ہوگا کہ جبرئیل نے نماز پڑھائی پہلے وہ کھڑے ہوتے تو میں کھڑا ہوتا وہ رکوع کرتے تو میں رکوع کرتا، لھذا تاکید اجزاء صلوٰۃ کی بناء پر ہوئی، تاکید نفسِ صلوٰۃ کی بناء پر نہیں لھذا کوئی تعارض نہیں،،

ثم صلی فصلی :۔ یہاں دو مشہور اشکال ہے،

اشکال اوّل :۔ حضور افضل ہیں اور جبرئیل مفضول، تو یہاں مفضول نے افضل کی امامت کیسے کی؟

جواب ۱ :۔ اُمّنی کے معنی امامت کرنے کے نہیں جس سے اشکال لازم آئے، بلکہ معنی یہ ہے کہ امام بنایا مجھ کو جبرئیل نے اور جبرئیل مقتدی ہو کر لقمہ دیتے ہوئے حضورؐ کو نماز کی تعلیم دی، کیوں کہ نماز کا نفس طریقہ حضورؐ کو پہلے ہی سے معلوم تھا، اس لئے کہ صلوٰۃ الفجر والعصر حضورؐ پہلے بھی ادا کرتے تھے، لہٰذا حدیث میں اصطلاحی امامت مراد نہیں''

جواب ۲ :۔ یا اصطلاحی امامت مراد ہے کہ جبرئیل نے امامت کی، کیونکہ حضورؐ اگرچہ کلی طور پر افضل تھے، لیکن جزئی اعتبار سے اس وقت جبرئیل اَعلم تھے اس لئے جبرئیل امام بنے۔

جواب ۳ :۔ یا مفضول اگر افضل کا امام بنے بھی تو اسمیں شرع کے لحاظ سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ یہ جائز امر ہے، اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اقتدار کیا تھا،،

اشکالِ دوم :۔ نماز کے مکلف تو انسان ہیں فرشتے اور جنات وغیرہ نہیں لہٰذا نماز کی فرضیت مکلف پر ہوئی، اور فرشتے غیر مکلف لہٰذا ان پر فرض نہیں لیکن روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امامت جبرئیل نے کی لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ متنفل کے پیچھے مفترض نے نماز پڑھی لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل درست ہے یا نہیں، ــــ تو اس سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ،،

دلیل شوافع :۔ ترجمۃ الباب کی حدیث اُمّنی جبرئیل ہے''

دلیلِ حنفیہ :۔ اَلاِمَامُ ضَامِنٌ،

دلیلِ ثانی حنفیہ :۔ مفترض اعلیٰ ہے اور متنفل ادنیٰ لہٰذا اعلیٰ ادنیٰ میں داخل نہیں ہونگے

جوابِ دلیلِ شوافع ۱ :۔ جبرئیل کو منجانب اللہ اس نماز کی تبلیغ کے لئے مکلف بنایا گیا تھا لہٰذا وہ نماز جبرئیل پر بھی فرض ہو گئی تھی، جیساکہ دوسری روایت میں ہے کہ خود جبرئیل نے کہا، بِھٰذَا "اُمِرْتُ"، لہٰذا اب صلوٰۃ المفترض خلف المفترض ہوئی دو فلا اشکال

۲ :۔ حضراتِ شوافع کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیوں کہ یہ واقعہ عالم مشاہدہ کا نہیں بلکہ عالم مثال کا ہے، جہاں سے حضورؐ کی امامت کرا رہے تھے اور عالم مثال میں خود حضورؐ اپنے صحابہ کرام کی امامت فرما رہے تھے، کیونکہ کسی صحابی نے جبرئیل کو امامت کرتے نہیں دیکھا، (تنظیم الاشتات)

دوسری بات :۔ امامت جبرئیل کی بیشتر روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت کی امامت کی ابتداء ظہر سے ہوئی تھی، البتہ سنن دارقطنی، باب امامۃ جبرئیل ص ۲۵۹ ج ۱ میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء فجر سے ہوئی تھی لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کا مدار محبوب بن الجہم راوی پر ہے جو کہ ضعیف ہیں، لہٰذا یہ صحیح ہے کہ ابتداء ظہر سے ہوئی تھی،

تیسری بات :۔ روایت میں ہے کہ ظہر کی نماز اداء پڑھائی پھر عصر کی پھر مغرب کی، پھر عشاء کی پھر جبرئیل نے کہا کہ میں اسی طرح حکم دیا گیا ہوں، اس روایت کو ذکر کر کے عروہ رحمۃ اللہ علیہ عمر بن عبدالعزیزؒ پر تنقید کرتے ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں تو وقت کا ذکر نہیں تو اس روایت سے اعتراض کیسے درست ہوگا۔

جواب :۔ دوسری روایت میں اسکی تفصیل آئی ہے کہ حضرت جبرئیل دو دن آئے، اور وقت پر نماز پڑھائی، اور اول و آخر کو بتلانے کے بعد اخیر میں کہا کہ اس کے درمیان کا وقت وقتِ مستحب و مختار ہے، اگر اس تفصیل کا لحاظ کیا جائے گا تو انکا اعتراض درست ہے

فقال عمر بن عبد العزیز اِعْلَمْ مَا تحدث بہ :۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے کہاکہ خوب سمجھ لو کیا بیان کر رہے ہو؟ اِعْلَمْ صیغۂ امر ماخوذ من العلم وقیل من الاعلام و یحتمل ان یکون صیغۃ المتکلم الا ان الاول ہو الصحیح، یہاں "ما تقول" کہکر عمر بن عبد العزیز نے بیان اوقات پر انکار نہیں کیا کیونکہ ہر ایک کو معلوم تھا، فکیف یخفی علی مثل عمر بن عبد العزیز الذی ہو الاول المجددین للسنۃ، بلکہ عروہ نے جو کہاکہ جبرئیل حضور کے امام تھے اس پر انکار وارد کیا گیا،

دوسرا شبہ :۔ عروہ نے جو نزول جبرئیل کی خبر بلا اسناد بیان کی اس پر استبعاد ظاہر کرتے ہوئے "ما تقول" فرمایا تو گویا کہ عروہ کی جلالت شان کے باوجود مزید احتیاط فی الروایۃ کے لئے تاکید کی گئی،،

اَوَ اِن جبرئیل :۔ اَوَ کا ہمزہ استفہام کیلئے ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ واؤ پر جب ہمزہ استفہام آتا ہے تو وہ تقریر کے لئے ہوتا ہے، اور "اَوَ" کے بعد علامہ زمخشری رح نے ایک فعل مقدر مانا ہے "اُحَدِّثُ"، پورا جملہ "اَوَ تحدث ان" ہے،،

قال عروۃ کذٰلک :۔ جب عروہ کو شک ہوا کہ یہ ہماری بات میں شک کر رہے ہیں تو اپنی باتوں کو مؤکد کرنے کے لئے سند کو ذکر کرنا شروع کیا، عروہ نے کہاکہ اسیطرح بشیر بن ابی مسعود نے روایت کی ہے اپنے والد سے، نیز عروہ نے کہاکہ مجھ سے تو حضور اکرم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ سورج ان کے حجرہ میں ہوتا تھا، روشنی کے جدار پر چڑھنے سے پہلے،

تعارف عائشہ رضہ :۔ حضرت عائشہ کی ولادت نبوت کے چھ یا سات سال کے بعد ہوئی، چھ سال کی عمر میں حضور ﷺ سے نکاح ہوا۔ ۹ سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، اور نو (۹) سال حضور ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج نبھاتی رہیں، اور ۱۸ سال کی عمر میں حضور ﷺ

کا سایہ ان سے اٹھ گیا،،

مسئلہ خلافیہ عصر کا وقت مستحب :۔

کان یصلی العصر :۔ یہاں سے ایک اختلافی مسئلہ ہے، وہ یہ ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر افضل ہے یا تعجیل تو اس سلسلے میں ائمہ کرام کی دو۲ جماعت ہیں،

جماعت اولی :۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک عصر میں مطلقاً تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ سورج کا رنگ زرد ہو جائے،

جماعت دوم :۔ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تعجیل مطلقاً افضل ہے،

دلائل احناف اول،، حدیث ام سلمہ،، وانتم اشد تعجیلاً للعصر منہ،، (رواہ احمد والترمذی، مشکوٰۃ ص ۶۲ ج ۱)

دوم،، حدیث علی بن شیبان رض،، قال قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یؤخر العصر ما دامت الشمس بیضاء نقیۃ،، (رواہ ابو داؤد فی باب وقت العصر ص ۵۹ ج ۱)

دلائل جمہور :۔ "اول،، ترجمۃ الباب کی حدیث، کان یصلی العصر والشمس فی حجرتھا قبل ان تظھر، حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایسے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جبکہ دھوپ میرے حجرے کے فرش پر تھی، اور دیوار پر نہیں چڑھی ہوئی تھی،

"دلیل دوم" وعن انس رض انہ قال یصلی العصر والشمس مرتفعۃ حیۃ فیذھب الذاھب الی العوالی الی فیاتیھم والشمس مرتفعۃ وبعض العوالی من المدینۃ اربعۃ امیال، (متفق علیہ)

"دلیل ثالث" وعن رافع بن خدیج یقول کنا نصلی العصر مع النبی ثم تنحر الجزور فتقسم عشر قسم ثم نطبخ فناکل لحما نضیجا قبل مغیب الشمس

(رواہ مسلم) تو اب دیکھئے بعد العصر اتنے کام کرتے تھے تو ضرور عصر میں تعجیل کرتے ہوں گے،

جوابِ دلائل شوافع:- حدیث اول کا جواب:- انہوں نے جو دلیل اول میں "والشمس فی حجرتہا" کی حدیث پیش کیا اس سے استدلال تام نہیں ہوتا، اس لئے کہ لفظ "حجرہ" اصل میں بناء غیر مسقف کیلئے ہے، اور کبھی کبھی اسکا اطلاق بناء مسقف پر بھی ہو جاتا ہے، یہاں دونوں کا احتمال ہے، حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے معنی یعنی بناء مسقف ہی مراد ہے اور اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رض کا کمرہ ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں دھوپ کے اندر آنے کا راستہ صرف دروازہ ہی ہو سکتا ہے اور حضرت عائشہ کے کمرہ کا دروازہ مغرب میں تھا لیکن چونکہ چھت نیچی تھی اور دروازہ چھوٹا تھا اس لئے اس میں دھوپ اس وقت اندر آتی ہے جبکہ سورج مغرب کی طرف نیچے آچکا ہو، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کے مطابق تاخیر عصر کی دلیل ہوئی نہ کہ تعجیل کی،

اور اگر اس سے بناء غیر مسقف مراد لی جائے تو اس صورت میں دھوپ کے حجرہ میں آنے کا راستہ چھت کی طرف سے ہوگا لیکن چونکہ دیواریں چھوٹی تھیں اس لئے سورج بہت دیر تک حجرہ کے اوپر رہتا تھا اور دھوپ کا سایہ دیوار پر چڑھنا بالکل آخر وقت میں ہوتا تھا اس لئے اس سے تعجیل پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

جوابِ حدیثِ ثانی بعض عوالی دو میل پر بھی تھے، نیز تیز رفتار آدمی اصفرار سے قبل عصر پڑھ کر چار میل سفر کر سکتا ہے،

جوابِ حدیثِ ثالث علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماہر قصاب اور طباخ اصفرار سے پہلے عصر پڑھ کر ایسا کر سکتے ہیں بالخصوص گرمی کے موسم میں تو ایسا کرنا بہت ممکن ہے، کیونکہ وقت وسیع ہوتا ہے،

الحدیث الثانی ـــ مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ، جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ صَلوٰةِ الصُّبْحِ فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ مِنَ الْغَدِ بَعْدَ أَنْ أَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ: ـ أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ صَلوٰةٍ، قَالَ، هَا أَنَا ذَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ، مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ،،

ترجمہ حضرت عطار بن یسار رہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ؐ کی خدمت میں آیا، اور صلوٰۃ فجر کے وقت کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جواب دینے سے خاموش رہے یہاں تک کہ کل آئندہ کا وقت آگیا تو آپ ؐ نے صبح کی نماز اس وقت پڑھی جیسے ہی صبح صادق ہوئی، پھر دوسرے دن فجر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ صبح روشن ہوچکی تھی، پھر آپ ؐ نے فرمایا، نماز فجر کے وقت کو معلوم کرنے والا کہاں گیا، تو اس نے کہا کہ ہاں، میں یہیں ہوں یارسول اللہ، آپ ؐ نے فرمایا، ان دونوں وقت کے درمیان وقت صلوٰۃ الفجر ہے،

توضیحات زید بن اسلم رح = یہ ابن عمر کے مولےٰ ہیں، یہ بہت بڑے عالم و زاہد اور علم حدیث و تفسیر کے امام تھے، مسجد نبوی میں انھوں نے درس دی ہے، بہت ہی ثقہ آدمی ہیں،

عطاء بن یسار :ـ یہ حضرت میمونہ رض کے مولیٰ ہیں، یہ چار بھائی تھے ایک کا نام سلیمان بن یسار ہ، یہ فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں اور عطار علم حدیث کے ماہر ہیں،،

اَنَّهُ قَالَ :ـ طبرانی اور دارمی کے اندر بہت سارے صحابی سے مرسلاً یہ روایت

آئی ہے، ام سلمہؓ سے، زید بن اسلم سے بھی ہے، لیکن دوسری کتابوں میں حضرت انسؓ واسامہؓ وغیرہما سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے''

وَقت صلوٰۃ الصبح :۔ یہ مطلق وقت ہے، نہ تو اوّل وقت کا ذکر ہے، اور نہ مستحب وقت کا، اور نہ آخر وقت کا، لہذا یہ اطلاق مطلق کی جانب لوٹ کر اوّل وقت مراد ہوگا''

فسکت عنہ :۔ چنانچہ آپؐ اس سوال کو سنکر خاموش رہے فی الفور جواب نہیں دیا۔ لیکن دوسری روایت میں صراحۃً ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دو دن میرے ساتھ رہو تو اسنے کہا ٹھیک ہے، پھر آپ نے دونوں دن نماز پڑھ کر عملی طور پر بتلادیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان تمہارے لئے وقت ہے''، یہاں قولی طور پر نہیں بتلایا ایسا کیوں؟

الجوابؔ :۔ عمل اوثق ہوتا ہے قول پر'' الجوابؔ :۔ اگر اس وقت زبانی بتلادیتے تو انہی لوگوں کو معلوم ہوتا جو وہاں موجود تھے، اور جب عملی طور پر بتلادیا تو اس وقت تمام حاضر رہیں گے، لہٰذا تمام لوگوں کو معلوم ہوجائیگا''

حین :۔ حین کا لفظ جب آتا ہے تو اس سے فی الفور کا معنی مراد لیا جاتا ہے،

ھَااَنَاذَا یارسول اللہ :۔ ہا، حرف تنبیہ ہے، اَنَا واحد متکلم، ذا اسم اشارہ، یا، حرف ندا، یہ تنبیہ کے لئے ہے، معنی، یارسول اللہ میں یہیں حاضر ہوں''

ثمّ قال این السّائل :۔ سوال :۔ آپ نے سائل کو خاص طور پر کیوں پکارا؟

جواب :۔ سائل ہی دل میں وقت صلوٰۃ الفجر کو معلوم کرنے کا اشتیاق لے کر آیا تھا، اس وجہ کر اسکو خاص طور پر پکارا،

الحدیث الثالث ــــ مَالِكٌ عَنْ یحییٰ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عَمْرَۃَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صلی اللہ تعا

علیہ وسلم انہا قالت إن کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطهن مایعرفن من الغلس ،،

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تھے، چنانچہ عورتیں لوٹتی تھیں اپنے اپنے گھروں کیجانب، اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی، وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں غلس کی وجہ سے،

توضیحات

یحیٰی بن یحیٰی سعیدؒ۔ یہ قاضی مدینہ تھے۔ کبار تابعین و اجلہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں، اوثق اور عادل ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے بھی استاذ ہیں، ان پر جرح و تعدیل کرنا درست نہیں کیونکہ ان کی جلالت شان ظاہر ہے

ان کان :۔ اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے کیوں کہ اس کے فعل پر لام کا داخل ہونا ضروری ہے جیسے لیصلی الصبح، اور اِن نافیہ کے بعد لام نہیں آتا ہے، یہ بصریوں کا مذہب ہے لیکن کوفیین تو اِن نافیہ مانتے ہیں اور لام کو استثنا کہتے ہیں جو کہ اِلَّا کے معنی میں ہے، لیکن بصریین تو لام کو لام فارقہ مانتے ہیں، درست بصری کا قول ہے۔

فینصرف النساء متلفعات :۔ بعض روایتوں میں متلفعاتٌ آیا ہے، دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی چادر اوڑھنا، تلفف لفافہ سے نکلا ہے، اور تلفع لفاع سے، دونوں کے معنی چادر کے ہیں، البتہ بعض حضرات نے یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ لفافہ اس چادر کو کہتے ہیں جس میں سر ڈھک جائے، اور لفاع اس کو کہتے ہیں جس سے سر نہ ڈھکے، "واللہ اعلم"

بمروطهن :۔ یہ مرطٌ کی جمع ہے، اس کے معنی بھی چادر کے ہیں، اونی چادر یا ریشم کی چادر مراد ہے،

مایعرفن من الغلس :۔ غلس کے لغوی معنی ظلمۃ اللیل کے ہیں، اور اس کا اطلاق

اس اندھیرے پر بھی ہوتا ہے جو طلوع فجر کے بعد کچھ دیر تک چھایا رہتا ہے، یہاں وہی تاریکی مراد ہے

مستحب وقتِ صلوٰۃِ فجر اور اختلافِ ائمہ

نمازِ فجر میں تعجیل افضل ہے یا تاخیر، تو اس باب میں ائمہ کرام کی دو جماعتیں ہیں

جماعتِ اولیٰ :۔ حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ نماز میں تاخیر کرکے اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔

جماعتِ دوم :۔ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تعجیل کرکے غلس میں پڑھنا افضل ہے، امام طحاویؒ کے نزدیک شروع غلس میں کرے اور قرأت طویل کرکے ختم اسفار میں کرے، امام احمد بن حنبل کی بھی دوسری رائے یہی ہے،

دلائلِ احناف اوّل" حدیث رافع بن خدیجؓ مرفوعاً اسفروا بالفجر فانہ أعظم للاجر" (رواہ الترمذی ابوداؤد والدارمی، مشکوٰۃ ص۶۱ ج۱)

دلیلِ دوم :۔ حدیث ابی الدرداءؓ مرفوعاً "اسفروا تغنموا" (مسند اسحاق والطحاوی) دلیلِ سوم :۔ عن ابراہیم النخعی قال ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ شیٔ ما اجتمعوا علی التنویر، (ابن ابی شیبہ والطحاوی)

دلائلِ جمہور دلیل اوّل :۔ ترجمۃ الباب کی حدیث عائشہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطھن مایعرفن من الغلس (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۶۰ ج۱)،

دلیلِ دوم :۔ حدیث ابی مسعود انصاریؓ قال ثم کانت صلوٰتہ بعد ذالک التغلیس حتیٰ مات ولم یعد الیٰ ان یسفر، (رواہ ابوداؤد ص۵۷)

جواب دلائل جمہور ۔ جوابِ حدیث اوّل کا :۔ یہ حدیث منسوخ ہے،

حضور کے زمانہ میں عورتوں کو بھی شرکت نماز کی ضرورت تھی، تاکہ نماز کے بارے میں نئے نئے نازل ہونے والے احکام کو وہ بھی معلوم کرسکیں، تو عورتوں کی رعایت کی وجہ سے غلس میں نماز پڑھتے تھے، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور قرینۂ نسخ احادیث مذکورہ ونیز اجماع صحابہ ہے ،،

جواب ۲: وہ تغلیس کسی وقت خروج الی السفر کے عذر سے کی ہوگی حدیث سے تو دوام ثابت نہیں ہوتا۔ کما قال البذل۔

جواب ۳:۔ یا چونکہ حضرت عائشہؓ حجرہ میں تھی اور مسجد کی چھت بھی نیچی تھی اس لئے مسجد کے اندر تاریکی تھی اگرچہ باہر اسفار ہو۔ اب مَا یُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ محمول علی غلس داخل المسجد۔

جواب ۴:۔ حضرت عائشہؓ والی حدیث فعلی ہے، اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ قولی ہے۔ اور قولی حدیث اور فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قولی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جوابِ حدیثِ ثانی کا

نمبر ۱:۔ نماز تہجد اور اجتماع صحابہ کی وجہ سے ایسا کیا کرتے تھے۔ نمبر ۲:۔ تغلیس کے لئے ناسخ اجماع صحابہ ہے۔ نمبر ۳:۔ صاحب التعلیق الصبیح کہتے ہیں کہ اس میں اسفار شدیدہ کی نفی مراد ہے۔ نمبر ۴:۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے اس کی سند میں اسامہ بن زید راوی متکلم فیہ ہیں، وقال ابوداؤد۔ ان اسامۃ بن زید تفرد بتفسیر الاوقات۔

الحدیث الرابع :۔ مالکٌ عن زید بن اسلم عَن عطاءِ بنِ یسارٍ وعَنْ بسرِ بنِ سعیدٍ وعن الاعرج کُلُّھُمْ یُحَدِّثُہٗ عن ابی ھریرۃ اَنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال : مَنْ ادرکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصُّبْحِ قبلَ اَنْ تطلُعَ الشمسُ فقدْ ادرکَ الصُّبْحَ ومن ادرکَ رَکْعَۃً مِّنَ العَصْرِ قبلَ اَنْ تغرُبَ الشمسُ فقدْ ادرکَ العَصْرَ ۔

ترجمہ حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں حضرت زید بن اسلم سے، وہ روایت کرتے ہیں عطاء بن یسار اور بسر بن سعید اور اعرج سے، وہ تمام کے تمام حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے فجر کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے قبل پالیا تحقیق کہ اس نے صلوٰۃ فجر کو پالیا۔ اور جس نے عصر کی نماز سورج غروب ہونے سے قبل پالیا تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا۔

توضیحات الاعرج:۔ چونکہ یہ لنگڑے تھے۔ اسی وجہ سے اعرج کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ابوحازم کنیت ہے، اعرج لقب ہے، عبدالرحمٰن نام ہے۔

بسر بن سعید:۔ تابعی اور ثقہ راوی ہیں۔

حالات ابوہریرہ آپ نبوت سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے۔ ۷ھ میں فتح خیبر کے سال میں اسلام لائے۔ ۵۷ھ میں ۷۸ سال کی عمر پاکر دار فانی سے دار بقا کو کوچ کر گئے۔ آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چار سال صحبت اٹھائی۔ لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام میں کثیر الروایۃ ہیں۔ چنانچہ آپ کی کل مرویات پانچ ہزار تین سو چونسٹھ (۵۳۶۴) ہیں۔ اور دوسرے قول کے مطابق سات ہزار پانچ سو چوہتر (۷۵۷۴) ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ سے آٹھ سو سے زائد صحابہؓ اور تابعین روایت حدیث کرتے ہیں، قبیلے کے لحاظ سے دوسی ہیں۔ آپ کے نام میں ۳۵ اقوال ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اصح قول یہ ہے کہ آپ کا اسلامی نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔ لیکن پھر آپ کی کنیت آپ کے نام پر غالب آگئی اور جاہلی نام عبد شمس یا عبد عمرو تھا۔ کنیت کی وجہ کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے خود فرمایا "کنت احمل یوماً ھرۃ فی کمی فرآنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ما ھذہ فقلت ھرۃ، فقال یا اباھریرۃ" بعض علماء نے کہا کہ آپ بچپن میں بلی سے کھیلا کرتے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ آپ بلی کی تربیت اور دیکھ بھال کرتے تھے۔ (مرقات ص ۶۹ ج ۱)

مسئلہ خلافیہ ائمہ کرام

دوران نماز فجر اور نماز عصر سورج طلوع و غروب ہو جائے تو ان نمازوں کی تکمیل اسی صورت میں جائز ہے یا نہیں۔ تو اس کے اندر ائمہ کرام کے چار مذاہب ہیں۔

مذہب اوّل :۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کے نزدیک فجر و عصر دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی اگر نماز شروع کر چکا ہو اور درمیان میں آفتاب طلوع یا غروب ہو جائے تو نماز پوری کرے۔ مذہبِ دوم :۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک عصر وقتی پڑھ رہا ہو اور سورج غروب ہو رہا ہو تو نماز کی تکمیل کرے، اور اگر نماز فجر پڑھ رہا ہو اور طلوع شمس ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ بعد میں اس نماز کی قضاء کرے، اور یہ نماز نفل ہو جائے گی۔ مذہب سوم :۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز فجر میں امساک کرے حتیٰ کہ وقت مکروہ گذر جائے۔ تب اتمام نماز کرے۔ مذہب چہارم :۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فجر و عصر دونوں نمازیں آفتاب کے طلوع و غروب سے فاسد ہو جائیگی۔

دلائل احناف

اوّل دلیل :۔ حدیث باب کے راوی ابوہریرہؓ کا فتویٰ احناف کے مطابق ہے۔ چنانچہ کنز العمال میں بحوالہ مسند عبدالرزاق اسکی تصریح آئی ہے۔ قال ان خشيت من الصبح فوتا فبادر بالركعة الاولى الشمس فان سبقت بها الشمس فلا تعجل بالاخرة (كذا فی كنز العمال ج۴ ص۲۳۸)

وقال عمرؓ ماكدت ان صلے العصر حتے كادت الشمس تغرب فانه يدل علے ان عمرؓ ادى الصلوٰة قبل المغرب (فتح الملہم ج۲ ص۱۸۷)

دلیل سوم :۔ حدیث ابن عمرؓ مرفوعاً لا يتحرى احدكم فيصلے عند طلوع الشمس ولا عند غروبها (متفق علیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۹۴)

دلیل سوم :۔ ابوسعید خدری کی حدیث مرفوع۔ لا صلوٰة بعد الصبح حتے ترتفع الشمس ولا صلوٰة بعد العصر حتے تغيب الشمس۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۹۴)

دلائل جمہور

دلیل اول :۔ ترجمۃ الباب کی حدیث عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک رکعۃ من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر"

جواب (۱) حدیث ھذا :۔ جن احادیث میں "من ادرک رکعۃ من الصبح فقد الخ" ہے اس میں فقد ادرک کا معمول محذوف ہے "ای مَن اَدرَکَ رَکعۃً مِن الصلوٰۃ ای فی الوقتِ فَقَد اَدرَکَ الوقتَ"

جواب (۲) :۔ یا مسلم میں جو اس طرح ہے کہ مَن اَدرَکَ رَکعۃً مِنَ الصَّلوٰۃِ مَعَ الاِمَامِ فَقَد اَدرَکَ اَی فقد اَدرَکَ فَضِیلَۃَ الجماعۃ" جواب (۳) :۔ یا لفظِ وجوب مقدر ہوگا، ای فَقَد اَدرَکَ وُجوبَ الصَّلوٰۃِ، اب حدیث کا معنی ہوگا کہ جب نابالغ بالغ ہوجائے، یا حائضہ پاک ہوجائے، یا کافر مسلمان ہوئے، یا مجنون عاقل ہوجائے ایسے وقت میں کہ طلوع و غروب سے قبل ایک رکعت پڑھ سکتا ہو تو اس نے وجوب صلوٰۃ کو پالیا، بعد میں اس پر قضاء ضروری ہے

جواب (۴) :۔ علامہ صدر الشریعۃ اور حافظ ابن ہمام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تعارض احادیث کی وجہ سے اصول فقہ کے قاعدے کے مطابق ترجیح کے لئے قیاس کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ عصر کی نماز صحیح ہو، اور فجر کی نماز صحیح نہ ہو، اسکی وجہ یہ ہے فجر کا سارا وقت کامل ہے۔ اور وجوب صلوٰۃ کا سبب آخری جز وقت ہے تو فجر میں وجوب کامل ہے، لہٰذا ادائے ناقص درست نہیں۔ بخلاف عصر کے کہ اس کا آخری وقت ناقص ہے۔ لہٰذا ادائے ناقص بھی درست ہے۔

دَلیلِ دوم :۔ مَن اَدرَکَ سَجدَۃً مِنَ الصُّبحِ قَبلَ اَن تطلع الشَّمسُ فَلیُتِمَّ صَلوٰتَہٗ، (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۶۱ ج ۱)

جواب حدیث ثانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تبطل صلوٰۃ الصبح بطلوع الشَّمسِ۔ حدیث بن مسعود رضی اللہ عنہ

انہ علیہ السلام قال لا تحروا الصلوٰۃ کم عند طلوع الشمس وعند غروبھا،،
اس قسم کی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ عند طلوع الشمس نماز جائز نہیں۔ لہٰذا بوقت
طلوع نماز باطل ہو جائے گی۔

الحدیث الخامس :۔ مالکٌ عَن نَافِعٍ مَوْلیٰ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: کَتَبَ اِلیٰ عُمَّالِہٖ اَنَّ اَھَمَّ اَمْرِکُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ حَفِظَھَا وَحَافَظَ عَلَیْھَا حَفِظَ دِیْنَہٗ وَمَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَ لِمَا سِوَاھَا اَضْیَعُ ثُمَّ کَتَبَ اَنَّ صَلٰوۃَ الظُّھْرِ اِذَا کَانَ الْفَیْئُ ذِرَاعًا اِلیٰ اَنْ تَکُوْنَ ظِلُّ اَحَدِکُمْ مِثْلَہٗ، وَالْعَصْرُ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ بَیْضَاءُ نَقِیَّۃٌ قَدْرُ مَا یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فَرْسَخَیْنِ اَوْ ثَلٰثَۃً قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ، وَالْمَغْرِبُ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَالْعِشَاءُ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلیٰ ثُلُثِ اللَّیْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَیْنُہٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَیْنُہٗ، فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَیْنُہٗ، وَالصُّبْحُ وَالنُّجُوْمُ بَادِیَۃٌ مُشْتَبِکَۃٌ

ترجمہ حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں حضرت نافع سے جو عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ ہیں امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے بارے میں کہ انھوں نے اپنے حکام کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ تمہارے کاناموں میں مہتم بالشان کام میرے نزدیک نماز کا پڑھنا ہے، لہٰذا جس نے اس کی حفاظت کی (یعنی ارکان و شرائط کے ساتھ نماز پڑھی) اور اس پر نگہبانی کی (یعنی نماز کو شیطانی وساوس سے محفوظ کر کے اس کو وقت کو ادا کرنے میں کوشاں رہے) تو گویا اس نے اپنے دین کے بقیہ امور کی نگہبانی و محافظت کی، اور جس نے اسے ضائع کر دیا تو وہ اس چیز کو جو نماز کے علاوہ ہے بہت ضائع کرنے والا ہے۔ پھر یہ لکھا کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے سے لیکر

اس وقت تک پڑھو جب تم میں سے کسی آدمی کے مثل سایہ ہو جائے، اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کر کہ سورج اونچا اور بالکل سفید ہو، اور سورج ڈوبنے میں اتنا وقت رہے کہ کوئی سوار سورج ڈوبنے سے پہلے دو یا تین میل طے کر سکے، اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھا کرو، اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے وقت سے تہائی رات تک پڑھا کرو، جو سو جائے تو اس کی آنکھ کو نیند نہ آئے، جو سو جائے تو اس کی آنکھ کو نیند نہ آئے، جو سو جائے تو اس کی آنکھ نہ سوئے، اور صبح میں نماز ایسے وقت پڑھو جبکہ ستارے سفیدی اور تاریکی میں جھلملا رہے ہوں، (تاریکی میں)

توضیحات

واقعۂ حدیث:۔ نماز دین کا ستون اور بنیاد ہے نیز نماز ہی وہ عبادت ہے جو برائیوں سے روکتی ہے، اور بھلائی و سعادت کے راستہ پر لگاتی ہے، اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس نے نماز کی محافظت کی گویا اس نے دین کے تمام امور کی محافظت کی، فرماتے ہیں کہ جس نے نماز کو ضائع کیا یعنی نماز یا تو بالکل پڑھی ہی نہیں اور اگر پڑھی تو شرائط و واجبات کا قطعاً لحاظ نہ کیا تو وہ نماز کے علاوہ دیگر واجبات و مستحبات اور دینی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے، کیوں نماز ہی عبادت کی اصل ہے، جب اس نے اسکا خیال نہ رکھا تو اس سے دوسرے امور دین کے خیال رکھنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

فرسخین :۔ واحد، فرسخ، "اثنا عشر الف خطوۃ وثلثۃ امیال"

اوقات صلوٰۃ واختلاف ائمہ

انتہاء وقت ظہر انتہائے وقت صلوٰۃ ظہر کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ـــــــ امام اعظم ابوحنیفہ رح کی مشہور اور ظاہر روایت میں ظہر کا وقت مثلین تک ہے، اور عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہو جاتا ہے، لیکن امام شافعی امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل اور صاحبین رحمہم اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک ظہر کا وقت

ایک مثل تک باقی رہتا ہے، اور مثلِ اوّل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، حنفیہ کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ ظہر کا وقت مثل اول تک ہے، لیکن احتیاطاً اس میں ہے کہ ظہر تو ایک مثل ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے، اور عصر مثلین کے بعد پڑھی جائے تاکہ نماز بالاجماع ہوجائے، (اوجز المسالک ص ۱۴ ج ۱)

دلائلِ احناف (۱) حدیث ابی هریرة مرفوعاً اذا اشتد الحرّ فابردوا بالصّلوٰة (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۶۰ ج ۱) کیونکہ بلادِ عرب میں ابراد مثل اول کے بعد ہوتا ہے، (۲) عبداللہ بن رافع نے حضرت ابوہریرہ سے اوقات نماز دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك (موطا مالک)

دلائلِ جمہور (۱) ترجمۃ الباب کی حدیث "صلوا الظهر اذا كان الفئ ذراعاً الى ان يكون ظل احدكم مثله" (۲) امامت جبرئیل والی حدیث، کیونکہ اس میں دوسرے دن وقت ظہر مثل اوّل تک بتایا گیا ہے،" فلما كان الغد صلى بي الظهر حينا كان ظله مثله"۔۔۔۔۔۔ (رواہ ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ ص ۵۹ ج ۱)

جواب دلائلِ جمہور حضرت عمرؓ کا یہ حکم ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے کے وقت یعنی اس کے فوراً بعد ظہر کا وقت ہے۔ یہ ان مقامات کے لئے ہے جہاں سایہ اصلی اس قدر ہوتا ہے، جیسا کہ ذکر کرتا ہوں کہ سایہ اصلی مقامات اور وقت کے اعتبار سے آتا ہے کہیں تو زیادہ رہتا ہے اور کہیں کم رہتا ہے۔ (۲) بلادِ عرب میں ابراد مثل اوّل کے بعد ہوتا ہے (۳) یہ حدیث استحباب اور افضلیت پر محمول ہے۔ اور قرینہ هٰذا وقت الانبياء من قبلك والی روایت ہے۔

جواب ۲/:۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جبرئیل منسوخ ہے۔ کیونکہ باقی روایات متاخر ہیں، اور عمل متاخر پر ہوتا ہے۔ جواب ۳/:۔ حدیث امامت جبرئیل مرجوح ہے کیونکہ اس کی سند حسن ہے اور روایات مذکورہ بالا کی سند صحیح ہے۔ لہٰذا ترجیح ان کو ہوگی۔

انتہائے وقتِ عصر

والشمس مرتفعة بيضاء نقية الخ: عصر کی نماز کا آخری وقت کیا ہے؟ تو اس کی تعین میں ائمۂ کرام کے درمیان دو جماعت ہیں۔ جماعت اولیٰ:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک وقتِ عصر غروب شمس تک ہے۔ یعنی اصفرار شمس سے پہلے تک مستحب ہے، پھر جائز مع الکراہتہ ہے۔ مگر فی نفسہ سارا وقت جواز کے حکم میں ہے۔ جماعتِ دوم:۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے یہاں دو مثل تک، لیکن امام شافعی رح کے تین اقوال ہیں۔ (۱) جمہور کے موافق (۲) مثلین تک (۳) اصفرار شمس تک،

دلائلِ جمہور

(۱) حدیث ابی ہریرۃ رض مرفوعاً من ادرک من العصر رکعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر،

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۶۱ ج ۱)

دلیل (۲):۔ حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رض مرفوعاً، ووقت العصر مالم تغرب الشمس، ________ (رواہ مسلم، مرقات ص ۱۲۰ ج ۲)

دلائل مالکیہ وشافعیہ

دلیل اوّل:۔ ترجمۃ الباب کی حدیث، والعصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية قدر ما يسير الراكب فرسخين او ثلثة قبل غروب الشمس، (موطا مالک ص ۳)

جواب حدیث ھٰذا:۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ماہر اور تیز سوار عصر کی نماز کے بعد اور سورج غروب ہونے سے قبل دو فرسخ سفر طے کر سکتا ہے، بالخصوص گرمی کے دنوں میں تو ایسا کرنا بہت ممکن ہے۔

دلیلِ ثانی:۔ حدیث مالم تصفر الشمس،،

دلیلِ ثالث:۔ حدیث امامت جبرئیل کہ اس میں دوسرے دن وقتِ عصر مثلین تک بتایا گیا ہے۔ ،، وصلی بی العصر حین کان ظلہ،، (رواہ ابوداؤد، والترمذی مشکوٰۃ ص ۵۹ ج ۱)

جواب (۱) :۔ یہ احادیث استحباب پر محمول ہیں تاکہ تمام روایات میں تطبیق ہوجائے۔

جواب (۲) :۔ حدیث جبرئیل کا مطلب یہ ہے کہ عصر کی ابتدار مثلین پر کی،،

ابتدائے وقتِ مغرب

حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ امام اعظم، صاحبین، وعامۃ الفقہار بلکہ جمہور ائمہ اربعہ کے نزدیک اوّل وقت مغرب غروب شمس سے شروع ہوتا ہے بدلیل حدیث سلمۃ بن الاکوع انہ علیہ السلام کان یصلی المغرب اذا غربت الشمس وتوارت بالحجاب (رواہ مسلم) وعن ابی مسعود انہ علیہ السلام کان یصلی المغرب اذا وجبت الشمس ،

انتہائے وقتِ مغرب

انتہائے وقت کی تعیین میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

جماعت اولیٰ :۔ امام ابوحنیفہ، احمد، صاحبین اور جمہور علمار کے نزدیک وقتِ مغرب غروب شفق تک وسیع ہے۔ جماعت دوم :۔ امام مالک، شافعی، اوزاعی رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ مغرب کا وقت صرف وضور اور تین یا پانچ رکعت تک ہے۔ اور اس کے بعد مغرب قضار ہوجائے گی تو گویا ان کے یہاں مغرب کا وقت ضیق ہوا۔

دلائل جمہور

(۱) عن عبد اللہ بن عمرو انہ علیہ السلام قال اذا صلیتم المغرب فانہ وقت الی ان یسقط الشفق، وفی روایۃ عنہ انہ علیہ السلام قال وقت المغرب مالم یغیب الشفق ،وفی روایۃ عنہ انہ علیہ السلام قال وقت المغرب اذا غابت الشمس مالم یسقط الشفق (ھذہ الروایات کلہا فی مسلم)

دلیلِ شوافع ومالکیہ

حدیث امامت جبرئیل کیونکہ اس میں دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں نماز مغرب پڑھائی گئی، حالانکہ دوسرے دن انتہائے وقت بتانا مقصود تھا۔

جوابُ دلیلِ شوافع ومالکیہ (۱) یہ حدیث افضل وقت پر محمول ہے۔ (۲) یہ حدیث مرجوح ہے اور روایات بالا راجح ہے۔ (۳) یہ حدیث منسوخ ہے ــــــ (بذل المجہود ص۲۲۸ ج۱)

شفق کی تفسیر میں اختلاف شفق کی تفسیر کیا ہے؟ اس سلسلے میں ائمۂ کرام کے درمیان اختلاف ہوگیا۔

جماعتِ اُولیٰ :۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفقِ ابیض مراد ہے جو شفقِ احمر کے بعد افق پر پھیلتی ہے۔ جماعت دوم :۔ امام مالک، شافعی، صاحبین اور جمہور علماء کے نزدیک شفق احمر مراد ہے جو غروب شمس کے بعد افق پر پھیلتی ہے۔

دلائلِ احناف (۱) حدیث ابی مسعود الانصاری رض ویصلی العشاء حین یسود الافق (رواہ ابوداؤد)

کیونکہ اسود افق غروب شمس کے بعد ہوتا ہے۔ (۲) حدیث جابر ثم اذن ای بلال "للعشاء حین ذهب بیاض النهار وهو الشفق" (رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط) اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی اذان غروب شفق ابیض کے بعد دی گئی۔

دلیلِ جمہور حدیث عائشہ رض :۔ قالت کانوا یصلون العتمة فیما بین ان یغیب الشفق الی ثلث اللیل (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۶۰ ج۱)

کیونکہ شفق ابیض ثلث لیل تک باقی رہتا ہے تو معلوم ہوا کہ شفق احمر مراد ہے کیونکہ اگر شفقِ ابیض مراد ہوتا تو عشاء ثلث لیل سے قبل جائز نہ ہوتی۔

جواب حدیث هذا :۔ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ شفق ابیض ثلث لیل تک باقی رہتا ہے بلکہ وہ اس سے پہلے ختم ہو جاتا ہے۔

فائدہ فتویٰ صاحبین کے قول ہے کہ وقت مغرب شفق احمر کے غروب تک ہے۔ اور امام اعظم کا رجوع بھی ثابت ہے۔ لیکن احتیاط تو اس میں ہے کہ

مغرب تو شفق احمر کے غروب ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لی جائے لیکن عشاء شفق ابیض کے غروب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ نماز مختلف فیہ نہ ہو۔

انتہائے وقتِ عشاء

عشاء کی انتہاء کا وقت کیا ہے؟ تو آخر وقت کی تعیین میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

جماعت اوّل :۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک طلوع صبح صادق تک ہے۔ جماعت دوم :۔ امام مالک اور شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ایک ایک قول کے مطابق ثلث لیل تک اور دوسرے قول میں نصف لیل تک ہے۔

دلائلِ احناف

حدیث عائشہؓ (۱) :۔ قالت اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتی ذھب عامۃ اللیل وحتی نام اھل المسجد ثم خرج فصلی بھم (رواہ مسلم والنسائی) (۲) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا وصل العشاء ای اللیل شئت۔ (رواہ الطحاوی) (۳) حضرت ابوہریرہؓ سے عبید جریج نے پوچھا ما افراط صلوۃ العشاء، قال طلوع الفجر (رواہ الطحاوی)

ثلث لیل کی دلیل :۔ حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام وصلی العشاء الی ثلث اللیل (مشکوٰۃ باب ہذا فصل ثانی ص $\frac{59}{ج1}$)۔

نصف لیل کے دلائل :۔ (۱) حدیث ابوہریرہؓ وان اٰخر وقتھا حین ینتصف اللیل (رواہ الترمذی)

جواب :۔ تمام ذخیرۂ احادیث میں تطبیق کی صورت یہی ہے کہ ثلث لیل تک عشاء کا مختار و مستحب وقت ہے۔ اور نصفِ لیل تک مباح بلا کراہت ہے۔ اور اس کے بعد صبح صادق تک جائز مع الکراہت ہے۔

فمن نام فلا نامت عینہ :۔ اوّلاً حضرت عمرؓ کا یہ قول فمن نام فلا نامت عینہ تین بار فرمانا تاکید اور تہدید پر محمول ہے معناہ عشاء سے پہلے نماز پڑھے بغیر جو شخص سوگیا

خدا اس کو سونا نصیب نہ کرے یعنی وہ پریشانی اور بے قراری میں مبتلا رہے۔ بعض حضرات نے اس کے ظاہر سے استدلال کر کے نوم قبل العشاء کو مطلقاً مکروہ کہا ہے۔ لیکن مسلک مختار یہ ہے کہ اگر نمازِ عشاء کے وقت اٹھنے کا یقین ہو یا کسی شخص کو اٹھانے پر مقرر کر دیا ہو تو بلا کراہت بھی جائز ہے علماء کرام نے رمضان المبارک کی لیل کو اس وعید سے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ اس کو تراویح کی فکر لگی ہوگی اور اس سونے کی وجہ سے کسل بھی نہیں ہوتا کیونکہ تمام صلوٰۃ تراویح کے مشتاق ہوتے ہیں۔

والصبح والنجوم بادیة مشتبکة :۔ یہاں سے فجر کے وقت کو بتلا رہے ہیں، اس وقت کی بحث پیچھے گذر چکی ہے کہ آیا تغلیس میں پڑھنا افضل ہے یا اسفار میں، (وہاں ملاحظہ ہو)

الحدیث السادس :۔ مالكٌ عَن عمِّہ ابی سھیلِ بنِ مالكٍ عَن اَبیہِ اَنَّ عُمَرَ بنَ الخطَّابِ کتبَ الی اَبِی مُوسی الاشعرِیِ ان صلِّ الظّھراذا زاغتِ الشّمسُ والعصرَ والشّمسُ بیضاءُ نقیۃٌ قبلَ اَن تدخلَہا صُفرۃٌ، والمغربَ اذا غابَتِ الشّمسُ، والعشاءَ مالم تنم، وصلِّ الصبحَ والنّجومُ بادیۃٌ مشتبکۃٌ واقرأ فیھا بسُورتینِ طویلتینِ مِن المفصّلِ "

ترجمہ حضرت امام مالک روایت کرتے ہیں اپنے چچا حضرت ابو سہیل بن مالک سے وہ اپنے والد محترم سے کہ عمر بن الخطابؓ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج مائل ہو جائے، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھا کرو جب کہ سورج سفید اور چمکتا ہوا ہو صفرہ کے حلول سے پہلے پہلے، اور مغرب اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے، اور عشاء کو اپنے سونے تک مؤخر کرو۔ اور صبح کی نماز پڑھو اس حال میں کہ ستارے روشنی اور تاریکی کے درمیان جھلملا رہے ہوں۔ اور اس کے اندر مفصلات

میں دو طویل سورة پڑھو،،

توضیحات

یہ روایت ان لوگوں کی مستدل ہے جو ظہر کو اوّل مثل تک اور عصر کو مثلین تک اور عشاء کو مؤخر کرنے کے قائل ہیں۔

حالاتِ ابی موسیٰ اشعریؓ :۔ آپ کا نام عبداللہ بن قیس اشعری ہے، اور اشعری بنو اشعر قبیلہ کی طرف منسوب ہے، آپ مکہ میں اسلام لائے اور پھر ارض حبشہ کی طرف ہجرت کی سنہ ۲۰ھ میں حضرت عمر فاروق رضہ نے آپ کو بصرہ کا والی و حاکم بنایا۔ آپ نے "اھواز" فتح کیا اور ۵۲ھ میں وفات پائی۔

مقدار قرأة فی الصلوٰة

سب سے پہلا مسئلہ۔ فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورة کا ملانا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورة نہیں ملائی جائے گی۔ صرف سورة فاتحہ پڑھی جائے گی۔ اور اس سلسلے میں حضرت ابوطلحہ رضہ والی روایت بخاری شریف کے اندر ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورة ملانا سنت ہے۔ پھر امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک صرف پہلی دونوں رکعتوں میں سنت ہے اخیر میں نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں رکعتوں میں سنت ہے

فرائض میں مسنون قرأة کی مقدار کیا ہے؟

یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے اندر کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ الفاظ بھی چاروں ائمہ کے ایک ہی ہیں۔ فجر اور ظہر میں طوال مفصل ہے، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل ہے، اور صرف مغرب میں قصار مفصل ہے۔

دوسرا مسئلہ :۔ فجر کی نماز کے اندر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ پہلی رکعت لمبی ہوگی دوسری کے مقابلے میں۔

الحدیث السابع

مالکٌ عن هشام بن عروة عن أبيه أنّ عمر بن الخطاب كتب

إلی أبی موسی الأشعری إن صل العصر والشمس بیضاء نقیة قدر ما یسیر الراکب ثلثة فراسخ وان صل العشاء ما بینک و بین ثلث اللیل فان اخرت فالی شطر اللیل ولا تکن من الغافلین

ترجمہ حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں حضرت ہشام بن عروۃ سے، اور ہشام روایت کرتے ہیں اپنے والد عروہ سے کہ انہوں نے کہا کہ عمر بن الخطابؓ نے ابوموسیٰ اشعری کے پاس خط لکھا بھیجا کہ عصر کی نماز پڑھو اس وقت جبکہ سورج صاف اور چمکتا ہوا ہو اور سورج ڈوبنے میں اتنا وقت رہے کہ کوئی سوار سورج ڈوبنے سے پہلے تین فرسخ کے بقدر طے کر سکے، اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھو کہ تمہارے درمیان اور ثلث لیل کے درمیان کا وقت ہو۔ اگر تم مؤخر کرنا چاہو تو نصف لیل تک مؤخر کرو۔ اور تم غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

الحدیث الثامن :- مالکؒ عن یزید بن زیاد عن عبد اللہ بن رافع مولی أم سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ سأل أبا ھریرۃ عن وقت الصلوٰۃ فقال ابو ھریرۃ انا اخبرک صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک، والمغرب اذا غربت الشمس، والعشاء ما بینک وبین ثلث اللیل = وصل الصبح بغبش یعنی الغلس،،

ترجمہ عبد اللہ بن رافع سے روایت ہے کہ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ ظہر کی نماز اس وقت تک پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے مثل ہو جائے، اور

عصر اس وقت تک پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہو جائے، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے، اور عشاء کی نماز تم اپنے درمیان اور ثلث لیل کے درمیان میں پڑھو، اور صبح کی نماز غلس میں پڑھو۔

توضیحات

یزید بن زیاد:۔ کبھی ابی زیاد کی طرف انکی نسبت کیجاتی ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام محدثین ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

عبد اللہ بن رافع۔ یہ حضورؐ کے غلام ہیں جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہدیتاً پیش کیا تھا یہ ثقہ اور حافظ حدیث ہیں۔

وقت الصلوٰۃ:۔ الف لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے یعنی مخصوص نماز اور جنس کا بھی ہو سکتا ہے ظاہراً یہ حدیث احناف کی تائید میں ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض حضرات نے تاویل کی اور الف لام عہد کا لیا اور کہا کہ اس سے آخری وقت کو بیان کر رہے ہیں، اور یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر حقیقتاً مرفوع ہے

غلس:۔ غلس کے معنی میں ہے۔ یعنی رات کی تاریکی اور صبح کی روشنی کا ملاپ،

الحدیث التاسع:۔ مالك عن اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحة عن انس بن مالك انه قال كنا نصلي العصر ثم يخرج الانسان الى بنی عمرو بن عوف فيجدهم يصلون العصر،

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر انسان نکل کر قبیلہ بنو عمرو بن عوف کی طرف جاتے تو ان لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پاتے۔

توضیحات

اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی طلحة:۔ یہ حضرت انسؓ کے سوتیلے بھتیجے ہیں، امام مالک اپنے استاذوں کے کلام میں تعارض کے وقت

ان کے کلام کو ترجیح دیتے ہیں۔

حالات انسؓ :۔ آپ کی کنیت ابوحمزہ اور والد کا نام مالک بن نضر ہے، قبیلے کے لحاظ سے خزرجی ہیں، آپ کی والدہ کا نام ام سُلیم بنت مُلحان ہے، آپ حضور علیہ السّلام کے خادمِ خاص تھے، جب آنحضرت مدینہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی عمر دس سال کی تھی، اسی وقت سے حضور علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور دس سال تک خدمت کی، آپؓ مدینہ طیبہ میں ہمیشہ رہے لیکن خلافت عمر فاروق رضؓ میں تعلیم فقہ کے لئے بصرہ منتقل ہو گئے اور وہیں ۹۱ھ میں بعمر ۹۹ سال وفات پائی۔

آپ کثیر الاولاد تھے۔ حتیٰ کہ عند البعض پوری سَو (۱۰۰) اور عند البعض اَسّی (۸۰) اولاد تھی جن میں ۷۸ ذکور اور صرف دو اناث تھیں، آپ سے بہت سی مخلوق نے روایت کی ہے، آپ کی کل مرویات ۱۲۸۶ ہیں۔

کُنّا نصلی العصر :۔ اگر صحابی کُنّا نفعل یا نصلی کہے تو اسکو امام حاکمؒ مرفوع قرار دیتے ہیں، امام دار قطنی موقوف قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ لفظاً موقوف اور معنًی مرفوع ہے۔ مگر یہ حدیث قطعاً مرفوع ہے۔ کیونکہ مالک کے دوسرے شاگرد نے صراحت کر دیا ہے مع النبیؐ کی۔

الحدیث العاشر :۔ مالك عن ابن شهابٍ عن انسِ بن مالك انه قال كنا نصلى العصر ثم يذهبُ الذاهبُ الى قباءٍ فيأتيهم والشمس مرتفعة "

ترجمہ انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھتے، پھر جانے والا قبا کی طرف جاتا۔ پھر وہ لوگ آتے حال اینکہ سورج بلند ہوتا تھا۔

توضیحات قباء :۔ مدینہ سے قبا کی مسافت ڈیڑھ یا تین میل ہے، اس حدیث سے

استدلال کرتے ہیں وہ لوگ جو تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں مگر ہم کہیں گے اگر آخر وقت میں پڑھیں گے تو کثرت نوافل کا موقع ملے گا جو کثرت ثواب پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن خود سوچو، کُنّا نفعلہ، یہ تائید پر دلالت کرتا ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ابتدا میں پڑھتے اور صحابہ تاخیر میں پڑھتے تھے، کیا صحابہ حضورؐ کے فعل کی مخالفت کر سکتے تھے؟ نہیں! بلکہ حضور تعجیل کسی مصلحت کی بنا پر کرتے تھے، اس لیے صحابہ تاخیر کرتے تھے ''

ثم یذھب الذاھب :۔ حافظ ابن حجر نے لکھا کہ اس سے خود انس رضہ مراد ہیں کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ جانے والا دو میل کا سفر کر لیتا مگر سورج متغیر نہ ہوتا تھا۔ یہ محمول ہے استحباب پر۔ دوسری بات یہ کہ جانے اور سواریوں کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ اگر سواری تیز ہے تو جلدی جائے گی۔ اور کبھی دو مثل کے بعد کافی وقت ملتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس روایت میں مالک سے وہم ہو گیا۔ امام زہری کے دیگر شاگرد اسکو العوالی کہتے ہیں۔ یہاں مالک نے قباء کہدیا۔ علامہ ابن عبد البر، دارقطنی حضرات وغیرہ نے کہا کہ مالک سے وہم ہوا۔ مگر تمام حضرات لکھتے ہیں کہ مالک زہری کے تلامذہ میں اوثق ہیں اور لمبی مدت تک خدمت میں رہے۔ اور خود مدینہ میں پیدا ہوئے۔ برخلاف دوسرے شاگرد یعنی انس (شعیب وغیرہ) تو تعارض ہو رہا ہے ثقہ اور اوثق کا تو یہ کہدینا کہ مالک سے وہم ہوا صحیح نہیں۔

عوالی :۔ مدینہ کی جانب جو چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں ان کو عوالی کہتے ہیں جو مدینہ سے نجد کیجانب ہیں۔ اسی سمت قباء بھی ہے اور قباء عوالی میں ہے۔ زہری نے اجمالاً قباء کہہ دیا۔ اور مالک نے اس کی تفسیر کر دی۔

الحدیث احدی عشر :۔ مالکؒ عَنْ رَبِیعَةَ بْنِ أَبِی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَالَ مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يُصَلُّونَ الظُّهْرَ بِعَشِيٍّ ۔

ترجمہ

حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں لوگوں کو نہیں پایا تھا مگر وہ لوگ زوال کے بعد نماز پڑھتے تھے۔ ظہر کو ٹھنڈا کر کے۔

توضیحات

ربیعۃ بن ابی عبد الرحمان:۔ یہ امام مالک کے استاذ ہیں، اور ثقہ راوی ہیں اور ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور ہیں، فقیہ ہیں۔

قاسم بن محمد:۔ ابوبکر کے پوتے ہیں، اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں۔

بعشی:۔ زوال سے لیکر غروب شمس تک کے لئے یہ بولا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے رات تک کہا ہے

الغرض کسی نے حضرت قاسم بن محمد سے بحث کی کہ ظہر اول وقت میں پڑھ لینا چاہیے تب انھوں نے کہا کہ میں نے حضرات صحابہ کو عشی یعنی ٹھنڈے میں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ

جمعہ:۔ بضم المیم، بفتح المیم، بسکون المیم، تینوں ہے۔ ضمہ حجاز کی لغت، فتحہ بنو تمیم کی لغت سکون بنو عقیل کی لغت، لیکن مشہور بضم المیم ہے۔ والاکثر الشائع، وھو الافصح وبہ قرأ الجمہور، اور ایک روایت میں سکون میم کے ساتھ ہے تو اعمش رح نے اسکو اختیار کیا، وکذا قرأ ابن الزبیر وابو حیوۃ۔ (روح المعانی الجزء الثامن والعشرون۔ ص ۹۹، رقم الآیۃ ۹۔ من سورۃ الجمعۃ "

اور اس لفظ کو بعض لوگوں نے بفتح المیم بھی ضبط کیا ہے۔ ولم یقرأ بہ "

زمانۂ جاہلیت میں اس دن کا نام "یوم العروبۃ" تھا۔ بعد میں اس کا نام "یوم الجمعۃ" پڑ گیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اسلامی نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ "اجتماع الناس للصلوٰۃ" ہے۔ اور بعض نے کہا کہ "سمی جمعۃ لان خلق العالم قد تم وجمع فیہ"، اور بعض لوگوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ چوں کہ کعب بن لؤی اس دن لوگوں کو جمع کر کے وعظ کیا کرتے تھے اس لئے اس کا نام جمعہ پڑ گیا۔

الحدیث الاول :- مالک عن عمہ ابی سہیل بن مالک عن ابیہ انہ قال کنت اری طنفسۃ لعقیل بن ابی طالب یوم الجمعۃ تطرح الی جدار المسجد الغربی فاذا غشی الطنفسۃ کلہا ظل الجدار خرج عمر بن الخطاب فصلی الجمعۃ قال ثم نرجع بعد صلوٰۃ الجمعۃ فنقیل قائلۃ الضحاء =

ترجمہ ابو سہیل بن مالک اپنے والد مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں عقیل بن ابی طالب کی ایک چادر کو دیکھتا تھا کہ بچھا دی جاتی تھی مسجد کی مغربی دیوار کی جانب، جب دیوار کا سایہ پورے چادر کو ڈھک لیتا تو حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نکلتے اور نماز پڑھتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ لوٹتے جمعہ کی نماز کے بعد، چنانچہ نصف النہار کا کھانا کھا کر ہم لوگ قیلولہ کرتے تھے،

توضیحات طِنفِسَۃ :- بفتح الفاء پڑھنا افصح ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ چادر جس پر باریک رُواں ہو، یہ فرش کپڑا کا ہو یا چٹائی کا اطلاقاً مصلی کو کہتے ہیں۔ تطرح :- بچھا دیا جاتا تھا۔ ضحاء :- نصف النہار، ضحیٰ، چاشت کا وقت، قیلولہ، نصف النہار کے وقت آرام کرنا ہے چاہے نوم ہو یا بلا نوم ہو =

وقتِ جمعہ جمہور کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ البتہ امام احمد رحؒ اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک جمعہ زوال الشمس سے پہلے پڑھنا بھی جائز ہے۔ انکے نزدیک ضحوۂ کبریٰ سے نماز جمعہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

دلائلِ حنابلہ وظاہریہ (۱) ترجمۃ الباب کی حدیث۔ (۲) صحابہ کرام اس وقت جمعہ پڑھتے تھے کہ آپ جمعہ کے بعد کھانا کھاتے تھے اور اس کے بعد قیلولہ کرتے تھے۔ (۳) سہل بن سعد کی مشہور حدیث ”ماکنا نتغدی فی عہد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ولا نقیل إلا بعد الجمعۃ" ان تمام روایتوں سے وجہ استدلال یہ ہے کہ عربی میں غداء اس کھانے کو کہتے ہیں جو طلوع شمس کے بعد اور زوال سے پہلے کھایا جائے۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ نکلا کہ صحابہ کرام رضی زوال سے پہلے کا کھانا جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد کھاتے تھے۔ اسطرح جمعہ لازماً زوال سے بہت پہلے ہوا۔

جوابِ دلائلِ حنابلہ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ لفظاً غداء لغت میں زوال سے پہلے کے کھانے کیلئے آتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دوپہر کا کھانا زوال کے بعد کھائے تو اسپر بھی توسعاً بلکہ عرفاً "غداء" کا اطلاق ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم ان سے کہیں گے کہ یہ کہاں سے دونوں بات جمع ہو جائے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زوال کے بعد جمعہ پڑھتے تھے اور صحابہ کرام زوال سے پہلے، لہٰذا تاویل کی ضرورت پڑے گی اور کہنا پڑے گا کہ صحابہ نے کہا کہ ہم جمعہ سے ہٹ کر جمعہ کے دن ایک بجے کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے تو تعارض نہ ہوگا۔

دلیلِ جمہور إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعۃ حین تمیل الشمس اسی طرح امام احمدؒ کے استدلال کے بالمقابل امام بخاری نے وقت جمعہ پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسمیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں "وکانوا اذا راحوا الی الجمعۃ راحوا فی ہیئتہم" اس میں جمعہ کے لئے "رواح" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور لفظ "رواح" زوال کے بعد جانے کو کہتے ہیں۔

الحدیث الثانی :۔ مالکؒ عن عمرو بن یحییٰ المازنی عن ابن ابی سلیط انّ عثمان بن عفان صلی الجمعۃ بالمدینۃ و صلی العصر بملل، قال مالک وذالک للتہجیر و سرعۃ السیر"

ترجمہ

حضرت ابن ابی سلیط سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان جمعہ کی نماز مدینہ کے اندر اور عصر کی نماز مَلَل میں پڑھتے تھے۔ حضرت امام مالک رح فرماتے ہیں کہ یہ تہجیر کے لئے ہے۔ اور سوار تیزی سے چلنے والا ہو اس پر موقوف ہے۔

توضیح روایت

مَلَل :۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے یہ مدینہ سے ۱۷ میل دوری پر ہے۔

المراد بالتھجیر :۔ دوپہر میں سویرے نماز ادا کرنا، التہجیر ادائہا بالہاجرۃ وتکبیرہا۔

باب من ادرک من الصلوٰۃ

الحدیث الاوّل :۔ مالك عن ابن شهاب عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن عن ابی هریرة ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال من ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادرك الصلوٰة۔

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے ایک رکعت پالیا نماز سے گویا کہ نماز کو پالیا۔

توضیحات

ابو سلمة بن عبد الرحمٰن :۔ یہ عبد الرحمن کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسماعیل کہا۔ بعض نے کہا کہ نام اور کنیت دونوں ایک ہی ہے۔

من ادرك ركعة من الصلوٰة :۔ **سوال** :۔ اس سے پہلے ایک مقید بالوقت حدیث کو لائے تھے "من ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر"

اور یہاں اس باب میں مطلقاً صلوٰۃ کو لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس نے کسی بھی نماز کی رکعت پالی۔ تو بظاہر مقید اور مطلقاً میں تعارض ہوا۔

جواب :۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ دونوں کی سند الگ الگ ہے۔ مقید بالوقت والی حدیث بیان وقت کے لئے لائے ہیں اور یہاں مسبوق کی نماز کے بیان میں لائے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ جماعت کی فضیلت کے لئے ہے۔ امام زہری کے ایک شاگرد ابن جریج ہیں جنکی روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ "من ادرک الصلوٰۃ فقد ادرک الفضل"، معلوم ہوا کہ یہ جماعت کی فضیلت کے لئے ہے۔ الصلوٰۃ میں الف مضاف الیہ کے عوض ہے۔ یعنی جماعت، اسیطرح زہری کے شاگرد عبدالوہاب نے الفضل کا اضافہ کیا ہے جو کہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ اور ان کے متابع بھی ہیں۔ ـــــ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ مقید بالوقت والی روایت میں فجر اور عصر کے اوقات کا خاص کرنا خروج وقت پر محمول ہے کہ اس وقت چونکہ خروج سب میں نمایاں نظر ہوتا ہے۔ اس لئے خاص طور سے ان کو ذکر کر دیا گیا ورنہ حکم عام ہی ہے۔ اور سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جمعہ کی نماز کے لئے ہے۔ جیسا کہ دار قطنی میں ایک روایت ہے "عن ابی ھریرۃ من ادرک من الجمعۃ رکعۃً فلیصل الیھا اخریٰ"،

مسئلہ خلافیہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رح کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شریک ہوا تو اس پر نماز ظہر واجب ہے

"فلیصل اربعاً ظہراً یعنی من غیر استیناف"،

اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک اگر قعدہ اخیرہ میں سلام سے پہلے پہلے شریک ہو گیا تو وہ دو ہی رکعات بطور جمعہ پڑھے گا۔

ائمہ ثلاثہ حدیث باب کے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں (یعنی جس کو ایک رکعت بھی نہیں ملی تو گویا اس کو نماز ہی نہیں ملی) اور نسائی کی روایت میں یہاں جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے

"من ادرک من صلوٰۃ الجمعۃ فقد ادرک"

حضرات شیخین کا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث مرفوع ہے۔ جس میں ارشاد ہے " اذا اتیتم الصلوٰۃ فعلیکم فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا " (صحیح بخاری ص۸۸ ج ۱)

اس میں جمعہ اور غیر جمعہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ پھر جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال مفہوم مخالف سے ہے۔ اور مفہوم مخالف ہمارے یہاں حجت نہیں۔ نیز اس روایت کے ظاہر پر کسی کا عمل نہیں۔ کیونکہ اس کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صرف ایک رکعت پالینے والا تمام نماز کا پالینے والا ہوگا۔ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے دوسری رکعت پڑھنے کی ضرورت نہ ہو۔ لہٰذا اس میں تاویل کی جائے گی کہ فقد ادرک الصلوٰۃ سے مراد ادرک فضیلۃ الصلوٰۃ (یا) ادرک حکم الصلوٰۃ ہے۔

اور حضرات شیخین نے جو حدیث پیش کی ہیں اس حدیث کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو قبل السلام بحالت تشہد بھی امام کو پالے تو اتمام کرے۔

الحدیث الثانی :۔ مالك عن نافعٍ أنّ عبدَ اللهِ بنَ عمرَ کان یقولُ اذا فاتتك الرکعة فقد فاتتك السجدة ۔

ترجمہ حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے تھے جب تم نے اپنی رکعت کھو دیا گویا کہ تم نے سجدہ کو فوت کر دیا۔ (جب تم سے رکعت فوت ہوگئی تو گویا کہ سجدہ فوت ہوگیا۔

توضیحات فقد فاتتك السجدة :۔ تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جو رکعت کو پالے اس نے سجدہ کو پالیا۔ اور جو رکوع و رکعت کو ترک کر دے تو وہ سجدہ کی دولت سے محروم ہوا۔ ہاں اگر کوئی سجدہ میں شامل ہو جائے تو اس کا ثواب ملجائیگا

الحدیث الثالث :۔ مالك انه بلغه ان عبد الله بن عمر وزید بن ثابت کانا یقولان من ادرك الرکعة فقد ادرك السجدة "

ترجمہ حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے، ان کو خبر پہونچی کہ عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما دونوں فرماتے ہیں کہ جس نے رکعت کو پالیا تحقیق کہ اس نے سجدہ کو پالیا۔

الحدیث الرابع :۔ مالكٌ انه بلغه انّ ابا هریرة کان یقول من ادرك الرکعة فقد ادرك السجدة ومن فاته قراءة امّ القرآن فقد فاته خیر کثیرٌ۔

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان کو خبر پہونچی کہ ابوہریرہ رضؓ فرماتے تھے کہ جس نے رکعت پالیا تحقیق کہ اس نے سجدہ کو پالیا۔ اور جس نے سورۂ فاتحہ کو فوت کر دیا تحقیق کہ وہ بہت بڑے خیر سے محروم ہو گیا۔

توضیحات جس نے سورۂ فاتحہ کو ترک کر دیا اور اب رکوع میں جاکر ملا تو گویا وہ بہت بڑے ثواب سے محروم ہو گیا۔ وہ اسطرح کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہا جاتا ہے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب امام آمین کہے تو آپ بھی آمین کہئے اس لئے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ موافق ہو جائے تو اس کے گذشتہ تمام گناہ بخش دئے جائیں گے یہی قول حضرت ابن وضاح رحؒ کا بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی دُلُوْکِ الشَّمْسِ وَغَسَقِ اللَّیْلِ

الحَدِیْثُ الاَوَّلُ :- مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یَقُوْلُ دُلُوْکُ الشَّمْسِ مَیْلُھَا =

ترجمہ نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ "دلوک الشمس کا معنیٰ سورج کا زائل ہونا ہے (ڈھلنا) (مائل ہونا ہے)

توضیح دلوک :- دلک جہاں یہ مادہ پایا جائے گا تو اس میں انتقال کے معنی ہونگے مثلاً دلک کپڑا دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے یعنی "ملنا اور رگڑنا" کے معنی میں بھی ہے۔ امام باجی مالکی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا جامع لفظ ہے جو زوال سے لیکر غروب تک کے اوقات پر مستعمل ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، اور عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی مائل ہونا، زائل ہونا ہے۔ اسکی تائید قرآن کریم کی آیت ہے۔ قرآن کریم میں ہے "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ"، قائم رکھو نماز کو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک، (اس میں چار نمازیں آگئیں، ظہر، عصر، مغرب، عشاء"

"دلوک الشمس" سے وہ لوگ استدلال کرنا چاہتے ہیں جو ظہر میں تعجیل کے قائل ہیں۔

الحَدِیْثُ الثَّانِی :- مَالِکٌ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ الحُصَیْنِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مُخْبِرٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ کَانَ یَقُوْلُ دُلُوْکُ الشَّمْسِ اِذَا فَاءَ الفَیْءُ وَغَسَقُ اللَّیْلِ بِاجْتِمَاعِ اللَّیْلِ ظُلْمَتِہٖ

ترجمہ

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں داؤد بن حصین سے وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ایک مخبر نے خبر دیا کہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ دلوک الشمس یعنی جب سایہ لوٹ جائے۔ اور غسق اللیل کی تفسیر رات کی تاریکی سے کرتے ہیں۔

توضیحات

داؤد بن الحسین:۔ یہ ایسے آدمی ہیں کہ اگر مالکؒ ان سے حدیث روایت نہ کرتے تو انکی روایت ترک کردی جاتی، علی بن مدینی، ابوحاتم نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔ حافظ نے تقریب میں ذکر کیا کہ اگر یہ عکرمہ سے روایت کریں تو ان کی روایت منکر ہے۔ کیونکہ عکرمہ خوارج کے عقیدہ کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اگر کسی اور سے روایت کرے تو معتبر ہے۔ امام مالک نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ نہیں بولتے۔ دوسری بات یہاں داؤد بن حصین صاد کے ساتھ ہے۔ اگر سین کے ساتھ آئے تو وہ غلط ہے۔ کیونکہ کوئی راوی ایسا نہیں جس کی کنیت داؤد بن حسین ہو۔

اَخْبَرَنِی مُخْبِرٌ:۔ مخبر سے مراد عکرمہ ہے یہاں ابہام داؤد کی طرف سے ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ عکرمہ مجروح ہیں اس لئے ان کا نام نہیں لیا۔ مگر یحیی بن معین اور نسائی نے کہاں کی توثیق کی، اور بخاری میں ان سے ایک روایت ہے صحاح ستہ میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ اس لئے یہ کم سے کم حسن کے درجہ کے راوی ہیں۔

اذا فاء الفئ:۔ جب سایہ لوٹ جائے مغرب کی طرف۔

باب جامع الوقوت

الحدیث الاوّل:۔ مالكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بن عمرؓ أَنَّ رَسُولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: الَّذِي تَفُوتُهُ صَلوٰةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا

ترجمہ

وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ =

حضرت امام مالک روایت کرتے ہیں حضرت نافع رح سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی عصر نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کے اہل و عیال اور مال چھین لئے گئے۔

توضیحات

وفوت :- واحد وقت ہے۔ وُتِرَ :۔ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اور ضمیر نائب فاعل ہوگا "اہلہٗ" مفعول ثانی ہے۔ اور اگر اُخِذَ کے معنی میں ہے تو بیک مفعول ہوگا۔ مگر شراح نے تصریح کی کہ بدو مفعول استعمال زیادہ اچھا ہے یعنی سُلِبَ کے معنی میں۔

فوت :۔ سے کیا مراد ہے ؟ یہاں فوت عصر کے متعلق مختلف اقوال ہیں، امام اوزاعی رح کے نزدیک صرف اصفرارِ شمس تک رہتا ہے۔ جب اصفرار شمس ہوگیا تو تفوتہٗ کا مصداق بن جائے گا یعنی نماز کو اتنا مؤخر کرکے پڑھنا کہ سورج زرد ہو جائے تو نماز مکروہ ہے۔ اور اس بنا پر اتنا بڑا خسارہ ہے کہ اس کے اہل و مال تمام ختم ہو گئے ہوں۔ امام غُسَیلی ایک محدث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس کی جماعت فوت ہوگئی تو اسکو خسارہ اتنا اتنا ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ فوات سے مراد غروب شمس ہے کہ اتنا مؤخر کرے کہ سورج غروب ہو جائے تو اس بنا پر اتنا بڑا خسارہ ہے۔

اب دیکھئے ! تین قول ہے تفوت کا: غروبِ شمس، اصفرارِ شمس اور ترک جماعت۔ ان تینوں میں راجح فوات عصر سے "اخراج صلوٰۃ العصر متعمدًا عن وقتہا بغروب الشمس مراد ہے اور اس کی تائید حدیث ابن عمر سے ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ کے اندر مرفوعًا ہے۔ "مَن ترک العصرَ حتےٰ تغیب الشمس ای من غیرعذر" وھکذا وقع فی روایۃ عبدالرزاق" حضرت نافع بھی یہاں فوت کی تفسیر "تغیب الشمس" سے کی ہے۔ علامہ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ یہ "کانّما وُتِرَ اھلہٗ ومالہٗ" کا مصداق تمام صلوٰۃ ہے۔ لیکن یہاں حدیث میں جو عصر خاص ہے وہ فقط خاص کر سوال کرنے کی بنیاد پر ہے۔ ورنہ خاص طور پر عصر کے ساتھ نہیں۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ عصر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ

قرآن نے عصر کو صلوٰۃ الوسطیٰ سے تعبیر کیا ہے۔

نیز ایک مرفوع حدیث سے بھی ثابت ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک نماز ومر مفوت گئی تو وہاں آپ نے فرمایا کہ میری صلوٰۃ الوسطیٰ فوت ہوگئی۔

الحدیث الثانی :۔ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةِ العَصْرِ فَلَقِيَ رَجُلًا لَمْ يَشْهَدْ فَقَالَ وَمَا حَبَسَكَ عَنْ صَلٰوةِ العصر فَذَكَرَ لَهُ الرَّجُلُ عُذْرًا فَقَالَ لَهُ طَفَّفْتَ ـــــ قَالَ مَالِكٌ وَيُقَالُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں یحیٰ بن سعید سے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو انکی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو صلوٰۃ عصر کی جماعت میں حاضر نہیں تھا۔ تو اس سے سوال کیا کہ کس چیز نے تم کو ترک جماعت پر آمادہ کیا تو اس نے اپنے مجبوری بیان کیا لیکن عمرؓ نے ان کی مجبوری کو قبول نہیں کیا اور فرمایا اس سے "طففت"،،

تشریح انصرف :۔ فارغ ہونا۔ طففت :۔ تم نے اپنے اجر میں کمی کردی، نقصت کے معنی میں

الحدیث الثالث :۔ مالکٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ اَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اِنَّ المُصَلِّيَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ وَمَا فَاتَهُ وَقْتُهَا وَلَمَا فَاتَهُ مِنْ وَقْتِهَا اَعْظَمُ اَوْ اَفْضَلُ مِنْ اَهْلِهِ وَمَالِهِ قَالَ مَالِكٌ مَنْ اَدْرَكَهُ الوَقْتُ وَهُوَ فِي سَفَرٍ فَاَخَّرَ الصَّلٰوةَ نَاسِيًا اَوْ سَاهِيًا حَتّٰى قَدِمَ عَلٰى اَهْلِهِ

انّهُ کانَ قَدِمَ علٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ فِی الْوَقْتِ فَانَّہٗ یصلّی صلوٰۃ المقیم
وَاِنْ کَانَ قَدِمَ وَقَدْ ذَھَبَ الوقت فلیصل صلوٰۃ المسافر
لِاَنَّہٗ اِنَّمَا یقضی مثل الَّذِیْ کان علیہ ـــــ مالک وھذا
الامر الَّذِیْ ادرکت علیہ الناس واھل العلم ببلدنا ۔

ترجمہ یحیٰ بن سعید رح کہتے ہیں کہ ایک نمازی نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اس کے وقت نے اسکو فوت نہیں کیا۔ اور اس سے جو وقت فوت ہوگیا وہ زیادہ عظیم ہے اس کے مال واہل وعیال سے۔ حضرت امام مالک رح نے فرمایا جس کو وقت نے پالیا اس حال میں کہ وہ سفر میں ہے اور اس نے نماز کو حالت سفر میں مؤخر کردیا سہواً یا بھول کر (یعنی سفر ادا نہیں کیا) یہاں تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ اپنے گھر وہ اس حال میں لوٹا کہ ابھی وقت صلوٰۃ باقی ہے تو وہ مقیم کی نماز پڑھے گا۔ اور اگر اپنے اہل کے پاس اس حال میں آیا کہ وقت ختم ہوچکا تھا۔ تو وہ مسافر کی نماز پڑھے گا۔ اس لئے کہ وہ قضاء کرے گا اسی کے مثل جو اس پر واجب ہوا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی پر لوگوں کو اور اہل علم کو پایا اپنے شہر کے اندر۔

توضیحات قال مالک ویقال لکل شیئ :۔ یہاں سے امام مالک رح یحیٰ بن سعید کے قول پر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "وَمَافَاتَہٗ وقتہا" جس سے وقت فوت ہوگیا۔ "وَلَمَّافَاتَہٗ" البتہ وہ چیز جس کو فوت کردیا ہے اس کا مطلب یحیٰ بن سعید یہ نکالتے ہیں کہ اگر وقت مستحب میں پڑھے گا تو "وتر اہلہ ومالہ" کا مصداق ہوگا حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول میں کچھ وسعت ہے یحیٰ بن سعید رح کے قول میں تنگی ہے کہ وقت مستحب کے فوت پر "وتر" کا مصداق ہوتا ہے۔ حالانکہ حضور کا کہنا ہے کہ تمام اوقات کا گننا جانا مصداق فوت مال واہل ہے۔ اس بناء پر امام مالک رح کو یحیٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کا قول پسند نہیں آیا ہے۔

قالَ من ادرکه الوقت :- (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید سفر میں ہے اس پر نماز قصر کی واجب ہے۔ اب وہ حضر میں چلا آیا تو اب وہ سفر کی قضاء حضر میں کر سکتا ہے یا نہیں تو امام اعظم امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قصر کرے گا اتمام نہیں کرے گا۔ اور امام شافعی، احمد بن حنبل اور امام شعبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اب وہ قصر کی قضاء حضر میں نہیں کرے گا۔ بلکہ اقامت والی نماز پڑھے گا۔

(۲) دوسرا مسئلہ :- یہ کہ آدمی سفر میں ہے لیکن اس پر حضر کی چھوٹی ہوئی نماز کی قضاء واجب ہے۔ تو اب وہ سفر میں اسکی اتمام کی صورت میں قضاء کرے گا یا قصر کی صورت میں تو تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ وہ اتمام کی صورت میں قضاء کرے گا۔

(۳) تیسرا مسئلہ :- ایک آدمی سفر میں ہے لیکن نماز کا وقت ہونے سے پہلے پہلے اپنے وطن لوٹ آیا تو اب وہ اپنے وطن والی نماز کی اتمام کرے گا۔ قصر نہیں یہ بھی اتفاقی مسئلہ ہے۔ "لا اختلاف فیہ"

انما یقضی مثل الذی کان علیھا :- یہ امام مالک اور امام اعظم رحمہم اللہ تعالیٰ کے دعویٰ کی دلیل ہے کہ حقیقتاً سفر میں تو اس پر دو رکعت نماز تھی اگر وہ چھوٹ گئی تو سفر میں دو ہی رکعت قضاء کرے۔ اور یہی حکم اس حالت میں ہے جبکہ وہ قضاء کرے فوت صلوٰۃ المسافر کی بحالت اقامت۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مسئلہ میں نے بیان کیا اسی پر اپنے شہر کے علماء اور عوام الناس کو پایا۔

قال مالکؒ الشفقُ الحُمرَۃُ الّتی فی المغربِ فاذا ذھبت الحمرۃ فقد وجبتْ صلوٰۃُ العشاءِ وخرجت من وقت المغربِ

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد وہ سرخی ہے۔ جو افق پر چھاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ سرخی ختم ہوگئی تو عشاء کی نماز واجب ہوگئی

اور مغرب کا وقت نکل گیا۔

شفق کی تفسیر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق سے شفق ابیض مراد ہے جو غروب شفق احمر کے بعد افق پر پھیلتی ہے، امام مالک امام شافعی، احمد، صاحبین اور جمہور علماء کے نزدیک شفق سے شفق احمر مراد ہے جو غروب شمس کے بعد افق پر پھیلتی ہے۔

دلائل احناف حدیث ابی مسعود الانصاری ویصلی العشاء حین یسود الافق، (رواہ ابوداؤد فی باب التوقیت)

کیونکہ اسوداد افق غروب شفق ابیض کے بعد ہوتا ہے۔ (۲) حدیث جابر، ثم اذن ای بلال للعشاء حین ذھب بیاض النھار وھو الشفق، (رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط) اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی اذان غروب شفق ابیض کے بعد دی گئی۔

دلیل جمہور حدیث عائشۃ قالت کانوا یصلون العتمۃ فیما بین ان یغیب الشفق الی ثلث اللیل ——— (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۶۰ ج ۱)

کیونکہ شفق ابیض ثلث لیل تک باقی رہتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ شفق احمر مراد ہے۔ کیونکہ اگر شفق ابیض مراد ہوتا تو عشاء ثلث لیل سے قبل جائز نہ ہوتی۔

فائدہ:۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ وقت مغرب شفق احمر کے غروب تک ہے۔ اور امام صاحب کا رجوع بھی ثابت ہے۔ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ مغرب تو شفق احمر کے غروب سے پہلے پہلے پڑھ لی جائے۔ لیکن عشاء شفق ابیض کے غروب ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ تاکہ نماز مختلف فیہ وقت میں نہ پڑھی جاسکے۔

الحدیث الرابع:۔ مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمرؓ اغمی علیہ فذھب عقلہ فلم یقض الصلوٰۃ ——— قال مالک وذالک

فیما نری واللہ اعلم ان الوقت ذھب فاما من افاق دھو فی وقت فانہ یصلی

ترجمہ حضرت نافع رح سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضہ کہتے ہیں کہ جس پر بے ہوشی طاری ہو تو چاہیئے کہ نماز کی قضاء نہ کرے (لیکن یہ حدیث عام ہے اس کے اندر وقت کی کوئی تصریح نہیں ہے اجمالی قول ہے) امام مالک کے اس قول کی تفسیر کی اور کہا کہ ہمارے خیال میں واللہ اعلم حضرت عمر نے اس لئے قضاء نہیں کی کہ وقت گذر چکا تھا ــــ بہرحال جب افاقہ ہوجائے اس حال میں کہ وہ نماز کا وقت ہو تو وہ نماز پڑھے گا۔

دوسرا ترجمہ:۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر کو بے ہوشی طاری ہوئی، اور عقل ختم ہو چکی تھی تو انہوں نے نماز کی قضاء نہیں کی۔

توضیح امام مالکؒ نے اس کی تفسیر کی کہ حضرت ابن عمر رضہ نے اس لئے قضاء نہیں کی کہ وقت مکمل گذر چکا تھا۔ احناف نے اسکی تفسیر یوں بیان کی کہ ایک دن اور ایک رات سے زیادہ بے ہوشی طاری ہوئی تو گذری ہوئی نمازوں کی قضاء نہیں اگر ایک دن اور ایک رات یا اس سے کم ہوئی تو اس صورت میں قضاء ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے ہوشی اگرچہ جتنی ممتد ہوجائے یہاں تک کہ سو نماز بھی بیہوشی کی حالت گذر جائے تو بھی قضاء کرے گا۔ یعنی انھوں نے سہواً اور ناسیًا کے درجہ میں رکھا ہے۔ اور نسیان کی صورت میں کل نمازیں قضاء کی جاتی ہیں بالاجماع۔ تو اس پر قیاس کیا ہے اغماء کو، حالانکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے جو کہ درست نہیں۔

باب النوم عن الصلوٰة

مالك عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قفل من خيبر اسرى حتى اذا كان من اخر الليل عرس وقال لبلال اكلا لنا الصبح ونام رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه وكلا بلال ما قدر له ثم استند الى راحلته وهو مقابل الفجر فغلبته عيناه فلم يستيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا بلال ولا احد من الركب حتى ضربتهم الشمس ففزع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما هذا يا بلال؟ فقال بلال يا رسول الله اخذ بنفسي الذي اخذ بنفسك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقتادوا فبعثوا رواحلهم واقتادوا شيئا ثم امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بلالا فاقام الصلوٰة فصلى بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح ثم قال حين قضى الصلوٰة من نسي الصلوٰة فليصلها اذا ذكرها فان الله عز وجل يقول "اقم الصلوٰة لذكري"

ترجمہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خیبر سے لوٹے یہاں تک کہ جب رات کا اخیر حصہ ہو تو آپ نے آرام کرنا چاہا۔ اور بلال رضہ سے فرمایا کہ ہماری صبح کی نگہبانی کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سو گئے اور بلال ذمہ داری نبھاتے رہے جو ان کے لئے مقدر کیا گیا تھا پھر اپنے کجاوے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور فجر کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی آنکھ مغلوب ہو گئی، پس نہیں بیدار ہوئے، نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور نہ بلال اور نہ شہسواروں میں کوئی۔ یہاں تک کہ سورج کی روشنی ان کے چہرے پر پڑی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے تو آپ نے فرمایا۔ اے بلال یہ کیا ہوا۔ چنانچہ بلال رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جس ذات نے آپ کو سلا دیا اسی ذات نے مجھے بھی سلا دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہاں سے چلو اپنے سواروں کو بھیجو اور یہاں سے کچھ دور وہ لوگ چلے گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا تو نماز قائم کی گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر فرمایا جس وقت نماز کی قضا رکی کہ جو نماز کو بھول جائے تو چاہئے کہ اس کو پڑھ لے جب اس کو یاد آئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ نماز کو قائم کر میرے یاد کیلئے۔

توضیحات

سعید بن مُسیب :۔ یہ حضرت ابوہریرہ کے داماد ہیں، ان کے والد کا نام مسیب اور دادا کا نام حزم ہے اور دونوں صحابی ہیں، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ مرسل حدیث امام اعظم اور امام مالک رحہ کے نزدیک مطلقاً حجت ہے۔ امام شافعی رحہ کے نزدیک مرسل اگر عزیز یا دوسری سند سے مسند ہو جائے یا فقہاء و مجتہدین نے اس کو صحابہ کے قول کے موافق کر دیا ہے تو درست ہے۔ اور سعید بن مسیب کی مرسل روایت سب کے نزدیک حجت ہے۔ اس حدیث کو تعریس کہتے ہیں کیونکہ تعریس کے معنی ہیں رات کو اخیر حصہ میں آرام کرنا۔ اور صحابہ کرام مع رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس شب کے اخیر میں سو گئے آرام کے لئے اس بنا پر اسکو حدیث تعریس کہتے ہیں۔

سوال :۔ یہ واقعہ ایک بار پیش آیا یا متعدد بار؟

جواب :۔ اس کے اندر محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض محدثین نے کہا کہ ایک بار ہی پیش آیا۔

یہ قول امام علینی علامہ ابن حجرؒ کا ہے اور علامہ نووی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ متعدد بار یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ خیبر سے واپسی میں اور دوسری حدیث میں ہے کہ حدیبیہ سے لوٹتے میں۔ اور اسلم سے مرسلاً روایت ہے کہ ہم لوٹ رہے تھے تبوک سے یہ سفر میں واقعہ پیش آیا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ہم مکہ کے راہ میں تھے۔

اب دیکھئے متعدد اقوال ہو گئے۔ اور ان سب کو ایک جگہ جمع کرنا ممکن نہیں۔ معلوم ہوا کہ معدار کثیرہ پر بھی متعدد بار یہ واقعہ پیش آیا اس کو ماننا پڑے گا۔

دوسرا اختلاف اس واقعہ کے اندر سب سے پہلے بیدار کون ہوئے؟ (خواب غفلت سے) تو ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے حضورؐ کی آنکھ کھلی۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ پہلے تھے۔ اور پھر تین چار صحابی اور عمر۔ عمرؓ کے زور سے تکبیر کہنے کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ یہ بھی متعدد کے واقعات پر محمول ہے۔ کبھی تو اولاً حضور خود بیدار ہوئے اور کبھی حضرت ابوبکر صدیق بیدار ہوئے۔

واقتادوا فبعثوا رواحلہم:۔ اس کے اندر تین احتمال ہے۔ (اوّل) بیداری کا وقت مکروہ وقت تھا۔ "دوم" قضائے حاجت کا وقت تھا۔ لہٰذا لوگوں کو ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے نماز کو موخر کیا اور کوچ کرنے کا حکم دیا۔ "سوم" وہاں شیطان تھا جو ورغلا رہا تھا اس بنا پر نماز وہاں نہیں پڑھی۔ لیکن سوم تاویل درست نہیں ہے۔ اسیطرح اوّل تاویل کہ مکروہ وقت تھا درست نہیں کیونکہ سورج اتنا بلند ہو گیا تھا کہ اسکی روشنی اور تپش سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ تو ثانی صحیح ہے کیونکہ انھوں نے سوچا کہ جب نماز مؤخر ہو گئی ہے تو تمام ضروریات سے فارغ ہو کر ہی اطمینان وسکون سے دوسرے وادی میں نماز کی قضا کریں۔ لیکن اصح قول کہ یہ متعدد واقعات پر محمول ہے۔

اکلأ لنا:۔ ہماری نگرانی کرو۔ مقابل الفجر:۔ فجر کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ واقتادوا:۔ یہاں سے چلو۔ فاقام الصلوٰۃ:۔ یہاں سے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز کی قضا اگر باجماعت کی جائے تو کیا اس کے لئے اذان واقامت دونوں ہے یا نہیں؟ تو یہ مختلف

فیہ مسئلہ ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام اوزاعیؒ رحمہم اللہ فرماتے ہیں چھوٹی ہوئی نماز کی قضا کیلئے اقامت تو ہے لیکن اذان نہیں ہے۔ اور دلیل کے اندر ترجمۃ الباب کی حدیث "فاقام الصلوٰۃ فصلی بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح" پیش کرتے ہیں کہ دیکھو یہاں اقامت تو ہے لیکن اذان کا ذکر نہیں۔ اور امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اذان دی جائے گی لیکن مؤطا کی اس روایت میں نہیں ہے مگر بخاری شریف اور ابوداؤد شریف میں دوسرے طرق سے حدیث آئی ہے جس کے اندر اذان کا ذکر ہے۔

من نسی الصلوٰۃ فلیصلھا اذا ذکرھا:۔ جو شخص نماز کو بھول جائے تو چاہئے کہ اسکو پڑھ لے جب یاد آئے۔ مسئلہ اول:۔ علماء کرام لکھتے ہیں کہ بھول جانے کے بعد وہ نماز اگر نہیں پڑھی بلکہ یہ کہدیا کہ ہم ظہر میں نماز پڑھیں گے اور قضاء کریں گے تو اس پر گناہ لازم ہوگا اور فرض قضاء بھی لازم ہوا۔ مسئلہ دوم:۔ ایک آدمی بیدار ہوا یا نماز بھول گیا تھا تو نماز یاد آئی یا آنکھ ایسے وقت میں کھلی کہ مکروہ وقت آگیا ہے تو کیا کرے ابھی پڑھے یا سورج کے روشن ہونے کے بعد، اسی طرح عصر کی نماز میں آنکھ ایسے وقت میں کھلی کہ مکروہ وقت آگیا ہے اور سورج بالکل سرخ ہوگیا ہے تو آیا اسکو ابھی پڑھ لے یا بعد الغروب؛ تو اس سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جس وقت یاد آئے یا جس وقت آنکھ کھلے اسی وقت نماز پڑھ لے اور دلیل کے طور پر ترجمۃ الباب کی عبارت۔ "من نسی الصلوٰۃ فلیصلھا اذا ذکرھا" کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھو اس کے اندر مطلقاً کہا گیا کہ جسوقت یاد آئے خواہ کوئی بھی وقت ہو نماز پڑھو کیونکہ وقت تذکرہ وہی ہے۔ اور اس کے اندر مباح اور وقت مکروہ دونوں کا ضمناً ذکر ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ فجر الیوم عند الطلوع اور عصر الیوم عند الغروب نہیں پڑھے گا۔ دلیل: حضورؐ فرماتے ہیں کہ تین وقتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ (۱) عند طلوع الشمس، (۲) عند غروب الشمس (۳) استواء الشمس، اس سے معلوم ہوا کہ تین وقت میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ دوسری دلیل؛ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ۔ ایکمرتبہ انہوں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ دیکھو جی میں

کھیت میں جارہا ہوں تم جلدی سے وہاں آجانا ہم عصر کی نماز وہیں باجماعت پڑھیں گے۔ حضرت تو پہونچ گئے لیکن صاحبزادہ گیا نہیں۔ حضرت شدت سے انتظار کرتے رہے لیکن نہ آیا تو وہیں پر سو گئے لخت جگر عصر کی نماز پڑھ کر گاؤں سے کھیت کیجانب گیا۔ بعد ذہاب والد محترم کی آنکھ کھلی تو اس وقت انھوں نے نماز نہیں پڑھی بلکہ جان پدر سے سوال کیا کہ تم کہاں رہ گئے تھے۔ اس کے بعد سورج غروب ہوگیا اور غروب ہونے کے بعد نماز کی قضاء کی قبل المغرب۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر وقت مکروہ میں پڑھنا درست ہوتا تو ضرور اسی وقت قضاء کر لیتے لیکن ان کا نہ پڑھنا اس بات پر دال ہے کہ وقت مکروہ میں نماز درست نہیں۔

تیسری دلیل: خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب کے الفاظ "فلیصلها اذا ذکرها" کے عموم پر عمل نہیں فرماتے کیونکہ ان کے نزدیک بھی بعض صورتوں میں نماز کو مؤخر کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی عورت کو ایسے وقت نماز یاد آئی جبکہ وہ حائضہ تھی تو امام شافعی رح کے نزدیک بھی اس عورت کیلئے پاک ہونے تک نماز کی تاخیر ضروری ہے۔ گویا اس مقام پر امام شافعی رح بھی اس حدیث کو مخصوص کرنے پر مجبور ہیں۔ اور جب ایک جگہ عموم ختم ہوگیا تو اوقات مکروہہ میں بھی اس کی تخصیص میں کیا حرج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یاد آنے کے بعد شرعی قواعد کیمطابق نماز ادا کیجائے۔ اب اگر شرعی قاعدوں میں کوئی وجہ مؤخر کرنے کی ہو تو مؤخر کرنا واجب ہے۔

الحدیث الثانی:۔ مالك عن زید بن اسلم انه قال عرس رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة بطريق مكة ووكل بلالا ان يوقظهم للصلوٰة فرقد بلال ورقدوا حتى استيقظوا وقد طلعت عليهم الشمس فاستيقظ القوم وقد فزعوا فامرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يركبوا حتى يخرجوا من ذالك الوادى

وقال ابن هذا وادٍ به شیطان فرکبوا حتی خرجوا من ذالک الوادی ثم امرهم رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان ینزلوا وان یتوضؤا وامر بلالاً ان ینادی بالصلوٰۃ او یقیم فصلی رسول الله صلی الله علیہ وسلم بالناس ثم انصرف الیہم وقد رأی من فزعہم فقال یا ایہا الناس ان الله قبض ارواحنا ولو شاء لردھا الینا فی حین غیر ھذا فاذا رقد احدکم عن الصلوٰۃ او نسیہا ثم فزع الیہا فلیصلہا کما کان یصلیہا فی وقتہا ثم التفت رسول الله صلی الله علیہ وسلم الی ابی بکر فقال ان الشیطان اتی بلالاً وھو قائم یصلی فاضجعہ فلم یزل یہدئہ کما یہدأ الصبی حتی نام ثم دعا رسول الله صلی الله علیہ وسلم بلالاً فاخبر بلال رسول الله صلی الله علیہ وسلم مثل الذی اخبر رسول الله صلی الله علیہ وسلم ابابکر۔ فقال ابوبکر اشھد انک رسول الله۔

ترجمہ حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا ایک شب مکہ کے راستہ میں (اس روایت سے پہلے والی روایات میں ہے کہ خیبر سے واپسی تھی اور یہاں طریق مکہ ہے تو اس کے اندر علامہ ابن عبد البر مالکی نے تطبیق دی ہے کہ جو مکہ سے مدینہ جائے یا خیبر سے مدینہ آئے دونوں کا راستہ ایک ہی ہے) بلال کو ذمہ داری سپرد کی کہ ان لوگوں کو نماز کے لئے بیدار کریں لیکن بلال بھی سو گئے اور وہ لوگ بھی سو گئے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بیدار ہوئے حالانکہ سورج طلوع ہو چکا تھا ان لوگوں پر۔ چنانچہ قوم بیدار ہوئی، اور وہ لوگ گھبرا گئے۔ لہٰذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ وہ سوار ہو جائیں اور کوچ کریں یہاں تک کہ نکل جائیں اس وادی سے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اوقات مکروہہ میں سے تھا

اور اس وقت مکروہ میں شیطان کا تلبس ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ وادی شیطان کا اڈہ ہے چنانچہ وہ لوگ سوار ہوئے اور اس وادی سے نکل گئے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اتریں دوسرے میدان میں اور وضو کریں۔ اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ نماز کے لئے اذان کا حکم کریں اور اقامت کا حکم کریں۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آپ نے بعد الصلوٰۃ ان کی جانب رخ کیا اور تحقیق کہ ان لوگوں کے چہرے میں گھبراہٹ دیکھا (کہ ہماری نماز چھوٹ گئی ہے اس کا کفارہ کیا ہوگا۔ دوسری بات کہ ہم لوگوں کا اصرار کرنا ہی آپ کے نماز کی قضاء کا سبب ہے)
چنانچہ آپ نے فرمایا اے لوگو! اللہ نے ہم لوگوں کی روح کو قبض کر لیا تھا اگر چاہتے تو ہماری جانب لوٹا دیتے اس وقت کے علاوہ میں۔ چنانچہ تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سو جائے نماز سے یا بھول جائے پھر اس کی طرف گھبراہٹ ہو تو چاہیئے کہ وہ نماز پڑھ لے جیسا کہ اس نماز کو اس وقت میں پڑھتے تھے (یعنی اذان واقامت کے ساتھ) پھر آپ نے حضرت ابوبکر کی جانب رخ اور فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا درانحالیکہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے چنانچہ انکو لٹا دیا اور برابر بلال کو گدگداتا رہا جیسا کہ بچہ تھپکی دیا جاتا ہے یہانتک کہ وہ سو جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بلال کو بلایا۔ اور خبر دیا بلال رضؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی کے مثل جس طرح حضورؐ نے ابوبکر کو خبر دی تھی، چنانچہ ابوبکر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

الصلوٰۃ :۔ "ثم المراد بالصلوٰۃ فی الحدیث الفرضیۃ عند الحنفیۃ والمالکیۃ"، اس کا اختلاف اسی باب کے اول حدیث کی تشریح میں گذر چکا ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) روح یقظہ۔ (۲) روح نائم۔ یعنی انسان کے جسم میں جو روح رہتی ہے وہ جسم سے خارج ہو کر نیند کی حالت میں جگہوں کا سیر کرتی ہے اسکو منام ارواح کہتے ہیں۔ اور دوسری نیند نوم الموت کہ اس نیند کو جب اللہ لیتا ہے تو مکمل طور پر لے لیتا ہے۔ یہاں پر ہے کہ اللہ نے ہماری روح یقظہ کو قبض کر لیا روح حیات کو نہیں۔ تو اللہ چاہتے تو ہماری اس روح کو سورج نکلنے سے پہلے بیدار کر دیتے۔

قبض ارواحنا :۔ ای انامنا ولا یلزم من قبض الروح فبالموت انقطاع تعلق الروح ظاہرا و باطنا۔
انّ الشیطٰن :۔ یہاں شیطان سے مراد تمام شیطان ہے۔ اسیطرح صرف وادی کا شیطان بھی مراد ہے یا حضرت بلال کے ساتھ جو نیک فرشتے کے مقابلے شر شیطان ہے وہ مراد ہے یعنی قرین بلال۔ سب احتمال ہے۔

اضطجاع :۔ چت لیٹنے کو کہتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ بلال پہلی روایت میں ہے کہ ٹیک لگائے ہوئے تھے اونٹ پر پھر نیند آگئی تو تعارض ہوا۔ جواب :۔ وہاں اولاً تو بلال ٹیک لگائے تھے پھر غلبہ نیند کی وجہ سے چت لیٹ گئے۔ چنانچہ اوّل روایت میں اوّل حالت مراد ہے اور یہاں دوسری حالت مراد ہے۔

فقال ابو بکر :۔ آپ کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ورنہ غیبی بات کیسے بتلاتے لیکن آپ نے اس پر انکشاف کر دیا ہے۔ = واللہ تعالےٰ اعلم =

باب النھی عن الصلوٰۃ بالھاجرۃ

الحدیث الاوّل :۔ مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰۃ وقال اشتکت النار الی ربھا فقالت یا رب اکل بعضی بعضا فاذن لھا بنفسین فی کل عام نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف۔

ترجمہ حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

گرمی کی شدت جہنم کی تیزی کی وجہ سے ہے لہذا جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھو آپ نے فرمایا کہ جہنم نے شکایت کی اپنے رب سے۔ اس نے کہا۔ اے میرے رب بعض حصہ میرے بعض حصہ کو کھا گیا ہے تو اللہ تعالٰی نے اس کو دو سانس ہر سال میں لینے کی اجازت دے دی ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں۔

توضیح عطاء بن یسار رح تابعی ہیں۔ یہ روایت مرسل ہے اور امام مالک رح کے نزدیک مرسل اور مرفوع دونوں حجت ہیں۔ اور دونوں ایک درجہ میں ہیں۔

فَاِنَّ شِدَّۃَ الحَرِّ مِن فَیحِ جَہَنَّمَ: اس پر مشہور اشکال ہے کہ گرمی اور سردی کا سبب تو سورج کا قرب و بعد ہوتا ہے۔ پھر فیح جہنم یعنی جہنم کی لپٹ کو اس کا کیسے سبب کہا گیا؟

اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسباب میں تزاحم نہیں ہے بلکہ ایک ہی چیز کے کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ گرمی کے بھی اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ سورج کے قرب و بعد کے علاوہ سطح سمندر سے بلندی، زمین کی سختی و نرمی اور ہوا کے رخ کے اعتبار سے موسموں میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ اگر صرف سورج کا قرب گرمی کا سبب ہوتا تو سبی اور کوئٹہ کے موسموں میں اتنا فرق نہ ہوتا۔ جبکہ دونوں قریب قریب ہیں، اور دونوں کا عرض البلاد بھی ایک ہے۔ تو جہاں گرمی کے اور بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں وہاں جہنم کی لپٹ بھی اس کا سبب ہوتا تو کچھ بعید نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر صرف سورج کو حرارت کا سبب مانا جائے تو سورج میں حرارت کا سبب فیح جہنم کو کہا جا سکتا ہے اس طرح فیح جہنم حرارت دنیا کا سبب السبب ہوگی، گویا سورج دنیا میں حرارت کا سبب قریب ہے، اور جہنم سبب بعید اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں گرمی کا سبب بھی جہنم ہے۔ یہ ساری گفتگو اس وقت ہے جبکہ "من فیح جہنم" میں "من" کو سببیہ قرار دیا جائے لیکن بعض لوگوں نے اس "من" کو تشبیہیہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شدت حر فیح جہنم کے مشابہ ہے۔ یہ بات حدیث باب کے لحاظ سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لئے اس صورت میں کسی سوال و جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔

فابردوا عن الصلوۃ :۔ ابراد کا صلہ " با ر " آتا ہے لیکن یہاں " عن " لائے ہیں ایسا کیوں؟
جواب :۔ " عن " لاکر بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ تجاوز کے معنی میں ہے یعنی نماز کو اس کے وقت مقررہ سے تجاوز کر کے پڑھو ۔
ابراد :۔ باب افعال، اَبْرَدَ تھا جیسے نجد ہے اس کو اَنْجَدَ کہتے ہیں یعنی دخلت فی النجد، اسیطرح ابرد ہے ابرد الصلوٰۃ یعنی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔ اسطرح کہ نماز کو اتنا مؤخر کرو کہ وقت ٹھنڈا ہوجائے۔ لفظ " عن " کو بار کے بدلے میں لاکر بھی تجاوز کا معنی ہے۔ جیساکہ واقعہ ہے کہ ایکمرتبہ بلال رض عادت کیمطابق ظہر کی اذان دینے لگے تو حضور ص نے فرمایا " ابرد " ، تو وہ رک گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر اذان دینے لگے تو پھر کہا۔ ایسا ہی آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اور اتنا مؤخر کیا کہ ابوبکر کہتے ہیں کہ ہم لوگ ٹیلے کے سایہ کو دیکھنے لگے کہ اس کا سایہ برابر ہوگیا۔ اور بالکل ٹھنڈا کر کے نماز پڑھی اور بعض روایتوں میں لفظ " اِنتظِر " ہے۔ کہ انتظار کرو ابھی وقت مستحب نہیں آیا ہے۔
وَقَالَ اشتکت :۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی۔
سوال :۔ اپنے رب سے زبان حال سے شکایت کی یا مقال حال سے مثلاً ایک آدمی کھانا کھارہا ہے اس کے سامنے دوسرا آدمی اس کو دیکھ کر اپنے منہ کو حرکت دیتا ہے کہ ہم کو بھی بھوک لگی ہے اور اگر کوئی کسی سے سوال کرتا ہے تو مقال حال ہے۔ تو اب اختلاف ہے کہ جہنم نے زبان حال سے یا مقالِ حال سے شکایت کی؟
جواب :۔ قاضی عیاض رح، امام نووی اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ مقال حال سے شکایت کی کیونکہ آخرت کے اندر جسطرح سے تمام اعضاء سے سوال کیا جائیگا تو وہ مقال حال سے جواب دے گا! اسیطرح جہنم نے بھی شکایت کی۔ لیکن قاضی بیضاوی رح فرماتے ہیں کہ زبان حال سے شکایت کی۔ اور مجاز یہ ہے کہ اسکے اندر گرمی کی لپٹ اسطرح ہے کہ کنایہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ شکایت کر رہی ہے۔
فقالت یارب :۔ اے میرے رب! میرا بعض حصہ بعض حصہ کو کھائے جارہا ہے۔ تو اللہ نے اسکو اجازت دی دو سانسوں کی یعنی ایک سانس تو اندر سے باہر کی، اور ایک باہر سے اندر کی، یہ سال

دو سانس لیتی ہے۔ گرمی کی اور سردی کی۔

نفس فی الشتاء:۔ نفس اور نفسا دونوں مراد ہے کیوں کہ نفس پڑھیں گے تو یہ مبتدا ہوگا اور یہ اصح ہے۔ اور دوسرا قول نفسا ہے تو اعنی مراد ہوگا۔

جہنم جب اندر کی سانس باہر پھینکے گی تو باہر گرمی ہوگی اور جب باہر سے اندر لے گی تو فضا سرد پڑ جائے گی۔

الحدیث الثانی:۔ مالك عن عبد الله بن يزيد مولى الاسود بن سفيان عن ابى سلمة بن عبد الرحمٰن وعن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن ابى هريرة رضـ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم وذكر ان النار اشتكت الى ربها فاذن لها فى كل عام بنفسين، نفس فى الشتاء ونفس فى الصيف۔

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضـ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہے۔ اور ذکر کیا کہ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی تو اس کو اجازت دے دی ہر سال میں دو سانس کی، ایک سانس موسم سرما میں اور ایک موسم گرما میں۔

توضیح یہ روایت موصولاً ہے۔ عبد اللہ بن یزید:۔ یہ سب کے نزدیک ثقہ ہیں یہ اسود بن سفیان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اسود ام سلمہ کے پڑپوتے اور سفیان ام سلمہ کے پوتے ہیں۔ اسود بن سفیان کے دو استاذ ہیں۔ ایک ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف، دوسرے محمد بن عبد الرحمان بن ثوبان ہیں۔

سوال :- یہاں روایت میں نماز کے نام کا ذکر نہیں ؟

جواب :- یہی روایات دوسری جگہ الظہر کے لفظ کے ساتھ مروی ہے۔ جو کہ مسلم شریف میں ہے۔
لہٰذا یہاں الصلوٰۃ پر الف لام عہد کا ہے۔

بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے کہ یہ حدیث معلق ہے کیونکہ ذکرُ کا فاعل امام مالکؒ ہیں، امام مالکؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ کیا کہ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی۔ لیکن وہم درست نہیں ہے کیونکہ اس کا فاعل ابوہریرہؓ ہیں۔ اور جب ابوہریرہؓ اسکے فاعل ہیں تو یہ روایت متصل ہوئی۔

> الحدیث الثالث :- مالك عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب گرمی کی سختی تیز ہو تو نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ اسلئے کہ گرمی کی سختی جہنم کی لپٹ سے ہے۔

توضیح یہ روایات تقریباً آٹھ صحابہ سے مروی ہے۔ محدثین کا کہنا ہے کہ حدیث تواتر کے درجہ میں ہے اور تواتر کے لئے تعداد کی کوئی مقدار نہیں ہے۔ بس اتنی بڑی تعداد ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو۔ اگر پانچ آدمی صحابی جیسا ہو تو کیا کہنا۔ اگر دس آدمی ہو ابوحنیفہ رحؒ کیطرح تو وہ تواتر ہوگا۔ کیونکہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہے۔ لیکن اگر پچاس آدمی ہیں اور سب کے جھوٹے ہونے پر احتمال ہے تو اسکو ہم متواتر نہیں کہیں گے۔ بعض نے کہا کہ سات کی قید ہے۔ بعض نے کہا کہ پانچ ہے۔ بعض نے کہا کہ دس ہے۔ تو اس قول سے معلوم ہوا کہ یہ متواتر حدیث ہے۔ کیونکہ اسکو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت شعبہ

بن مغیرہ رضا حضرت ابوبکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین روایت کرتے ہیں۔ اور یہ روایت طبرانی، ابن حبان، موطا امام مالک اور دیگر کتابوں میں ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ گھر اور مسجد دونوں برابر ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ لیا ہے مسجد میں یا گھر میں جماعت ہو یا نہ ہو۔ ہر حال میں ابراد کریگا۔ اس کے اندر چھ اقوال ہیں امام مالک اور امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اگر مسجد دور ہو تو اس صورت میں ابراد ہے۔ اور اگر گھر میں پڑھنا ہے یا محلہ کی مسجد میں پڑھنا ہے تو گرمی کی نماز کو اپنے وقت پر پڑھیں گے۔ ابراد نہ کریں گے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ دُخُولِ الْمَسْجِدِ بِرِيحِ الثُّوْمِ وَتَغْطِيَةِ الْفَمِ فِي الصَّلٰوةِ

الحدیث الاوّل :۔ مالک عَنِ ابنِ شِہابٍ عَنْ سَعِیدِ ابنِ المُسَیَّبِ أنّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قالَ : مَنْ اَکَلَ مِنْ هٰذِہِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرُبْ مساجِدَنا يُؤذِينا بِرِيحِ الثُّومِ :۔

ترجمہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اس درخت سے کھائے تو وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آوے۔ اور لہسن کی بو سے نقصان نہ پہونچائے۔

توضیح یہ روایت مرسلاً ہے کیونکہ سعید بن مسیب تابعی ہیں، اس باب کے اندر لہسن کو شجرہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ لہسن تو نجم میں سے ہے (یعنی

تنے دار) اور شجرہ الگ ہے تو ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ؟ تو بعض لوگوں نے اس کا جواب دیا کہ شجرہ کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ خواہ تنے والا ہو یا غیر تنے والا لیکن نجم کا اطلاق دونوں پر نہیں ہوتا۔ یہ تطبیق ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ لہسن کے پودہ کو مجازاً شجرہ سے تعبیر کیا گیا۔

واقعۂ حدیث :۔ یہ واقعہ خیبر کے موقع کا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہم لوگ جب خیبر میں تھے تو وہاں بھوک کی شدت کیوجہ سے پریشان تھے۔ کسی کو بھی کھانے کی چیز نہیں تھی تو اسوقت ہم لوگوں کو لہسن کا ڈھیر نظر آیا۔ لہذا ہم لوگوں نے اس کو کھانا شروع کر دیا۔ اسی درمیان میں نماز کا وقت ہوگیا تو ہم لوگ نماز میں شریک ہو گئے۔ تمام کے منہ سے بدبو آنے لگی تو اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس نے اس درخت سے کھایا۔

سنو! آج کے بعد کوئی بھی اس شجرہ سے کھاکر میری مسجد کے قریب نہ آوے کہ ہم کو لہسن کی بو سے تکلیف پہونچتی ہے۔

یؤذینا :۔ سے لہسن کا حرام ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ حلال ہے لیکن اس کی بو خراب ہے اس کی وجہ سے حضورؐ نے ناپسند کیا، کیونکہ علت اذیت بو ہے۔ اور جن چیزوں میں یہ علت واذیت ہونگے ان کو استعمال کر کے مجمع میں جانا مسجدوں میں جانا درست نہیں ہے۔

لہسن کے پاک ہونے کی دلیل ! آپؐ کے دسترخوان پر لہسن آیا تو آپؐ کھانے سے انکار کر گئے۔ صحابی نے معلوم کیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ کے کہا کہ میں ایسی چیز نہیں کھاتا ہوں جس سے میرے ساتھی کو تکلیف پہونچے۔ میں برابر ایسی ذات سے ملاقات کرتا ہوں اور بات کرتا ہوں جس سے تم بات نہیں کرتے۔

دوسری دلیل حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر کا واقعہ ہے۔

الحدیث الثانی :۔ مالکؒ عن عبدِ الرحمٰنِ بنِ المُجبّرِ اَنّهٗ یریٰ سالمُ بنُ عبدِ اللّٰہِ اذا رأی الانسانَ یغطی فاہُ دھُوَ

فِی الصَّلٰوۃِ جَبَذَ الثَّوبَ جَبَذًا شَدِیدًا حَتّٰی یَنْزِعَہٗ مِنْ فِیہِ ،،

ترجمہ امام مالکؒ روایت کرتے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن المجبر سے۔ اور یہ روایت کرتے ہیں سالم بن عبداللہ سے کہ جب دیکھتے کسی انسان کو منہ ڈھک کر نماز پڑھتے ہوئے حال اینکہ وہ نماز میں ہوتا تو اس کے کپڑے کو سخت طریقے سے کھینچتے یہاں تک کہ اس کے منہ سے کھینچ جاتا تھا۔

توضیح مجبّر یہ عبدالرحمٰن کے لڑکے ہیں۔ اور وہ حضرت عمر بن الخطاب کے لڑکے ہیں تو مجبّر عمر کے پوتا ہوئے۔ حضرت صفیہ رضؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمان کے انتقال کے بعد مجبّر کا نام بھی عبدالرحمٰن رکھدیا۔ اور یہ مصلحت پیش نظر رکھی کہ بھائی کا نام عبدالرحمٰن تھا تو بھتیجہ کا نام بھی یہی رکھ کر ان کی جگہ کو پُر کردیں

جبذ اور جذب :۔ دونوں مترادف لفظ ہیں۔ لیکن جوہری نے کہا کہ یہ دونوں الگ الگ مستقل لغت ہیں۔ منہ کو ڈھانک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْعَمَلِ فِی الْوُضُوْءِ

الحدیث الاول :۔ مالِكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَوَضَّأُ۔ قَالَ : عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ۔ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدِهِ فَغَسَلَ

يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ۔ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ''

ترجمہ

حضرت امام مالک رحمۃ روایت کرتے ہیں حضرت عمرو بن یحییٰ المازنی سے اور وہ اپنے والد محترم یحییٰ مازنی سے۔ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید بن عاصم سے۔ اور یہ عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں۔

کیا آپ طاقت رکھتے ہیں کہ آپ مجھ کو دکھائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے۔ عبداللہ بن زید بن عاصم نے کہا۔ ہاں! چنانچہ عبداللہ بن زید نے پانی منگایا پھر بہایا پانی اپنے ہاتھوں پر۔ پھر دھویا دونوں ہاتھوں کو دو مرتبہ۔ پھر کلی کیا اور ناک کو صاف کیا تین تین مرتبہ پھر اپنے چہرے کو دھویا تین مرتبہ۔ پھر دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ دھویا کہنیوں تک۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے ان دونوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے۔ شروع کیا اپنے سر کے اگلے حصہ سے پھر ان دونوں کو اپنی گُدّی تک لے گئے۔ پھر ان دونوں کو لوٹایا یہاں تک کہ اس مقام پر لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔

توضیح

اس باب کو قائم کرکے امام مالکؒ طریقۂ وضو بتلانا چاہتے ہیں کہ وضو کے اندر کن کن اعضاء کو دھویا جائے اور کہاں تک نیز مقدار غسل اور مسح کیا ہے۔ ان تمام کو ایک لاکر ثابت کردیا ہے۔

عمرو بن یحییٰ :۔ عمرو کے والد کا نام یحییٰ ہے اور یحییٰ کے والد کا نام عمارہ ہے اور ان کے باپ کا نام ابوالحسن ہے۔ اور المازنی قبیلہ کا نام ہے۔ تو معنی ہوا۔ عمرو بن یحییٰ مازنی اپنے والد محترم سے

روایت کرتے ہیں، اور انہوں نے کہا عبد اللہ بن زید بن عاصم سے۔ یہ حضرت عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں۔ عبد اللہ بن زید :۔ ایک تو عبد اللہ بن زید جو معلم اذان ہیں۔ وہ یہاں مراد نہیں ہیں کیوں کہ ان سے صرف ایک روایت اذان والی ہی مروی ہے۔ اور یہ عبد اللہ بن زید دوسرے شخص ہیں جن سے پانچ چھ روایات منقول ہیں۔ دوسری بات کہ عبد اللہ بن زید مسئول ہیں اور یحییٰ سائل ہیں لیکن موطا امام محمدؒ میں ہے کہ عن مالک عن عمرو بن یحییٰ المازنی أنہ رأی جدّہ یسئل عن عبد اللہ بن زید، یحییٰ نے اپنے دادا کو دیکھا کہ وہ سوال کر رہے ہیں حضرت عبد اللہ بن زید سے تو موطا امام محمد کے روایات سے معلوم ہوا کہ ابو الحسن سائل ہیں اور اسیطرح امام مالکؒ کے ایک شاگرد ہیں ان کا نام معن بن عیسیٰ ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو الحسن سائل ہیں۔ اور مدونہ ابن الکبریٰ کے اندر بھی سائل ابو الحسن ہیں۔ امام بخاری نے جو روایات نقل کی ہیں وہاں مالک کے بجائے وہیب ہے کہ میں حاضر ہوا عمرو بن الحسن کی خدمت میں کہ وہ سوال کر رہے تھے عبد اللہ بن زید سے =

ابو الحسن کے پاس دو لڑکے ہیں، ایک عامر، دوسرا عمرو۔ تو بخاری کی روایات سے معلوم ہوا کہ عمرو سائل ہے۔ اور موطا کی بعض روایتوں میں صرف رجلاً کا لفظ ہے نام کا ذکر نہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجلاً والی روایت ہی درست ہے۔ تو کل چار نکلے۔ بعض کے اعتبار سے تو یحییٰ سائل ہے۔ اور بعض کے اعتبار سے ابو الحسن ہے، اور بعض کے اعتبار سے عمرو ہے۔ اور بعض کے اعتبار سے رجلاً ہے۔ تو اب تعارض ہوگیا۔

جواب :۔ علامہ ابن حجرؒ نے ان تمام روایتوں کو جمع کیا اور کہا کہ عبد اللہ کی خدمت میں ابو الحسن حاضر ہوئے، ان کے ساتھ عمرو بن ابو الحسن بھی تھے اور ان کے پوتے حضرت یحییٰ بھی تھے، اور ان کے اندر سائل ابو الحسن تھا۔ طبرانی میں لکھا ہے کہ میں خوب وضو کرنے والا تھا تو عبد اللہ بن زید بن عاصم سے سوال کیا جیسا کہ وہیب کی روایت ہے اور یہی اصل ہے اور اسناد حقیقی ہے۔ اور جس سند میں سائل کی اسناد ابو الحسن کیطرف کی گئی وہ اسناد مجازی ہے۔ کیونکہ باپ ہے اور باپ کے مقابلے میں سوال کرنے والا باپ کو عظمت دیتا ہے تو اسناد کو مجازاً استعمال کیا۔ اور جن حدیثوں

میں راوی یحیےٰ ہے تو اس کو راوی ہونے کے اعتبار سے سائل شمار کرلیا۔

وھو جد عمرو بن یحییٰ :۔ "ہو" ضمیر کا مرجع کون ہے؟ اگر پیچھے لوٹاتے ہیں تو عمرو بن یحیےٰ مراد ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس معاملے میں امام مالک نے تفرد اختیار کیا ہے اور کسی نے بھی ان کی اتباع نہ کی۔ عبد اللہ بن زید۔ یحییٰ بن عمر کے جد امجد ہوں گے انکی ماں کے اعتبار سے لیکن اصح قول یہ ہے کہ "ہو" ضمیر کا مرجع رجلاً ہے جس کی تفسیر ابوالحسن ہے تو معنی ہوگا کہ سائل عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں

وکان من اصحابہ ،، "کان کا اسم مسئول ہے سائل نہیں ہے یہ راوی بتلا رہے کہ عبد اللہ بن زید رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ لیکن یہاں سائل اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں صرف سائل ہونے کی بنیاد پر اشتباہ ہوا تھا۔

فدعا بوضوء :۔ کسی روایت میں "فدعا بالماء" ہے کسی میں "فدعا بالتور" ہے۔ وضوء بفتح الواو سے پانی مراد ہے۔

فغسل یدیہ مرتین :۔ یہ مسنون ہے۔ اگر آدمی نیند سے بیدار ہوا اور وضوء کرنے کے لئے گیا تو اس وقت غسل یدین واجب ہے یا سنت۔ تو اس کے اندر اختلاف ہے۔ امام احمد اور امام اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کا دھلنا واجب ہے۔ اور جمہور استحباب کے قائل ہیں۔ مضمضہ، استنشاق، استنثار کی تعریف ما قبل میں گذر چکی ہے وہاں رجوع کریں۔

تعدادِ مضمضہ و استنثار میں اختلاف ائمہ

یہاں سے ایک مسئلہ کیطرف اشارہ ہے کہ وضوء کے اندر کتنی بار مضمضہ اور استنثار کیا جائے گا۔ نیز دونوں میں وصل ہوگا یا فصل۔ تو اسکے اندر ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ایک جانب امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ ہیں اور دوسری جانب امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔ **جماعت اولیٰ کا دعویٰ** :۔ امام ابو حنیفہ اور مالک کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق میں فصل مختار ہے۔ یعنی پہلے تین چلوؤں سے تین مرتبہ مضمضہ کرے اور پھر تین چلوؤں سے تین مرتبہ

استنشاق کرے۔

جماعت ثانیہ کا دعویٰ:۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وصل مختار ہے یعنی پہلے ایک چلو سے مضمضہ اور استنشاق کرے اور علیٰ ہٰذا دوسرے اور تیسرے چلو سے اسی طرح کرے۔

دلائل احناف:۔ (۱) عن طلحة عن ابيه عن جده (مصرف بن عمرؓ) قال دخلتُ على النبی صلے اللہ علیہ وسلم وهو يتوضأ والماء يسيل من وجهه ولحيته على صدره فرأيته يفصل بين المضمضة والاستنشاق۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۹)

(۲) حديث ابی حية قال رأيت عليا توضأ فغسل كفيه حتى انقاهما ثم مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا الى قوله ثم قال احببت ان اريكم كيف كان طهور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

(رواہ الترمذی والنسائی، مشکوٰۃ ص ۴۶ ج ۱)

(۳) عن ابی وائل شقيق بن سلمة قال شهدت علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان، توضأ ثلاثا ثلاثا وافرد المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا رأينا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توضأ۔

(رواہ ابن السکن فی صحیحہ بحوالہ آثار السنن ص ۳۱ ج ۱)

(۴) قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ فصل افضل و مختار ہو کیونکہ منہ اور ناک دو مستقل اعضاء ہیں۔

دلائل شوافع:۔ (۱) حديث عبد اللہ بن زید بن عاصم ثم ادخل يده فاستخرجها فمضمض واستنشق من كف واحدة۔

(۲) حديث علی رض۔ ثم يمضمض مع الاستنشاق بماء واحد۔

جواب دلائل شوافع:۔ (۱) انہوں نے جو دلیل اول میں "من کف واحدۃ" پیش کیا۔ وہ امر محتمل ہے "لانہ یحتمل انہ تمضمض واستنشق بکف واحد من ماء واحد" وایضاً یحتمل انہ فعل ذالک بکف واحد بمیاہ متعددۃ۔ والمحتمل لا تکون حجۃ لانہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"

(۲) یا من کف واحدۃ سے مراد استعمال الکف الواحد بدون الاستعانۃ بالکفین ہے

کما انہ یستعان بالکفین فی غسل الوجہ وہٰہنا لیس کذالک بل استعمل کفاً واحدۃً فہٰذا الحدیث لنفی کونہ بکفین۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ من کف واحدۃ میں دونوں فعل کے درمیان تنازع ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ مضمض من کف واستنشق من کف۔ اب ہر ایک الگ الگ ہوگئے۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں داہنے ہاتھ سے ہو یہ نہیں کہ مضمضہ داہنے داہنے ہاتھ سے اور استنشاق بائیں ہاتھ سے ہو۔

ثم غسل یدیہ مرتین مرتین الی المرفقین :۔ اس مسئلہ کے تحت حضرت امام ترمذی رح نے ترمذی شریف میں پانچ باب مسلسل قائم کیا ہے۔ جن کا مقصد اعضاء مغسولہ کی تعداد غسل کو بیان کرنا ہے پہلے باب میں ایک مرتبہ دھونے کا ذکر ہے دوسرے میں دو دو مرتبہ تیسرے میں تین تین مرتبہ، چوتھے میں مجموعی طور پر ان کا سب کا ذکر ہے اور پانچویں باب میں ایک ہی وضوء میں بعض اعضاء کو دو بار، اور بعض کو تین بار غسل کرنے کا ذکر ہے۔ یہ تمام صورتیں باتفاق جائز ہیں بشرطیکہ اعضاء کا استیعاب ہوجائے۔ البتہ چونکہ آپ کا معمول تین مرتبہ دھونے کا تھا اس لئے تثلیث مسنون ہے۔

ثم مسح راسہ بیدیہ فاقبل بہما وادبر بدأ بمقدم راسہ (الخ) :۔ یہاں یہ بات رکھنی چاہئے کہ لغۃً اقبال کے معنی ہیں، ہاتھوں کو پیچھے سے سامنے کیطرف لانا۔ اور ادبار کے معنی ہیں سامنے سے پیچھے کیطرف لیجانا۔ اس جملہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسح راس کی ابتداء مؤخر راس سے ہوئی۔ لیکن اگلا جملہ یعنی "بمقدم راسہ" سامنے سے ابتداء کرنے پر صریح ہے۔ لہٰذا حدیث کے اول و آخر میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اس کا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ پہلے جملے میں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے نہ کہ ترتیب کے لئے۔ اور اس میں اقبال کو مقدم کرنے وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کبھی اپنی عبارت میں اقبال و ادبار کو جمع کرتے ہیں تو اقبال کو مقدم کرتے ہیں خواہ ترتیب وقوعی اس کے برعکس ہو۔

بہر حال اس حدیث کے مطابق جمہور کا مسلک یہی ہے کہ مسح رأس کی ابتدا ر سامنے سے کرنا مسنون ہے۔ لیکن حضرت وکیع بن الجراح پیچھے سے ابتدار کرنے کو مسنون کہتے ہیں ان کی دلیل حضرت ربیع بنت معوذ کی روایت ہے جس میں تصریح ہے "بدأ بمؤخر رأسه ثم بمقدمه" ان دونوں مسلکوں کے بیچ بیچ اک تیسرا مسلک حضرت حسن بن صالح کا ہے۔ ان کے نزدیک وسط رأس سے مسح کی ابتدا ر مسنون ہے۔ ان کا استدلال ابوداؤد "باب صفة وضوء النبیؐ" میں حضرت ربیع بنت معوذ ہی کی ایک دوسری روایت سے ہے جس میں "مسح الرأس کلہ من قرن الشعر" کے الفاظ آئے ہیں۔

جمہور کیطرف سے جواب:۔ جمہور کیطرف سے ان روایتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حضرت ربیع کی روایات مضطرب ہیں۔

چنانچہ مسند احمد میں ان سے مسح کی مختلف کیفیات منقول ہیں اس لئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ دراصل یہ تعارض راویوں کے وہم کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اور معاملہ یہ تھا کہ اقبال وادبار کی تفسیر میں راویوں کو غلط فہمی ہو گئی۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو ناپسند قرار دے کر فرمایا کہ درحقیقت آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ربیع کے سامنے بیان جواز کے لئے مختلف کیفیات سے مسح کیا ہوگا۔ اور جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو جمہور بھی تمام صورتوں کے جواز کے قائل ہیں۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔

الحدیث الثانی:۔ مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا توضأ احدكم فليجعل فی انفه ماء ثم لينثر ومن استجمر فليوتر"

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت ابوالزناد سے وہ حضرت اعرج

سے، وہ روایت کرتے ہیں ابوہریرہؓ سے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضوء کرے تو چاہیے کہ اپنی ناک میں پانی ڈالے، پھر ناک کو صاف کرے، اور جو استنجاء کرے تو چاہیے کہ طاق مرتبہ کرے۔

من استجمر فلیوتر :- اس مسئلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ استنجاء کیلئے پتھروں کا کوئی عدد مسنون ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس کے اندر فقہائے کرام کی دو جماعتیں ہیں۔

جماعت اولیٰ :- امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک استنجاء میں عدد احجار واجب نہیں بلکہ انقاء واجب ہے۔ اور تثلیث مستحب ہے۔

جماعت ثانیہ :- امام شافعیؒ اور امام احمدرحؒ اور اہل ظاہر کے نزدیک استنجاء میں انقاء اور تثلیثِ احجار واجب ہے۔ اور ایتار مستحب ہے۔

دلائل احناف :- (۱) حدیث ابی ھریرۃ مرفوعاً، "ومن استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج"۔ (رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ والدارمی مشکوٰۃ صـ۴۲ ج ۱)

(۲) حدیث عبداللہ بن مسعود رضؓ۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ تین ڈھیلے لاؤ، میں دو پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا ان کے ساتھ لے آیا۔ آنحضرت نے دو پتھر لے لئے اور گوبر پھینک دیا۔ (بخاری شریف)

دلائل شوافع :- (۱) حدیث سلمان رضؓ :- نھانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یستنجی باقل من ثلثۃ احجار۔

(۲) عن عائشۃؓ انہ علیہ السلام قال اذا ذھب احدکم لحاجتہ فلیستطب بثلثۃ احجار۔

(۳) عن ابی ھریرۃ انہ علیہ السلام قال من استجمر فلیوتر"

جواب دلائل شوافع :- روایات میں جو تثلیث کا ذکر ہے۔ وہ عادت پر محمول ہے کیونکہ عادۃً بسا اوقات تین سے نجاست زائل ہو جاتی ہے۔ یا وہ حکم استحبابی ہے۔ تحت قولہ النبیؐ ان اللہ

وتریجب الوتر (کمافی البحر) ۔ یا تین کا حکم احتیاطاً ہے اور دفع وساوس کے لئے ہو۔

الحدیث الثالث :۔ مالک عن ابن شھاب عن ابی ادریس الخولانی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضأ فلیستنثر، ومن استجمر فلیوتر، قال یحیی سمعت مالکا یقول فی الرجل یتمضمض ویستنثر من غرفۃ واحدۃ انہ لا بأس بذالک

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا جو شخص وضوء کرے تو چاہیئے کہ ناک صاف کرے، اور جو استنجا کرے تو چاہیئے کہ طاق مرتبہ کرے۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو فرماتے ہوئے سنا ایسے آدمی کے بارے میں جو مضمضہ کرے اور ناک صاف کرے ایک ہی چلو سے، تو اس کے اندر کوئی حرج نہیں ہے،

الحدیث الرابع :۔ مالک انہ بلغہ ان عبد الرحمٰن بن ابی بکر دخل علی عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم مات سعد بن ابی وقاص فدعا بوضوء فقالت لہ عائشۃ یا عبد الرحمٰن اسبغ الوضوء فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول ویل للاعقاب من النار ۔

ترجمہ حضرت امام مالکؒ کو خبر پہونچی کہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر تشریف لائے، حضرت عائشہ صدیقہ جو کہ حضورؐ کی زوجہ محترمہ ہیں اس دن جس دن کہ حضرت

سعد بن ابی وقاص کا انتقال ہوا۔ انہوں نے پانی منگایا تو حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا اے عبدالرحمن! وضو مکمل کرو اسلئے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ویل ہے جہنم کا ایسے ایڑیوں کے لئے جو خشک رہ جائے۔

توضیح

ویلٌ للاعقاب من النار :۔ "ویل" کے لغوی معنی ہلاکت اور عذاب کے ہیں، اسی کے قریب لفظ "ویح" بھی عربی میں مستعمل ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ "ویل" اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو عذاب کا مستحق ہو، اور "ویح" اس کے لئے جو عذاب کا مستحق نہ ہو، نیز "ویل" اس شخص کیلئے ہے جو ہلاکت میں پڑ چکا ہو اور "ویح" اس کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت کے قریب ہو۔

اعقاب :۔ عقب کی جمع ہے، ایڑی کے معنی میں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ یعنی "لذوی الاعقاب"، اور بعض نے کہا کہ اس تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث کا منشا یہ ہے کہ اس گناہ کا عذاب جو اعقاب پر ہوگا۔

من النار :۔ اس کا تعلق ویل سے ہے اصل میں یوں تھا "للاعقاب ویلٌ من النار"

اس حدیث سے عبارۃ النص کے طور پر جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وضو میں ایڑیاں خشک نہیں رہنی چاہئیں بلکہ ان کا استیعاب فی الغسل ضروری ہے۔ لیکن یہی حدیث دلالۃ النص کے طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ رجلین کا وظیفہ غسل ہے نہ کہ مسح "

مسئلہ غسلِ رجلین

ائمۂ اربعہ وغیرہم اہلسنت کے نزدیک وضو میں ننگے پاؤں کا فریضہ صرف دھونا ہے، مسح کافی نہیں، لیکن شیعہ کے فرقۂ امامیہ کے نزدیک موزوں کے بغیر ننگے پاؤں پر مسح کرنا بھی پاؤں کا فریضہ ہے۔

دلائلِ اہلسنت والجماعت :۔ (۱) قولہ تعالیٰ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (پ۶)

(لام کے نصب والی قراۃ پر۔ نافع ابن عامر حفص کسائی یعقوب کی قراۃ پر)

(۲) احادیث تو اس سلسلے میں حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں کہ آنحضرت نے وضو کرتے

وقت ہمیشہ پاؤں کو دھویا ہے ۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ لوٹ رہے تھے راستے میں نماز عصر کے وقت بعض لوگوں نے جلدی جلدی میں وضوء کیا تو انکی ایڑیاں خشک رہ گئیں ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ” ویلٌ للاعقاب من النار، اسبغوا الوضوء (رواہ مسلم، مشکوٰۃ صـ۴۶ ج ۱) جب تھوڑی سی جگہ کے خشک رہنے پر اتنی سخت وعید ہے تو پھر مسح پر کفایت کیسے جائز ہو سکتی ہے ۔

روافض کی دلیل آیت مذکورہ کی جر والی قرأۃ وارجلکم (ابن کثیر، ابوعمرو، شعبہ، حمزہ، ابوجعفر امام خلف کی قراءۃ)

جواب :- (۱) اس کا جر جواری ہے یعنی وارجلکم کا عطف تو ایدیکم پر ہے لیکن اس کا جر برؤسکم کے جواری کی وجہ سے ہے، جیسا کہ ”عذابَ یومٍ الیمٍ“، میں باوجودیکہ الیم عذاب کی صفت ہے مگر پھر بھی یوم کے جوار کیوجہ سے مجرور ہے ۔ اس جواب کا قرینہ علاوہ دلائل مذکورہ کے لفظ ”الی الکعبین“ ہے کیونکہ اہل تشیع کے نزدیک ”الی ظہور القدمین“، ہے ۔

(۲) امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ قرأۃ جر مسح علی الخفین کی صورت پر محمول ہے ورنہ ایک آیت کے دو قراءتوں میں تعارض لازم آئے گا جو محال ہے ۔

الحدیثُ الخامسُ :- مالكٌ عَنْ یحییٰ بن محمّدِ بن طحلاءَ عن عثمانَ بن عبدِ الرحمٰنِ انّ اباہُ حدّثہٗ انّہٗ سمعَ عمرَ بن الخطاب یتوضّأ بالماءِ وضوءً لما تحتَ ازارہٖ ،،

ترجمہ حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں حضرت یحییٰ بن محمد بن طحلاء سے وہ حضرت عثمان بن عبدالرحمٰن سے، انھوں نے روایت کی اپنے والد سے کہ

انھوں نے سنا کہ عمر بن الخطابؓ وضو کرتے تھے پانی سے اپنے ازار کے نیچے کی چیزوں کی وجہ سے۔

تشریح

تحت ازارہ:۔ سے کنایہ ہے خروج سبیلین کی جانب، یتوضأ کو اگر مجہول پڑھوگے تو اس کے معنی ہوں گے "وضارت روشن وتحسین، تو اس صورت میں وضو لغوی مراد ہے۔

وضوءً:۔ مفعول مطلق ہے۔ اچھی طرح دھونا۔ دھویا جائے اچھی طرح دھونا اس حصہ کو جو ازار کے نیچے ہے۔ امام زرقانی کی یہی رائے ہے۔ اور امام باجی مالکی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت عمر کا عمل ہے نہ کہ قول۔ چونکہ ہاتھ سے رگڑنے اور پانی ڈالنے کی آواز آرہی تھی جو اس وقت معروف ہوگا۔

الحدیث السادس، قال یحیٰ سُئِل عن مالکٍ عن رجلٍ یتوضأ فنسی فغسل وجھہٗ قبل ان یمضمض او غسل ذراعیہ قبل ان یغسل وجھہٗ فقال اما الذی غسل وجھہٗ قبل ان یمضمض فلیمضمض ولا یعد غسل وجھہٗ، واما الذی غسل ذراعیہ قبل وجھہٖ فلیغسل وجھہٗ ثم لیعد غسل ذراعیہ حتی یکون غسلھما اذا کان فی مکانہٖ او بحضرۃ ذالک =

ترجمہ

حضرت یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ سے سوال کیا گیا ایک ایسے آدمی کے بارے میں جس نے وضو کیا پس بھول گیا۔ چنانچہ اپنے چہرہ کو کلی کرنے سے پہلے دھولیا یا اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرہ دھونے سے قبل دھولیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

تو امام مالکؒ نے کہا کہ بہرحال وہ جس نے اپنا چہرہ مضمضہ سے قبل دھولیا تو چاہئے کہ کلی کرلے اور چہرہ کے دھونے کو نہ لوٹائے۔ اور رہا معاملہ اس کا جس نے چہرہ دھونے سے قبل اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولیا تو چاہئے کہ اپنے چہرے کو دھولے پھر اپنے ہاتھوں کو دھوئے یہاں تک کہ

ان دونوں کو دھوئے چہرہ کے غسل کے بعد جبکہ وہ اس جگہ موجود اور حاضر ہوں =

تشریح لیعنی غسل ذراعیہ،، اس کو لوٹائے اور پہلے چہرہ دھوئے اس کے بعد ہاتھ دھوئے تاکہ ترتیب فوت نہ ہو۔ کیونکہ وضوء میں ترتیب مسنون ہے بخلاف مضمضہ اور غسل وجہہ کے۔ اس لئے مضمضہ اور غسل وجہہ کے درمیان ترتیب مندوب ہے

دوسری بات! ترتیب وضوء میں امام شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے۔ اور یہی قول ابن مسعود اور حضرت علی رض کا بھی ہے۔ اور امام مالکؒ کا اوّل قول ترتیب کے واجب پر ہے۔

قالَ :- یحییٰ سئل مالك عن رجلٍ نسیَ ان یمضمضَ او یستنثر حتی صلّٰی قالَ لیسَ علیہِ ان یعید صلوتہٗ ولیمضمض او یستنثر لما یستقبل ان کان یریدُ ان یصلّی =

ترجمہ یحییٰ نے کہا کہ سوال کیا گیا امام مالکؒ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں جو کلی کرنا بھول گیا یا ناک صاف کرنا بھول گیا وضوء کے اندر یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لیا تو کیا نماز کا اعادہ لازم ہے؟ امام مالک نے جواب دیا۔ اس کے اوپر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ اور چاہئے کہ کلی کرے یا ناک صاف کرے، اس نماز کے لئے جو آئندہ پڑھیگا (تاکہ وضوءِ مسنون باقی رہے۔)

∴ ∴ ∴ ∴

بَابُ وُضُوءِ النَّائِمِ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ

الحدیث الاول :- مالك عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة رض ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إذا استيقظ احدكم من نومه فليغسل يده قبل ان يدخلها في وضوئه فان احدكم لا يدري اين باتت يده :-

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی خواب غفلت سے بیدار ہو تو چاہیے کہ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اپنے ہاتھ کو دھولے اس لئے کہ تم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ کہاں کہاں رات گذارا ہے۔

توضیحات اذا استیقظ احدکم من نومه :- اس حدیث کی بعض روایتوں میں "من اللیل" کی قید مذکور ہے۔ اور بعض میں نہیں (کمافی روایۃ ابی داؤد) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عدم تقیید کو راجح قرار دیا ہے۔ حنفیہ اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے کہ اس حکم میں رات اور دن کی تفصیل نہیں ہے۔ یعنی غسل الیدین کا۔ یہ حکم ہر نیند سے بیداری کے وقت ہے۔ رات کی نیند کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لیکن امام احمد رح نے اس حکم کو رات کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ وہ "من اللیل" کی قید سے استدلال کرتے ہیں۔

حنفیہ وغیرہ کے نزدیک "من اللیل" کی قید احترازی نہیں اتفاقی ہے۔ نیز یہ حکم معلول بالعلت ہے اور اسکی علت خود آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی ہے، یعنی "فانہ لایدری این باتت یدہٗ"، اور یہ اندیشہ رات اور دن دونوں میں برابر ہے۔ لہٰذا حکم بھی برابر ہوگا۔

فلا یدخل یدہا فی الاناء: اس میں اختلاف ہے کہ غسل الیدین کا یہ حکم کس درجہ کا ہے امام اسحٰق اور داؤد ظاہری اس کو وجوب کے لئے قرار دیتے ہیں۔ اور علامہ ابن قدامہ نے "المغنی" میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم کو علی الاطلاق مسنون کہتے ہیں۔ اور امام مالک علی الاطلاق مستحب۔ حنفیہ کے نزدیک اس تفصیل ہے۔ جیسے علامہ ابن نجیم رح نے "البحر الرائق" میں بیان کیا ہے کہ ہاتھوں پر اگر نجاست لگنے کا یقین ہو تو غسل الیدین فرض ہے۔ اور ظن غالب ہو تو واجب ہے اور اگر شک ہو تو مسنون ہے اور اگر شک بھی باقی نہ ہو تو مستحب ہے۔ دراصل جمہور نے یہاں توہم نجاست کو حکم کی علت قرار دیا ہے اسی لئے حکم کا مدار اس پر ہے کیونکہ وہم سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

دلائل جمہور:۔ طہارت یقینی ہے اور نجاست مشکوک ہے اور قاعدہ فقہیہ مسلم ہے "الیقین لایزول بالشک"۔

دلائل حنابلہ:۔ ترجمۃ الباب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

جواب:۔ (۱) فانہ لایدری این باتت یدہا" سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے کی علت توہم نجاست ہے۔ اور توہم نجاست موجب وجوب نہیں ہو سکتا۔

(۲) یہ استحباب پر محمول ہے۔

> الحدیث الثانی:۔ مالك عن زید بن اسلمَ اَنَّ عمرَ بنَ الخطاب قالَ اِذا نامَ اَحَدُکُم مضطجعاً فلیتوضّأ"

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت زید بن اسلم سے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی لیٹ کر اٹھے تو چاہئے کہ وضو کرلے۔

توضیح وضوء من النوم ناقض وضوء ہے یا نہیں۔ تو اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس مسئلہ میں علامہ نوویؒ نے آٹھ اور علامہ عینی نے دس اقوال نقل کئے ہیں لیکن درحقیقت ان اقوال کا خلاصہ تین قول میں آجاتا ہے جسے ہم ذکر کررہے ہیں۔

(۱) نوم مطلقاً ناقض نہیں ہے۔ یہ مسلک حضرت ابن عمر رض، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابومجلز، حضرت حمید الاعرج اور حضرت شعبہ سے منقول ہے۔

(۲) نوم مطلقاً ناقض وضوء ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ یہ قول حضرت حسن بصری، امام زہری، اور امام اوزاعی سے منقول ہے۔

(۳) نوم غالب ناقض ہے۔ اور نوم غیر غالب غیر ناقض، یہ مسلک ائمہ اربعہ اور جمہور کا ہے۔ درحقیقت اس تیسرے قول کے قائلین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوم فی نفسہ ناقض نہیں بلکہ مظنہ خروج ریح کی وجہ سے ناقض ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مظنہ معمولی نیند سے پیدا نہیں ہوتا اس لئے یہ مسلک اختیار کیا گیا کہ نوم غیر غالب ناقض نہیں۔ البتہ نوم غالب یعنی ایسی نیند جس سے انسان بے خبر ہو جائے۔ استرخائے مفاصل متحقق ہو جائے تو ناقض وضوء ہے۔ چونکہ حالتِ نوم میں خروج ریح کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے استرخائے مفاصل کو شرعاً خروج ریح کے قائم مقام کردیا۔

پھر تیسرے قول والوں میں استرخائے مفاصل اور نومِ غالب کی تحدید میں اختلاف ہو گیا امام شافعیؒ نے زوال مقعد عن الارض کو استرخائے مفاصل کی علامت قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک زوال مقعد کے ساتھ ہر نیند ناقض وضوء ہوگی۔

حنفیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ نوم اگر ہیئت صلوٰۃ پر ہو تو استرخائے مفاصل نہیں ہوتا لہٰذا ایسی نیند ناقض نہیں ہے۔ اور اگر نوم غیر ہیئت صلوٰۃ پر ہو تو پھر تماسک المقعد عن الارض باقی ہے تو ناقض نہیں ہے۔ اور اگر تماسک فوت ہو گیا تو ناقض ہے۔ مثلاً اضطجاع سے یا قفا پر لیٹنے سے یا کروٹ لیٹنے سے۔ اسیطرح اگر کوئی شخص ٹیک لگا کر بیٹھا ہو اور اسی حالت میں سو جائے تو اگر نوم اس قدر غالب ہو کہ ٹیک نکال دینے سے آدمی گر جائے تو یہ نوم بھی ناقض وضوء ہے۔ کیوں کہ

اس صورت میں تماسک فوت ہوگیا۔

(درس ترمذی، تقی عثمانی ۔ تقریر ترمذی کاپی عالم گیر)

الحدیث الثالث :۔ مالک عن زید بن اسلم ان تفسیر هذه الاٰیة "یاایها الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلٰوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین" ان ذالکم اذا قمتم من المضاجع یعنی النوم"

ترجمہ حضرت زید بن اسلم رح نے اس آیت کی تفسیر "یاایها الذین اٰمنوا" الی آخره۔ (اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کو کہنیوں تک اور اور اپنے سر کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو) یہ کی ہے کہ جب تم سوکر اٹھو تو وضو کرلو۔

توضیح زید بن اسلم :۔ یہ مفسرین میں سے ہیں "اذا قمتم" کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے مفسرین کے درمیان کیونکہ ظاہری اعتبار سے پتہ چلتا ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے یہی داؤد ظاہری کا مذہب ہے۔ اسی لئے بعض نے قید لگایا "اذا قمتم الے الصلوٰة وانتم محدثون" حضرت زید بن اسلم نے دوسری توجیہہ کی "اذا قمتم من النوم"۔

بعض نے کہاکہ ابتداء میں یہی حکم تھا کہ ہر نماز کے لئے وضو کیا جائے لیکن بعد میں حکم منسوخ ہوگیا۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ سورة مائدة کی آیت ہے جو اواخر سورة میں سے ہے۔

قال مالک الامر عندنا انه لا یتوضأ من رعاف ولا من دم ولا من قیح یسیل من الجسد ولا یتوضأ الا من حدث یخرج من دبر او ذکر او نوم"

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اہل مدینہ کے نزدیک نکسیر اور خون اور قیح جو جسم سے بہتا ہے اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور وضوء حدث کے خروج سے خواہ دُبر سے ہو یا قبل سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسیطرح نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

مسئلہ رُعاف اور اختلافِ ائمہ قئ اور رعاف سے نقض وضوء کا مسلہ ایک اصولی اختلاف پر متفرع ہے۔ وہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک کوئی بھی نجاست جسم کے کسی بھی حصہ سے نکلے وہ ناقض وضوء ہے خواہ خروج نجاست عادۃً ہوا ہو، یا بیماری کی وجہ سے یہی مسلک ہے حنابلہ اور امام اسحاق کا۔ اس کے برعکس امام مالک رح کا مسلک، اور امام شافعی رح کا مذہب یہ ہے کہ صرف اس نجاست کا خروج ناقض وضوء ہوتا ہے جو خود بھی معتاد ہو اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو جیسے بول وبراز، لہذا قے، رعاف، اور خون ان کے نزدیک ناقض نہیں۔ کیونکہ اس کا مخرج معتاد نہیں۔ اور اگر سبیلین سے بول وبراز، منی، مذی، ودی اور ریح کے علاوہ کوئی چیز خارج ہو تو بھی ان کے نزدیک ناقض نہیں کیوں کہ مخرج تو معتاد ہے لیکن خارج معتاد نہیں۔ البتہ دمِ استحاضہ اگرچہ خارج غیر معتاد ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اس سے قیاساً تو وضوء نہ ٹوٹنا چاہئے لیکن وہ امر تعبدی کے طور پر اس کو ناقض وضوء مانتے ہیں۔

دلائل حنفیہ:- (۱) عَنْ عَائِشَةَ رض جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتِ أَبِي حُبَيْش إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ فَادَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا إِنَّمَا ذَالِكَ دَمُ عِرْقٍ ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلٰوةٍ

اب دمِ عرق پر جب وضوء کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ دم ناقض وضوء ہے۔

(۲) عن عائشۃ رض قالت: قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم مَنْ أَصَابَهُ قَيْئٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ اس حدیث کا راوی اگرچہ مخالفین نے اس کے

متعلق کلام کیا ہے۔ لیکن ابن معین نے ثقات میں سے ثابت کیا ہے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رض انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رعف فی الصلوٰۃ فلینصرف، فلیتوضأ ولیبن علیٰ صلوٰتہ"

(۴) عن ابی ہریرۃ رض انہ علیہ السلام قال: لیس فی القطرۃ والقطرتین من الدم وضوء حتٰی یکون دمًا سائلا"

دلائل مالکیہ وشوافع:- (۱) ابوداؤد کے باب الوضوء من الدم میں ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں حضورؐ وصحابہ کے محافظ ہونے کے لئے ایک مہاجر اور ایک انصاریؓ کو نم الشعب میں بھیجا فاضطجع المہاجر وقام الانصاری ویصلی واتی رجل من المشرکین فرماہ بسہم فوضعہ فیہ فنزعہ حتٰی رماہ ثلٰثۃ اسہم ثم رکع ثم انتبہ صاحبہ الخ

اگر دم ناقض وضوء ہوتا تو انصاری صحابی نماز کو بحالتِ سیلانِ دم، باقی نہیں رکھتے۔ پتا چلا کہ دمِ سائل غیر ناقض وضوء ہے۔

(۲) وفی الدار قطنی عن النبیؐ انہ علیہ السلام احتجم فصلی ولم یتوضأ"

(۳) وفی موطا مالک عن المسعودؓ انہ دخل علیٰ عمرؓ فی اللیلۃ التی طعن فیہا فصلی عمر وجرحہ یثعب دمًا، جب بوقت خروجِ دم عمرؓ نے نماز پڑھا، لہٰذا معلوم ہوا کہ خروجِ دم ناقض وضوء نہیں۔

جواب دلائلِ مالکیہ وشوافع:- (۱) ان کی دلیل اوّل میں جو مہاجر اور انصاری کا واقعہ ہے اس کے اندر عقیل راوی مجہول ہیں۔ اور محمد بن اسحاق تو مشہور مختلف فیہ راوی ہیں جن کو دجال وکذاب بھی کہا گیا ہے۔

(۲) یہ تو ایک صحابی کا فعل ہے جو بمقابلہ قوی حدیث کے حجت نہیں ہو سکتا ولعلہ کان مذہبًا لہ

(۳) یا ممکن ہے کہ اس صحابی کو اس وقت تک نقض کا علم نہ ہو۔

(۴) یا تو علم تھا لیکن شغلہ الاستغراق فی لذۃ المناجاۃ مع اللہ عن الالتفات الیہ۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ جب تیر مارا گیا ہوگا تو یقیناً خون کافی مقدار میں بہا ہوگا۔ اور کپڑا بھی خون آلود ہوگیا ہوگا جو مالکیہ و شوافع کے یہاں بھی مانع صلوٰۃ ہے۔ اور وہ خون اتنا عقلمند تو تھا نہیں کہ بہتے وقت جست لگا کر کپڑا کو ملوث نہ کرے۔ پتا چلا کہ یہ استدلال عقلاً اور نقلاً درست نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب: انھوں نے دلیل ثانی میں جو حضرت انسؓ کی حدیث پیش کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اسمیں صالح بن مقاتل راوی ہے وقال الدارقطنی لیس ہذا بالوقی وسلمان بن داؤد راوی مجہول ہے۔

(۲) اس میں جو لم یتوضأ ہے اس سے مراد فی الحال وضوء نہ کرنا ہے اور فی الحال وضوء نہ کرنا بالکل عدم وضوء کو لازم نہیں کرتا

تیسری دلیل کا جواب: انھوں نے جو دلیل ثالث میں حضرت عمر فاروق رضؓ کا خون لے کر نماز پڑھنا نقل کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ محل نزع سے خارج ہیں کیونکہ وہ تو معذور تھے۔ والمعذور لایضرہ جریان الدم کما فی سلسل البول، ہٰکذا فی السعایۃ ،،

الحدیث الرابع :۔ مالك عن نافع عن ابن عمرؓ انہٗ کان ینام جالسًا ثم یصلی ولم یتوضأ ،،

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سوئے ہوئے تھے بیٹھ کر پھر نماز ادا کی اور وضوء نہیں کیا۔

باب الطہور للوضوء

الحدیث الاوّل :۔ مالك عن صفوان بن سلیم عن سعید بن

سعید بن سلمة من آل بنی الازرق عن مغیرة بن ابی بردة
وهو من بنی عبد الدار انه اخبره انه سمع ابا هریرة یقول جاء رجل
الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله انا نرکب
البحر ونحمل معنا القلیل من الماء فان توضأنا به عطشنا
افنتوضأ من ماء البحر فقال یا رسول الله صلی الله علیه وسلم
هو من ماء البحر فقال یا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
هو الطهور ماؤه الحل میتته ،،

ترجمہ امام مالک رح روایت کرتے ہیں صفوان بن سلیم سے وہ روایت کرتے ہیں سعید بن سلمہ سے جو قبیلہ آل بنو الازرق سے ہیں یہ روایت کرتے ہیں مغیرہ بن بردہ سے اور وہ قبیلہ بنو عبد الرزاق سے تعلق رکھنے والے ہیں، انہوں نے خبر دیا کہ انھوں نے ابو ہریرہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم دریا عبور کرتے ہیں اور ہم اپنے ساتھ تھوڑا پانی لئے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں گے تو کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔

توضیح

طھورا: فعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے پاکی حاصل کرنا۔

سعید بن سلمة: یہ قبیلہ بنو ازرق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض روایات میں سلمة ابن سعید ہے۔ اور بعض نے کہا کہ عبد اللہ بن سلمہ ہے۔ اسی لئے امام شافعی رح نے فرمایا کہ اس سند سے کون شخص ہے جسکو میں نہیں پہچانتا۔

مغیرة بن ابی بردة: دوسری روایت میں عبد اللہ بن ابی بردہ ہے۔ دوسری بات کہ اس کے اندر ہے "مغیرة بن ابی بردة سمع ابا ہریرة"، اور دوسری روایت میں "عن ابیہ" کا لفظ ہے

اس کو مزید فیہ متصل الاسانید کہتے ہیں۔ تو ان تمام روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اس کے اسناد و رُوات میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ایک قاعدہ ہے کہ تلقی بالقبول کی بنیاد پر سند کا ضعف دور ہو جاتا ہے۔ تو اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن علماء کا کہنا ہے کہ یہ تلقی بالقبول ہو چکی ہے اور عام طور سے بلکہ امام مالک خود اس کی سند سے روایت لے رہے ہیں۔ کہ اس روایت کے اندر نصف شریعت ہے کیونکہ حیوان بحر کا مسئلہ ہے۔

جاء رجل :۔ اس روایت میں "جاء رجل" ہے اور دوسری روایت میں "رجل من بنی المدلج" ہے۔ اور دار قطنی میں تو اس کا نام عبید ہے۔ اور دوسرا قول حُمید ہے لیکن راجح قول عبید ہے اور علامہ شوکانی نے اس کا نام ارقی رکھا اور اس کا معنی ہوتا ہے ملاح۔ یہ آدمی دریا کے اندر مچھلیوں کا شکار کرتا تھا۔ لیکن یہ نام نہیں ہے بلکہ عبید کی کنیت ہے۔

انا نرکب البحر :۔ ہم دریا کا سفر کرتے ہیں اور ہم اپنے ساتھ تھوڑا ہی پانی لیجاتے ہیں۔ یعنی ہم لوگ مچھلی کے لئے دریا میں جاتے ہیں۔ جہاد اور حج کا مسئلہ تو ثابت ہے ہی لیکن مچھلی کے لئے ہمارا سفر دو تین دن کا ہوتا ہے اور سمندر کا پانی پینے کے اندر ناقابل استعمال ہے تو اب کیا مسئلہ ہے کہ ہم اس دریا کے پانی سے وضوء کریں۔ اور ماء قلیل جو میرے پاس ہے اسکو پینے میں استعمال کریں۔

افنتوضأ من البحر :۔ صحابہ کو ماء بحر سے وضوء کرنے میں شبہ تھا، وجہ یہ تھی کہ سمندر بے شمار جانوروں کا مسکن ہے اور اس میں ہر روز ہزاروں جانور مرتے ہیں، لہٰذا ان مردار جانوروں کی وجہ سے سمندر کا پانی نجس ہو جانا چاہئے۔ یا شبہ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے "ان تحت البحر نارًا"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے شبہ کے جواب میں صرف "الطهور ماؤه" کہنے پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اسکے ساتھ "والحل ميتته" کا اضافہ بھی فرمایا تاکہ منشأ سوال ہی ختم ہو جائے۔ یعنی سمندر میں جانوروں کا مرنا اسکے پانی کو ناپاک نہیں کرتا کیونکہ وہ حیوان میت حلال ہے۔

سوال :۔ سائل نے سوال کیا تھا کہ کیا ہم ماء بحر سے وضو کریں ؟ تو آپ لفظ "نعم" کہہ دے دیتے اور یہ کافی تھا لیکن آپ نے مسلہ بیان کرنے میں طوالت سے کام لیا جو کہ بلاغت کیخلاف ہے۔ لیکن جواب :۔ دیتے ہیں کہ فائدہ کے پیش نظر طویل کرنا درست ہے اور یہاں ضرورت کے تحت ہے کیونکہ سائل کے سوال سے معلوم ہو رہا تھا کہ صرف اس وقت جائز ہے یا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم کو ضرورت ہو یا نہ ہو بہرصورت درست ہے۔ اگر وضوء پر صرف ہاں کہہ دیتے تو صرف وضوء خاص ہوتا۔ غسل کرنا، کپڑا دھونا ثابت نہیں ہوتا لیکن کچھ طوالت اختیار کر کے تمام مسائل کو ثابت کر دیا۔ ۵ذریعہ جواب

هو الطهور ماؤه :۔ یہاں خبر کی تعریف باللام تعارف کے لئے ہے نہ کہ حصر کے لئے، ابتدار میں صحابہ کرام کے درمیان وضوء بماء البحر کے سلسلے میں اختلاف تھا لیکن بعد میں اس کے جواز پہ اجماع ہو گیا۔

الحل میتته :۔ یہاں پر کئی مسائل بحث طلب ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سمندر کے کون کون سے جانور حلال اور کون سے حرام ہیں ؟

امام مالک رح کا مسلک یہ ہے کہ خنزیر بحری کے سوا تمام سمندری جانور حلال ہیں،

امام ابوحنیفہ رح کا مسلک یہ ہے کہ سمک کے علاوہ تمام جانور حرام ہیں۔

امام شافعی رح سے اس سلسلے میں چار اقوال منقول ہیں۔ (۱) حنفیہ کے مطابق، (۲) جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں انکی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں، اور جو خشکی میں حرام ہیں، وہ سمندر میں بھی حرام ہیں، مثلاً بقر بحری اور کلب بحری حرام ہیں۔ اور جس بحری جانور کی خشکی میں نظیر نہ ہو تو وہ حلال ہے۔ (۳) ضفدع، تمساح، سلحفاة، کلب بحری اور خنزیر بحری حرام ہیں، باقی تمام جانور حلال ہیں۔ (۴) ضفدع کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔ علامہ نووی نے امام شافعی کے اس آخری قول کو ترجیح دیکر اسے شافعیہ کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

دلائل حنفیہ :۔ ویحرم علیهم الخبائث [1] :۔ علامہ عینی نے اس آیت قرآنی سے مسلک

حنفیہ پر استدلال کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ خبائث سے مراد وہ مخلوقات ہیں جن سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہو اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے تمام جانور ایسے ہیں جن سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہے۔ لہٰذا سمک کے علاوہ دوسرے دریائی جانور خبائث میں داخل ہوں گے۔

(۲) حرمت علیکم المیتۃ ،، اس سے معلوم ہوا کہ ہر میتہ حرام ہے سوائے اس میتہ کے جن کی تخصیص دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی ہو۔

(۳) ابوداؤد، ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی وغیرہ میں مشہور مرفوع روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال احلت لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالحوت والجراد، واما الدمان، فالکبد والطحال ،، یہاں استدلال بعبارۃ النص ہے، کیونکہ سیاق کلام حلت وحرمت کے بیان میں ہوگا، اور تعارض کے وقت استدلال بعبارۃ النص راجح ہوتا ہے۔ (کما تقرر فی اصول الفقہ)

(۴) روی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ سئل عن الضفدع یجعل شحمہ فی الدواء فنھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن قتلہا وذالک نھی عن اکلہا ،، (۵) روی عن النبی ؐ انہ سئل عن الضفدع فقال علیہ السلام خبیثۃ من الخبائث فلما ثبت تحریم الضفدع کان سائر حیوان الحیوان سوی السمک بشابہ لانا لا نعلم احداً فرق بینھما۔ (کما فی الاحکام والبذل)

دلائل ائمہ ثلثہ:۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا قول اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ ،، الصید ھھنا للصلا بمعنی المفعول ای الصید ،، جس کا شکار کیا گیا۔ اب اس میں سب حیوانات شامل ہیں ،،

(۲) الحل میتتہ:۔ اس میں مطلق میتۃ کو حلال کہا گیا ہے مچھلی ہو یا غیر ،،

(۳) حدیث جابر انہ روی فی جیش الخبط ان البحر القی لھم دابۃ یقال لھا العنبر فاکلوا منھا ثم سألوا النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال ھل معکم منہ شیئ تطعمونہ ، تو عنبر جو مچھلی کے علاوہ جانور ہے تو اس کی حلت بھی معلوم ہوئی، ایسا ہی

وغیر ذالک،

جواب دلائل جمہور:۔ (۱) انہوں نے جو دلیل اول میں احل لکم صید البحر، کی آیت لاکر صید بمعنی للمفعول کہا ——— اس کا جواب یہ ہے کہ بمعنے المفعول کہنا مجازاً ہوگا کیونکہ صید اصل میں مصدر بمعنے الفعل الصدای الاصطیاد ہے لانہ ھو الصید حقیقۃً ولا یجوز العدول عن حقیقۃ اللفظ من غیر دلیل، دوسری حدیث جو بطور دلیل الحل میتتہ، کو پیش کیا اس میں سعید بن سلمہ راوی ہیں، ابوبکر جصاص نے کہا کہ وہ مجہول لا یقطع بروایتہ وقد خولف فی ھذا الاسناد کما فصلہ صاحب احکام القرآن والبذل"

(۲) الحل میتتہ، سے عموم کا علم ہوا لیکن قولہ علیہ السلام احلت لنا میتتان، السمک والجراد تو ان مطلق میتہ میں سے صرف ان دونوں کو خاص کر دیا گیا۔

"کمافی الاحکام والبذل"

اور انہوں نے جو دلیل ثالث میں عنبر کا واقعہ لاکر کہا کہ وہ عنبر غیر حوت ہے، جواب یہ ہے کہ ان جماعۃ قد رووا ھذا الحدیث وذکروا فیہ ان البحر القی لہم حوتاً یقال لہ العنبر، اس سے صاف معلوم ہوا کہ عنبر بھی مچھلی کی ایک قسم ہے جو بالاتفاق حلال ہے۔

الحدیث الثانی:۔ مالک عن اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحۃ الانصاری عن بنت ابی عبیدۃ بن فروۃ عن انہا کبشۃ بنت کعب بن مالک وکانت تحت ابن ابی قتادۃ انہا اخبرتہا ان ابا قتادۃ دخل علیہا فسکبت لہ وضوءً فجاءت ھرۃ لتشرب منہ فاصغی لہا ابو قتادۃ الاناء حتی شربت قالت کبشۃ فرانی انظر الیہ فقال اتعجبین یا ابنۃ اخی قالت فقلت نعم فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انہا لیست بنجس انما ھی من الطوافین او الطوافات

قال یحییٰ قال مالک لا بأس به الا ان یریٰ نیہا نجاسۃ،،

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ انصاری سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت حمیدہ بنت ابی عبیدہ بن فروہ سے اور وہ روایت کرتی ہیں اپنی خالہ کبشہ بنت کعب انصار مالک سے اور وہ ابن ابی قتادہ کی بیوی ہیں، انھوں نے خبر دی کہ ابو قتادہ تشریف لائے اپنی بہو کے پاس، لائی ان کے لئے وضو کا پانی، اچانک بلی آگئی تاکہ اس میں سے پی لے۔ چنانچہ ابو قتادہ نے بلی کے لئے برتن کو جھکلوایا یہاں تک کہ بلی نے پانی پی لیا تو کبشہ کہتے ہیں کہ ابو قتادہ نے مجھکو کہا کہ میں ان کی جانب تعجب کی نظر سے دیکھ رہی ہوں تو اس نے کہا کہ اے بھتیجی کیا تم کو تعجب ہوا ہے اس پر؟ تو اس نے کہا کہ ہاں تعجب ہے۔ تو ابو قتادہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کا جھوٹا ناپاک نہیں کیونکہ وہ تمہارے درمیان بار بار آنے والوں میں سے یا آنے والیوں میں سے ہے۔

مسئلہ سور ہرّہ واختلاف ائمہ بلی کا جھوٹا ——— بلی نے سالن یا کسی چیز میں منہ ڈالدیا تو تمام صورتوں میں ایک ہی حکم ہے

امام اعظم کے نزدیک بلی کا جھوٹا مکروہ ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور ہمارے امام ابو یوسف علیہ الرحمٰن کے نزدیک بلا کراہت پاک ہے۔

اب امام اعظم رح کے نزدیک جو مکروہ ہے وہ کونسا مکروہ ہے تو اس کے اندر فقہاء احناف نے اختلاف کیا ہے۔ ——— امام طحاوی رح فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے،

دلیل:۔ اس کا گوشت حرام ہے۔ اور لعاب گوشت سے بنتا ہے لہٰذا جسطرح سے گوشت حرام ہے اسیطرح اس کا لعاب اور جھوٹا حرام ہے، لیکن طوافات ہونے کی بنیاد پر اس کو مکروہ تحریمی کے درجہ میں رکھا ——— اب انکے بالمقابل حضرت امام کرخی رح فرماتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے، اور علماء دیوبند نے اس کو اپنایا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یعنی اگر آپ کے

پاس دوسرا پانی ہے تو اس کا استعمال کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے پاس ہر وقت آنے جانے والے مردوں کے حکم میں ہے یا وہ تمہارے پاس ہر وقت آنے جانے والی عورتوں کے حکم میں ہے۔

من الطوافین علیکم و من الطوافات :۔ کا لفظ واؤ کے ساتھ آیا ہے یعنی یہ خادم اور خادمہ کے حکم میں ہے۔ اس لئے اس کے استیذان میں تخفیف کر دی گئی ہے کہ صبح کے اندر صرف تین مرتبہ اجازت لے کر آوے اور ۲۴ گھنٹہ بلا اجازت آوے، اور عام لوگوں کے لئے ہمیشہ اجازت واجب ہے۔ —— اس حدیث سے تو ائمہ ثلثہ اور امام ابو یوسف رح کا مسلک ثابت ہوا کہ الھرۃ لیس بنجس "۔

اب امام اعظم رحمۃ اللہ نے مکروہ کیوں کہا تو فرمایا کہ ایک کے اندر ایک اور حدیث ہے۔ لہٰذا اس کے مقابل میں لاؤ —— وہ یہ ہے کہ واذا ولغت فیه الھرۃ غسل مرۃ —— جب بلی برتن میں منہ ڈالدے تو اس کو ایکبار دھویا جائے گا۔ لہٰذا میں کہوں گا کہ اس مسئلہ میں جتنی بھی احادیث ہیں ان تمام کو لاؤ۔ پھر فیصلہ کرو —— امام اعظم تمام کو لائے اور فیصلہ کیا کہ غیر ماکول اللحم کا جھوٹا ناپاک ہے اور بلی بھی ناپاک ہے لیکن اس کے اندر تخفیف ہے کیونکہ من الطوافین والطوافات ہے۔

اب سوال پیدا ہوا کہ احناف نے امام طحاوی علیہ الرحمۃ کے قول کو کیوں نہیں لیا، اور امام کرخی رح کے قول کو کیوں لیا ؟

جواب :۔ اگر امام طحاویؒ کے قول کو لیتے تو دوسری حدیث پر عمل نہ ہوتا۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ عدم ماء جدید کے وقت اس کو استعمال کر سکتے ہیں اگر لیتے تو وضو والی حدیث پر عمل نہ ہوتا حالانکہ ابو قتادہ نے وضو کیا ہے ؟

حمیدۃ بنت ابی عبیدۃ :۔ —— یہ تصغیر ہے۔ جو کہ ابو عبیدہ بنت فروہ کی بیٹی ہے، اور ابن ماجہ کی روایت میں ابو عبید بن رافع ہے۔ اور دوسری کتابوں میں ابو عبیدہ بن رفاعہ بن رافع

ہے ۔ اور یہ صحیح ہے اور کبشہ ابن ابی قتادہ کی بیوی اور ابوقتادہ کی بہو ہے ۔

الحدیث الثالث :۔ مالك عن يحيى بن سعيد عن محمد بن ابراهيم بن الحارث التيمي عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب ان عمر بن الخطاب خرج في ركب فيهم عمرو بن العاص حتى وردوا حوضاً فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض هل ترد حوضك السباع فقال له عمر بن الخطاب يا صاحب الحوض لا تخبرنا فانا نرد على السباع وترد علينا ،،

ترجمہ امام مالکؒ روایت کرتے ہیں حضرت یحییٰ بن سعید سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی سے وہ حضرت یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب سے کہ عمر بن الخطاب نکلے ایک سفر میں ان میں عمرو بن العاص بھی تھے یہ لوگ حوض کے پاس آئے چنانچہ عمرو بن العاص نے صاحب حوض سے کہا کہ اے صاحب حوض! کیا تمہارے حوض پہ سباع وحشی آتے ہیں؟ پھر عمر بن الخطاب بول اٹھے کہ اے صاحب حوض! ہم کو تم خبر نہ دو کیونکہ ہم درندہ پرآتے ہیں اور وہ ہماری باری " یعنی پینے کے اندر وہ پہلے یا ہم پہلے "

مسئلۃ احکام المیاہ واختلاف الائمۃ

یہاں سے امام مالک رح احکام المیاہ بیان فرمارہے ہیں ۔ پانی کی طہارت ونجاست کا مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے ۔ اور اس سلسلے میں فقہاء کے بلیغ سے بھی زائد اقوال ہیں تاہم اس مسئلے میں مشہور مذاہب مندرجہ ذیل ہیں ۔

تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ پانی کے اندر نجاست گرگئی اور اس کا اثر، رنگ ،

مزہ بدل گیا خواہ ماء قلیل ہو یا ماء کثیر تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اگر اتنی نجاست گری کہ اس سے ایک وصف بدل گیا تو وہ بالاجماع ناپاک ہے۔ اور اگر کوئی وصف نہیں بدلا۔ مثلاً ایک لوٹا پانی ہے اور اس میں ایک قطرہ نجاست گر گئی تو بالاجماع پانی ناپاک ہے۔ اور ماء جاری ماء کثیر کے حکم میں، اور ماء کثیر ماء جاری کے حکم میں ہے۔

سوال: ماء قلیل اور کثیر کسے کہتے ہیں اور ان کی مقدار کیا ہے؟

جواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں تین رائے ہے۔ (۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ پانی کا پھیلاؤ اتنا ہے کہ اگر اس کے ایکطرف کوئی چیز گری ہو تو اس کا اثر دوسری طرف نہ پڑے تو یہ کثیر ہے۔ یہ تو پھیلاؤ ہوا۔ اور گہرائی کتنی ہو؟ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر پانی سے چلو اٹھائے تو زمین نہ دکھائی دے یہی ہمارے یہاں رائج ہے۔ یعنی وہ دردہ ۱۰×۱۰ دس گز لمبا اور دس گز گڑھا یعنے سو ہاتھ مربع پھیلاؤ ہوگا۔ ۱۰×۱۰=۱۰۰۔

اس تحدید کا منشأ امام محمد رح کا قول ہے کہ آپسے جرجانی نے کثیر کی حد دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میری اس مسجد کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کے بعد اس مسجد کی پیمائش کی گئی تو وہ دردہ نکلی،

دوسرا قول امام مالک رح کا ہے۔ ان کا مسلک مختار یہ ہے کہ جب تک پانی کے احد الاوصاف متغیر نہ ہوں وہ وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

تیسرا قول امام شافعی رح کا اور امام احمد بن حنبل کا مسلک:۔ یہ ہے کہ اگر پانی قلیل ہو تو وقوع نجاست سے نجس ہو جائے گا۔ وان لم یتغیر احد اوصافہ ۔ اور اگر کثیر ہو تو نجس نہ ہوگا مالم یتغیر اکثر اوصافہ ۔ اور کثیر کی مقدار ان کے نزدیک قلتین ہے۔ اور یہ مقدار تخمینی نہیں بلکہ تحقیقی ہے۔ یہاں تک کہ امام نووی رح نے لکھا ہے کہ اگر ایک قلہ پانی میں نجاست گر جائے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ لیکن اگر اسمیں ایک قلہ طاہر پانی ملا دیا جائے تو پورا پانی پاک ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد اگر دوبارہ دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے تو نجاست عود نہیں کرے گی۔

(۱) احادیث کا مجموعہ :۔ حدیث بیر بضاعۃ :۔ بضاعۃ ایک عورت کا نام ہے، وہ کنواں کھدوائی تھی تو اسکی وجہ سے اس کو بیر بضاعہ کہا جانے لگا۔ اس سلسلے میں حدیث ہے کہ وہاں برسات ہوتی تھی تو پورے گاؤں کا پانی گندگی کے ساتھ بہہ کر اس کنویں میں گرا کرتا تھا۔ لہٰذا کنواں بھر جاتا تھا۔ پھر جب بارش کا پانی ختم ہو جاتا تو اسی کنویں سے متصلاً پانچ باغ تھا اس کو سیراب کیا جاتا تھا۔

ایک مورخ اعظم ہیں علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ ان کا بھی یہی کہنا ہے۔ اب لوگ بیر بضاعہ سے پانی لاتے استعمال کیلئے لیکن اس کو پینے میں استعمال نہیں کرتے تو ایکدن حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیر بضاعہ کے پانی سے وضو فرما رہے تھے تو صحابہ کرام نے سوال کیا یارسول اللہ آپ بیر بضاعہ کے پانی سے وضو کر رہے ہیں؟ دانحالیکہ اس کے اندر حیض سے آلودہ اور لبریز خون سے چیتھڑے ڈالے جاتے ہیں اور اس کے اندر کتے کا گوشت اور گندگیاں ڈالی جاتی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ان الماء طھور لا ینجسہ شیئے، یہ استعجاب کے وقت آپ نے جواب دیا۔

ترمذی شریف کی حدیث :۔ حدیث بن عمر رضہ :۔ ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک چٹیل میدان میں پانی ہے۔ اور لوگوں کے پاس پالتو جانور ہیں وہ وہاں جاکر پانی پیتے ہیں اور راتوں کو درندے پہاڑوں سے نکل کر پیتے ہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی، اس کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟ حالانکہ وہ پانی پیتے ہیں کسی وقت پیشاب بھی کر دیتے ہیں —— آپ نے ارشاد فرمایا اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث کہ جب دو قلہ پانی ہوتا ہے تو ناپاک نہیں ہوتا۔

ترمذی شریف کی حدیث :۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے —— ایک لفظ "الدائم" ہے اور دوسرا "الراکد" ہے۔ تو وہ پانی جو ٹھہرا ہوا ہے اس کے بالمقابل ماء جاری ہے اگر کسی نے جاری پانی میں غسل کیا اور اس کے اندر پیشاب کرنا شروع کر دیا تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ کیونکہ

یہ ماء جاری ہے اور وہ ناپاک نہیں ہوتا بلکہ پاک رہتا ہے۔ اور حدیث کے اندر جو لفظ ہے وہ ماء الدائم کے سلسلے میں ہے۔ اسیطرح کوئی آدمی سوکر اٹھے تو فوراً بغیر ہاتھ دھوئے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ پانی کے ناپاک ہونے کا احتمال ہے۔ اسیطرح سور کلب کے سلسلے میں ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈالے تو اسکو دھولو بغیر دھوئے اس کا استعمال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ نجس العین ہے، اسیطرح حدیث سور الھرہ ہے کہ آپ نے فرمایا سور الھرہ جائز ہے کیونکہ وہ گھروں کے اندر بار بار آیا کرتی ہے۔ (من الطوافین والطوافات۔)

غدیر عظیم کے سلسلے میں حدیث:۔ چند صحابہ کرام سفر میں جارہے تھے تو ان لوگوں کا پڑاؤ ایک تالاب عظیم پر ہوا لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے اندر ایک کتا مرا ہوا ہے، تو صحابہ کرام نے اس کے استعمال سے گریز کیا، جب آپؐ آئے تو صورتحال کا جائزہ لے کر فرمایا کہ تم لوگوں نے وضو نہیں کیا؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ اسکے اندر ایک کتا مرا ہوا ہے آپؐ نے فرمایا کہ جس جانب کتا مرا ہوا ہے اس کے مقابل والے کنارے میں وضو کر لو (کوئی حرج نہیں ہے)

موطا امام مالک کی حدیث:۔ مدینہ سے چند صحابہ کرام غزوہ میں جارہے تھے راستہ میں ایک جگہ پر حوض تھا لہٰذا قافلہ وہاں رک گیا، عمرو بن العاص رضؓ نے صاحب حوض سے کہا کہ اے بھائی کیا اس پر درندے بھی آیا کرتے ہیں؟ صاحب حوض کے بولنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضؓ بول پڑے کہ اے صاحب حوض تم کو بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو اپنی باری میں آیا کرتے ہیں اور ہم اپنی باری میں آتے ہیں۔ لہٰذا! اے لوگو وضو کرو!

اصحاب ظواہر:۔۔۔۔ اب اصحاب ظواہر کا معاملہ کہ وہ صرف بیر بضاعہ کو لے کر چلتے ہیں، بقیہ تمام احادیث کو پس پشت ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان الماء طهور لا ينجسه شيء۔ کہ ماء قلیل ہو یا کثیر، راکد ہو جاری سب پاک ہے۔ اسکو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی

دلیل داؤد ظاہری کا واقعہ! کہ وہ آدھی کٹوری پانی اور آدھی کٹوری پیشاب کو پی گیا۔ یہ داؤد ظاہری کی کم عقلی کی علامت ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر اس کا رنگ اور مزہ اور بو بدل

جائے پھر بھی وہ پاک ہے۔

اب ائمہ اربعہ تشریف لائے اور ساری روایتوں کو لے کر بیٹھے۔ اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ اگر ماء کثیر ہو اور اس کے اندر نجاست گر جائے تو بالاجماع پاک ہے۔ اور اگر ماء قلیل ہو اور اس کے اندر نجاست گر جائے تو دیکھیں گے کہ وصف بدلا یا نہیں اگر وصف بدل جائے تو ناپاک ہے اور اگر وصف نہیں بدلا پھر بھی وہ ناپاک ہے یہ قول امام محمد رح نے موطا امام محمدؒ میں نقل کیا ہے۔

امام اعظم تشریف لائے اور ایکطرف سے روایت بیان کرنا شروع کیا کہ دہ دردہ یعنی غدیر عظیم والی روایت لیا اور اسکو معیار بنا کر فیصلہ کر دیا۔

امام شافعی اور امام احمد تشریف لائے اور تمام روایتوں کا جائزہ لیا اور قلتین والی روایت کو معیار بنا کر فرمایا کہ دو قلہ ہو تو کثیر ہے ورنہ قلیل۔

امام مالکؒ آئے اور تمام روایتوں کا جائزہ لیکر فرمایا کہ کوئی قلیل وکثیر اس کے اندر متعین نہیں ہے لہٰذا قلیل وکثیر کا معیار اس لفظ پر رکھدیا جائے گا کہ اگر احد الاوصاف متغیر ہو تو ماء قلیل ورنہ کثیر ہے۔

حنفیہ کیطرف سے بیر بضاعہ والی حدیث کا جواب! ـــــــ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الماء میں سیاق حدیث اور قرینۂ سوال کی بناء پر الف لام عہد خارجی کا ہے۔ اور اس سے مراد خاص بیر بضاعہ کا پانی ہے نہ کہ مطلق پانی" اور بیر بضاعۃ کا پانی جاری تھا چنانچہ علامہ محمد بن عمر واقدی لکھتے ہیں کہ بیر بضاعۃ چشمہ دار تھا اور اس کے پانی سے باغات سینچے جاتے تھے "کانت بیر بضاعۃ جاریۃ تسقی منه البساتین،، (رواہ الطحاوی) اور علامہ واقدی گرچہ حدیث میں ضعیف ہیں مگر تاریخ میں معتمد قولی ہیں، ویسے عقلاً بھی یہ بات محال ہے کہ بیر بضاعہ میں کثرت سے نجاستیں بھی واقع ہوں اور اس کا پانی بھی قلیل ہوا ور پھر بھی تغیر اوصاف نہ ہوتا ہو، یہ بہت بعید از قیاس ہے۔ بلکہ اس صورت میں تغیر اوصاف لازمی عمل ہے۔

تو معلوم ہوا کہ بیر بضاعہ کا پانی راکد کثیر تھا تبھی تو متغیر اوصاف نہیں ہوا۔ فلہٰذا امام مالکؒ

کا اس حدیث سے ماء راکد قلیل کی نجاست کے لئے بھی تغیر اوصاف کے ضروری ہونے پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

جواب (۲): اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے کیونکہ ایک سند میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج اور دوسری روایت کی سند میں عبد اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج اور تیسری سند میں عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن رافع بن خدیج ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے ــــــ چنانچہ ابن قطان وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

حدیث القلتین کا جواب: (۱) یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کا مدار محمد بن اسحاق پر ہے جو ضعیف ہے نیز اس حدیث میں سنداً، متناً، معنًی اور مصداقاً شدید اضطراب ہے۔

اضطراب فی السند کی توضیح یہ ہے کہ یہ روایت بعض طرق میں "عن الزہری عن سالم عن ابن عمر" کی سند سے مروی ہے۔ بعض میں "عن محمد بن جعفر عن عبید اللہ عن ابن عمر" کی سند سے، پھر ولید بن کثیر کے بعض طرق میں "عن محمد بن جعفر بن الزبیر" ــــــ پھر صحابی سے روایت کرنے والے کے نام میں بھی اختلاف ہے۔

بعض روایتوں میں ان کا نام عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر اور بعض میں عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر مذکور ہے۔ نیز حماد بن سلمہ کے طرق میں وقف اور رفع کا بھی اضطراب ہے یعنی بعض طرق میں یہ موقوف علی ابن عمر ہے، (کما عند ابی داؤد) اور بعض طرق میں یہ مرفوع ہے (کما عند الترمذی)

اضطراب فی المتن کی تشریح: یہ ہے کہ بعض روایات میں "اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث" آیا ہے اور بعض میں "قلتین او ثلثاً" وارد ہوا ہے، جیسا کہ دار قطنی اور ابن عدی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور دار قطنی ہی میں متعدد طرق سے "اربعین"، "قلۃ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ جن میں سے ایک طریق کو شیخ ابن ہمام رحمہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ نیز دار قطنی ہی نے بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں "اربعین دلواً یا اربعین غرباً" کے الفاظ منقول ہیں =

اضطراب فی المعنے کی تشریح :۔ یہ ہے کہ بقول صاحب قاموس، قلہ کے کئی معنے بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً پہاڑ کی چوٹی، انسان کا قد اور مٹکا۔ یہاں کسی ایک معنے کی تعیین مشکل ہے چونکہ قرینہ نہیں ہے۔ ــــــ اگر مٹکا کے معنی تسلیم کر بھی لیں تب بھی مختلف شہروں میں مختلف مقدار کے مٹکے ہوتے ہیں، پس جب قلتین کی مقدار ہی متعین نہ ہو سکی تو پھر تحدید قطعی کیسے ہو سکتی ہے

الحدیث الرابع :۔ مالك عن نافع أنّ عبد الله بن عمر كان يقول إن كان الرجال والنساء ليتوضؤون في زمان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جميعًا

ترجمہ حضرت امام مالک رح روایت کرتے ہیں حضرت نافع سے کہ عبد اللہ بن عمر رض فرماتے تھے کہ مرد اور عورتیں سب کے سب وضوء کیا کرتے تھے نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اکٹھے ۔

فضلُ طہورِ المرأةِ واختلافُ الائمۃ

یہاں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر عورت اور مرد دونوں کسی ایک ہی برتن سے وضوء کریں تو درست ہے یا نہیں ؟ تو اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مسائل ملاحظہ ہوں ۔

یہاں چار صورتیں بالاتفاق جائز ہیں ۔ (۱) مرد، مرد کا بقیہ طہور استعمال کرے ،، (۲) عورت، عورت کا باقی پانی استعمال کرے ،، (۳) عورت ، مرد کا فضل الطہور استعمال کرے ،، (۴) دونوں اکٹھے استعمال کریں ۔

اختلافی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کا وضو اور غسل سے بچا ہوا پانی استعمال کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟

امام ابو حنیفہ رح، امام مالک رح، امام شافعی رح کے نزدیک مرد کے لئے اپنی بیوی کے وضو اور غسل سے ما بقیہ پانی استعمال کرنا جائز ہے ۔ اور امام احمد رح اور اسحاق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے ۔

دلیل جمہور :۔ (۱) عن ابن عباس قال حدثتنی میمونۃ قالت : ـــــ کنت اغتسل انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد من الجنابۃ ،،

اس حدیث سے اغتسال معاً کا جواز معلوم ہوتا ہے ۔ اور یکے بعد دیگرے استعمال الفضل کا جواز ابن عباس رض ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے ۔ حدیث شریف یہ ہے ۔ ،، قال اغتسل بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جفنۃ فاراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتوضأ منہ فقالت : ـــــ یارسول اللہ انی کنت جنباً فقال ان الماء لا یجنب ،، (رواہ الترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد، مشکوٰۃ ص۴۹ ج ۱)

دلیل حنابلہ :۔ حدیث حکم بن عمرو رض : وقال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتوضأ الرجل من فضل طہور المرأۃ ،، (رواہ ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، مشکوٰۃ ص۵۰ ج۱)

جمہور کی جانب سے جواب :۔ (۱) یہ نہی تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کے لئے ہے ۔ کیونکہ عورتوں میں بے احتیاطی غالب ہوتی ہے ۔ اس کا قرینہ حمید حمیری کی حدیث ہے جس میں غسل المرأۃ بفضل الرجل کی بھی ممانعت ہے اور یہ بالاتفاق نہی تنزیہی پر محمول ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ۔

جواب (۲) :۔ یہاں اعضاء سے گرا ہوا ماء مستعمل مراد ہے ۔

جواب (۳) :۔ یہ حدیث منسوخ ہے اور ناسخ حضرت میمونہ رض والی حدیث ابن عباس ۔

جواب (۴) یہ حدیث اجنبی عورت پر محمول ہے ۔

جواب (۵) حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی درحقیقت

باب معاشرت سے متعلق ہے چونکہ عورت ہمیشہ مرد کے مقابلہ میں نظافت و طہارت اور پاکیزگی کا اہتمام کم کرتی ہے۔ اس لئے اس کے فضل طہور کے استعمال سے شوہر کو گھن ہو سکتی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا۔

بَابُ مَا لَا يَجِبُ فِيهِ الْوُضُوءُ

الحَدِيثُ الاَوَّلُ :- مالك عن محمد بن عمارة عن محمد بن ابراهيم عن ام ولد لابراهيم بن عبد الرحمن بن عوف انها سالت ام سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم فقالت انى امرأة اطيل ذيلي وامشى فى المكان القذر قالت ام سلمة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يطهره ما بعده ،،

ترجمہ امام مالک رح روایت کرتے ہیں محمد بن عمارہ سے انھوں نے روایت کی حضرت محمد بن ابراہیم سے وہ ام ولد سے جو ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف کی ام ولد ہے، اس نے ام سلمہ سے سوال کیا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں کہ میرا دامن بڑا ہے۔ اور میں چلتی ہوں نجس جگہ میں تو میں کیا کروں؟ تو ام سلمہؓ نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا نجاست اگر لگ گئے اور پاک زمین میں وہ گھسیٹا گیا تو اب وہ پاک ہو جائے گا۔

تشریح انى امرأة اطيل ذيلي وامشى فى المكان القذر :- یہ حدیث باجماع علماء مؤول ہے، اس لئے کہ خف اور نعلین کے بارے میں تو یہ بات مسلم ہے کہ ان پر لگی ہوئی نجاست پاک مٹی کی رگڑ سے پاک ہو جاتی ہے لیکن جسم اور ثوب کے بارے میں اس پر اتفاق ہے کہ اگر ان پر کوئی نجاست رطبہ لگ جائے تو بغیر غسل کے وہ پاک نہیں ہوتے

جبکہ یہاں دامن کا بھی ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک زمین سے مَس ہو کر وہ بھی پاک ہو جائیگا، اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ یہ حدیث عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد سے مروی ہے جو مجہول ہے۔ نیز بعض روایات میں انھیں عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد قرار دیا گیا ہے "کما فی روایۃ الآخر" اور بعض میں ہو د بن عبدالرحمٰن بن عوف کی، "کما فی روایۃ عبداللہ بن المبارک" اور بعض میں ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی، "کما فی روایۃ الباب وکما فی روایۃ ابی داؤد"۔۔۔۔۔۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف نہیں، جہاں تک ام ولد کے بارے میں اضطراب کا تعلق ہے تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد ہیں، کمافی روایۃ الموطا، وابی داؤد، اور باقی روایات میں وہم ہے

رہا ان پر جہالت کا اعتراض سو اول تو وہ اسی بات سے ختم ہو جاتا ہے کہ یہ عبدالرحمٰن کے لڑکے ابراہیم کی ام ولد ہیں۔ نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ وغیرہ نے ان کو تابعیہ قرار دیا ہے، اور ان کا نام "حمیدہ" ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث پر ضعف کا اعتراض غیر معقول ہے۔

پھر بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں مکان قذر سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں نجاستِ یابسہ پڑی ہو، نہ کہ نجاستِ رطبہ، اور نجاست یابسہ سے تطہیر کے لئے غسل کی ضرورت نہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو نجاست یابسہ کسی جگہ سے دامن پر لگ جائے بعد کی زمین سے مس ہو کر وہ خود اتر جائے گی۔

لیکن حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم ہے واقعہ یہ ہے کہ سائلہ کو دامن کے ملوث بالنجاستہ ہونے کا یقین نہیں تھا بلکہ اس کا خیال یہ تھا کہ گندی جگہ سے گذرتے ہوئے اگر نجاست لگ جائے تب بھی وہاں کی فضاء کپڑوں پر اثر انداز ہوگی۔ اس وہم کو دور فرمانے کے لئے آپ نے فرمایا کہ آگے پاک زمین کی فضاء اس کی تلافی کر دے گی۔ لیکن اس جواب پر بھی شرحِ صدر نہیں ہوتا اس لئے کہ سائلہ نے خاص طور سے دامن کے لمبا ہونے کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔ "انی امرأۃ اطیل ذیلی"، اگر محض فضاء کی گندگی سائلہ کے لئے منشائے

سوال ہوتی تو اس میں دامن کی خصوصیت نہ تھی، بلکہ کیچڑ وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی چھینٹوں کے بارے میں سوال مقصود تھا۔ جو چلتے ہوئے دامن پر لگ جاتی تھیں، اور چھینٹوں کے بارے میں صراحت ہے کہ وہ معاف ہے۔ (کما صرح بہ الشامی)

لیکن آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے سائلہ کو مطمئن کرنے کے لئے صرف معافی کا ذکر نہیں کیا بلکہ پاک زمین کی تطہیر کا ذکر فرمایا تاکہ وہ بالکل مطمئن ہو جائیں۔

الحدیث الثانی :- مالك انه رأى ربيعة بن ابى عبد الرحمٰن يقلس مرارًا وهو في المسجد فلا ينصرف ولا يتوضأ حتى يصلي

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن کو دیکھا کہ انھوں نے مسجد کے اندر کئی بار قے کیا اور وہ مسجد کے اندر تھے وہ نہیں لوٹے اور نہ وضوء کیا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔

تشریح قے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے

جماعت اولیٰ:- امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر منہ بھر کر قے ہوا ہو تو وہ قے ناقض وضوء ہے۔

جماعت دوم:- امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ناقض وضوء نہیں ہے۔ اب اس باب کے اندر ربیعۃ الرائے کے عمل کو پیش کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ منہ بھر کر قے نہیں کیا ہوگا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ کی حدیث کو لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس شخص کو قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا قلس ہو جائے یا مذی آگئی تو چاہئے کہ وضوء کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے۔ یہ ترمذی، دار قطنی، اور نسائی شریف کے اندر موجود ہے۔ اس حدیث کے

راوی ابن ابی ملیکہ ہے اور وہ عائشہ سے، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، فقط اسماعیل بن عیاش کے مس کے بارے میں امام بیہقی نے کہا کہ اگر یہ شامی استاذوں سے حدیث نقل کریں تو اعتبار کیا جائیگا۔ اور اگر اہلِ حجاز سے بیان کریں تو پھر ناقابل اعتبار۔ اور یہاں اپنے استاذ جریج سے علم حاصل کیا جو کہ شامی ہیں لہٰذا قابل قبول ہوگی۔ اور ابن معین نے تو علے الاطلاق اسماعیل بن عیاش کو ثقہ کہا ہے۔

دوسری روایت ابوداؤد کی ہے۔ ایک تابعی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد نے مجھ سے بتایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قے ہوا تو آپ نے وضو کیا تھا۔ وہ تابعی دمشق کے اندر پھر ایک صحابی سے ملے تو وہاں تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ ابوداؤد نے درست کہا کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو میں نے وضو کرایا تھا۔ معلوم ہوا کہ امام مالک وشافعی رحمہم اللہ جو ربیعۃ الرائے کے عمل کو پیش کرتے ہیں وہ حدیث کے مقابلے میں غیر معتبر ہے۔

الحدیث الثانی:- قال یحییٰ: سُئِل مالك عن رجلٍ قلس طعامًا هل علیه وضوءٌ قال لیس علیه وضوءٌ ولیمضمضْ من ذالك ولیغسلْ فاه،،

ترجمہ یحییٰ نے کہا کہ مالک رح سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے کھانا قے کیا تو کیا اس پر وضو واجب ہے؟ تو امام مالک نے جواب دیا کہ نہیں اس پر وضو نہیں ہے۔ اور چاہئے کہ وہ کلی کرے اور اپنے منہ کو دھوئے،،

الحدیث الرابع:- مالك عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ حنّك ابنا لسعید ابن زید وحمله ثم دخل المسجد فصلّٰی ولم یتوضأ،،

ترجمہ امام مالک رح نے روایت کی حضرت نافع سے کہ عبداللہ بن عمر رض نے خوشبو لگایا سعید بن زید کے اوپر اور اسکو اٹھائے پھر مسجد کے اندر داخل ہوئے تو نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

حنوط:۔ کفن وغیرہ میں خوشبو لگانا اور تحنیک کہتے ہیں کھجور کو چباکر بچہ کے تالو میں ڈالنا امام مالک رح اس روایت کو لاکر بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی میت کو غسل دینا چاہے تو چاہئے کہ خود غسل کرے۔

قال یحییٰ سُئل مالکٌ هل فی القیئ وضوءٌ قال لا، ولکن لیتمضمض من ذالک ولیغسل فاہ ولیس علیه وضوءٌ

مسئلہ قے کے اندر وضوء ہے یا نہیں تو امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "لا وضوء فی القیئ ولا فی القلس"، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ، اسحاق، ابن المبارک اور ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قے ناقص وضوء ہے اور استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے جس کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے حضرت عائشہ سے مرفوعاً من اصابہ قیئ او رعاف او قلس او مذی فلینصرف ولیتوضأ ثم لیبن علی صلوتہ مالم یتکلم:

بابُ ترکِ الوُضوءِ مِمّا مَسَّتِ النّارُ

الحدیث الاول:۔ مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن عبد اللہ بن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضأ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بکری کے شانہ کا گوشت کھایا پھر نماز ادا کی اور وضوء نہیں کیا۔

توضیح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھالی اب اسکو نماز ادا کرنی ہے تو کیا پہلے والا وضو اس کو کافی ہوگا یا پھر اسکو وضوء کرنا ضروری ہے۔ یعنے مماست النار ناقض وضوء ہے یا نہیں ؟ تو اس مسئلہ میں احادیث متعارض ہیں کسی حدیث میں ہے کہ مماست النار ناقض وضوء ہے۔ اور کسی حدیث میں ہے کہ مماست النار ناقض وضوء نہیں ہے ——— اوّل بات تو یہ ہے کہ صحابہ کے ابتدائی دور میں اختلاف تھا لیکن علامہ نووی رح فرماتے ہیں کہ اب اس پر اجماع منعقد ہوچکا ہے کہ وضوء مماست النار واجب نہیں۔ اور جو حضرات وجوب کے قائل تھے وہ بعض قولی یا فعلی احادیث سے استدلال کرتے تھے مثلاً عن ابی طلحة صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه اکل ثور اقط فتوضأ منه (رواہ الطحاوی ص۵ ج۱) عن ابی ہریرۃ قال :——— قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضؤا مما غيرت النار ولو من ثور اقط (رواہ الطحاوی ص۵۱) اس طرح کی کئی روایتوں کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

لیکن جمہور ان بے شمار احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے ترک الوضوء ثابت ہوتا ہے۔ اور ان تمام کو امام مالک رح نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے۔ اب یکے بعد دیگرے ملاحظہ ہوتے رہیں گے۔

جمہور کی طرف سے قائلین وضوء کا جواب :۔ جمہور کیطرف سے ان مذکورہ بالا احادیث کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) وضوء مماست النار کا حکم منسوخ ہوچکا ہے۔ اور اس کی دلیل ابوداؤد ص۲۵ ج۱ باب فی ترک الوضوء مماست النار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، قال کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غيرت

النار"

(۲) وضوء کا حکم استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء بھی ثابت ہے اور ترک وضوء بھی، اور یہ استحباب کی شان ہے یہی قول علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

(۳) اس حدیث کے وضوء سے اصطلاحی وضوء مراد نہیں ہے بلکہ وضوء لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ منہ دھونا۔ اس کی دلیل جامع ترمذی جلد ثانی کتاب الاطعمۃ 'باب ماجاء فی التسمیۃ علی الطعام' میں حضرت عکراش بن ذویبؓ کی روایت ہے جس میں وہ ایک دعوت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں " ثم اتینا بماء فغسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ومسح ببلل کفیہ وجہہ وذراعیہ ورأسہ وقال یا عکراش ھذا الوضوء مما غیرت النار" نیز مسند بزار میں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رح فرماتے ہیں " قلت لمعاذ بن جبل ھل کنتم تتوضؤن مما غیرت النار، قال نعم، اذا اکل احدنا طعاما مما غیرت النار فغسل یدیہ وفاہ فکنا نعد ھذا وضوءا" (کشف الاستار عن زوائد البزار ص۱۵۱ ج ۱، رقم ۲۹۱)

الحدیث الثانی: مالک عن یحییٰ بن سعید عن بشیر بن یسار مولی ابن حارثۃ عن سوید بن النعمان انہ خرج مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام خیبر اذا کانوا بالصھباء وھی من ادنی خیبر نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی العصر ثم دعا بالازواد فلم یؤت الا بالسویق وامر بہ فثری فاکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واکلنا ثم قام الی المغرب فمضمض ومضمضنا ثم صلی ولم یتوضأ۔

ترجمہ حضرت بشیر بن یسار جو ابن حارثہ کے آزاد کردہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں سوید بن نعمان سے انھوں نے خبر دی کہ یہ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال، جب یہ لوگ مقام صہبا میں تھے اور یہ خیبر کی سب سے پہلی نشیبی جگہ ہے تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وہاں اترے، چنانچہ نماز عصر پڑھی پھر توشے منگوائے تو نہیں لائے گئے سوا ستو، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو ملا دینے (گھول دینے) کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ گھولا گیا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کھایا اور ہم لوگوں نے کھایا۔ پھر مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے آپؐ نے کلی کی اور ہم لوگوں نے بھی کلی کی پھر آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

مطلب اس حدیث کو لاکر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مماست النار سے وضو کا معاملہ منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ یہ حدیث ناسخ ہے اور وہ اس طور پر کہ یہ معاملہ عدم وضو کا خیبر کے موقعہ سے ۷ھ میں پیش آیا۔ اور یہ حضور کا آخری دور چل رہا ہے ——— لہٰذا عدم وضو ناسخ اور وضو والی روایت منسوخ ہوئی۔

> **الحديث الثالث:** ــ مالك عن محمد بن المنكدر وعن صفوان ابن سليم انهما اخبراه عن محمد بن ابراهيم بن الحارث التيمي عن ربيعة بن عبد الله ابن الهدير انه تعشى مع عمر بن الخطاب ثم صلى ولم يتوضأ۔

ترجمہ حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں محمد بن المنکدر اور صفوان بن سلیم سے وہ دونوں نقل کرتے ہیں محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی سے انھوں نے روایت کی ربیعہ بن عبد اللہ بن الہدیر سے کہ انھوں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

کے ہمراہ رات کا کھانا کھایا پھر نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا۔

توضیح محمد بن المنکدر کو ابن عیینہ ثقہ ملنتے ہیں یہ اصدق الناس ہیں اور ربیع بن عبداللہ، محمد بن المنکدر کے چچا ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے کھانا کھایا لیکن وضو نہیں کیا۔ اسیطرح کچھ صحابی مثلاً خلفائے راشدین اور عامر بن ربیعہ اور عبداللہ بن عمر اور ابن عباس وغیرہ کا عمل عدم وضو پر ہے۔ ہاں اختلاف فقط اونٹ کے گوشت کے بارے میں ہے۔۔۔۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھایا تو وضو واجب ہے۔۔۔۔ لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ وہاں بھی واجب نہیں ہے۔ دونوں فریق کے دلائل اپنی اپنی جگہ ہیں۔ یہاں مسئلہ بحث سے خارج ہے لہٰذا اسے چھوڑتا ہوں۔

الحدیث الرابع :۔ مالك عن ضمرة بن سعيد المازنى عن ابان بن عثمان ـــــ ان عثمان بن عفان اكل خبزاً ولحماً ثم مضمض وغسل يديه ومسح بهما وجهه ثم صلى ولم يتوضأ ،،

ترجمہ ابان بن عثمان سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، نے روٹی اور گوشت تناول فرمایا پھر کلی کی اور اپنے ہاتھ منہ کو دھویا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کا مسح کیا پھر نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا۔

الحدیث الخامس :۔ مالك انه بلغه ان على بن ابيطالب وعبد الله بن عباس كانا لا يتوضئان مما مست النار ،،

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر پہونچی کہ علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن

عباس دونوں وضو نہیں کرتے تھے ان چیزوں کے استعمال کے بعد جن کو آگ نے چھوا ہے،،

الحدیث السادس :- مالك عن يحيى بن سعيد انه سأل عبد الله بن عامر بن ربيعة عن الرجل يتوضأ للصلوٰة ثم يصيب طعاماً قد مسته النار ايتوضأ ـــــ قال : رأيت ابي يفعل ذالك ويصلي ولا يتوضأ ،،

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت یحییٰ بن سعید سے انھوں نے سوال کیا حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے ایک آدمی کے بارے میں جس نے نماز کے لئے وضو کیا پھر ایسا کھانا تناول فرمایا جس کو آگ نے چھویا ہے تو کیا وہ پھر وضو کرے گا؟ ـــــ تو عبد اللہ بن عامر نے جواب دیا کہ میں نے اپنے والد محترم کو ایسے ہی کرتے دیکھا کہ وہ کھانا کھاتے اور نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے،،

الحدیث السابع :- مالك عن ابي نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله الانصاري يقول، رأيت ابا بكر الصديق اكل لحماً ثم صلى ولم يتوضأ ،،

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ابو نعیم وہب بن کیسان سے انھوں نے سنا جابر بن عبد اللہ انصاری کو فرماتے ہوئے کہ میں نے دیکھا ابو بکر صدیق رض کو گوشت کھاتے ہوئے پھر نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا۔

الحدیث الثامن :۔ مالک عن محمد بن المنکدر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعی لطعام فقرب الیہ خبز ولحم فاکل منہ وتوضأ ثم صلے ثم اتی بفضل ذالک الطعام فاکل منہ ثم صلے ولم یتوضأ،،

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں محمد بن المنکدر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو ایک کھانے کی طرف بلایا گیا پیش کیا گیا روٹی اور گوشت، پس آپ نے اس سے تناول فرمایا، پھر وضوء کیا پھر نماز ادا کی، پھر کھانے سے بچا ہوا گوشت لایا گیا آپ نے اس سے کھایا پھر نماز ادا کی اور وضوء نہیں کیا۔

توضیح فاکل منہ ثم توضأ :۔ اس کا تعارض ہو رہا ہے " فاکل منہ ثم صلے ولم یتوضأ،، سے کیونکہ ایک ٹکڑے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے گوشت کھانے کے بعد وضوء کیا، اور دوسرے ٹکڑے سے پتہ چلتا ہے کہ بلا وضوء نماز ادا کی،،

دفع تعارض "فاکل منہ ثم توضأ ثم صلے،، اس بات پر محمول ہے کہ آپ نے وضوء لغوی کی وضوء اصطلاحی نہیں اور اس کے قائل ہم بھی ہیں، دوسرا احتمال کہ آپ بلا وضوء تھے لہٰذا کھانا کھانے کے بعد جو وضوء کیا وہ نماز کے لئے وضوء کیا، کسی دوسرے نواقض کے لاحق ہو جانے کی وجہ سے نہ کہ ما غیرت النار کے کھانے کی وجہ سے آپنے وضوء فرمایا۔

الحدیث التاسع :۔ مالک عن موسی بن عقبۃ عن عبد الرحمٰن بن زید الانصاری ان انس بن مالک قدم من العراق فدخل علیہ ابو طلحۃ و ابی بن کعب فقرب لہما طعاما قد مستہ النار فاکلوا منہ فقام انس فتوضأ فقال ابو طلحۃ و ابی بن کعب ما ھذا

یا انس اعراقیة فقال انس لیتنی لم افعل و قام ابو طلحه و ابی بن کعب فصلیا و لم یتوضأ

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن زید انصاری سے مروی ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ عراق سے تشریف لائے، چنانچہ ان کے پاس ابوطلحہ اور ابی بن کعب تشریف لائے، چنانچہ انھوں نے ان دونوں کے سامنے کھانا پیش کیا ایسا جس کو آگ نے چھوا ہے، پس ان لوگوں نے اس سے نوش فرمایا۔ حضرت انس کھڑے ہوئے، پھر وضور کیا تو ابوطلحہ اور ابی بن کعب نے کہا، اے انس یہ تم نے کیا کیا، کیا یہ عراقی خصلت ہے (جس سے اہل عراق فائدہ اٹھاتے ہیں) تو انس رضہ نے کہا کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا، اور ابو طلحہ اور ابی بن کعب کھڑے ہوئے ان دونوں نے نماز ادا کی اور وضور نہیں کیا۔

تشریح ان تمام مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ مما مست النار سے وضور واجب نہیں ہوتا۔

موسی بن عقبة :۔ امام المغازی ہیں، لوگوں نے کچھ کلام کیا ہے لیکن یہ حقیقتاً ثقہ ہیں۔ (قال البخاری، علیکم بالامام الصالح موسی بن عقبة ")

فدخل علیہ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی سفر سے آئے تو ان سے ملاقات کے لئے جانا مستحب ہے۔ اور آنے والے کو بھی یہ سوچنا چاہئے کہ کچھ تحفے، تحائف سے دوستوں احبابوں کو نوازیں۔

فقال انس لیتنی ،، اس جملہ سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضہ نے اس قول کی طرف رجوع کر لیا۔

قصہ حدیث :۔ ان لوگوں نے کھانے میں گوشت اور روٹی نوش فرمایا۔ پھر وضور کے لئے پانی منگایا حضرت انس رضہ نے تو ان دونوں ساتھیوں نے کہا کیوں وضور کر رہے ہو؟ حضرت انس نے کہا اس کھانے کی وجہ سے میں وضور کر رہا ہوں تو ان دونوں احباب نے کہا کہ ہم لوگ

پاکیزہ چیز کے استعمال کے بعد وضو نہیں کرتے۔

"واللہ اعلم بالصواب"

باب جامع الوضوء

الحدیث الاول :- مالک عن هشام بن عروة عن ابیه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن الاستطابة فقال اولا يجد احدكم ثلثة احجار"

ترجمہ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے پاکی حاصل کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کوئی تین پتھر نہیں پاتا ہے۔

تشریح یہاں تین پتھر کی جو قید لگائی گئی ہے وہ اس بنیاد پر کہ عام طور سے تین پتھروں سے صفائی ہو جاتی ہے ورنہ تنقیہ واجب ہے۔ اگرچہ پانچ پتھر کیوں نہ لگ جائے، اعداد احجار شرط نہیں ہے۔

الحدیث الثانی :- مالک عن العلاء بن عبد الرحمن عن ابیه عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج الى المقبرة فقال السلام عليكم دار قوم مومنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون وددت انی قد رأيت اخواننا قالوا يا رسول الله السنا باخوانك

قال بل انتم اصحابی و اخواننا الذین لم یاتوا بعد و انا فرطهم علی
الحوض فقالوا یا رسول اللہ کیف تعرف من یاتی بعدک من امتک قال ارأیت
لو کان لرجل خیل غر محجلۃ فی خیل دھم بھم الا یعرف خیلہ
قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال فانہم یاتون یوم القیامۃ غرا محجلین
من الوضوء و انا فرطهم علی الحوض فلا یذادن رجل عن حوضی کما
یذاد البعیر الضال فاناد یہم الا ھلم الا ھلم الا ھلم فیقال انہم
قد بدلوا بعدک فاقول فسحقا فسحقا فسحقا۔

ترجمہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کیجانب نکلے۔ آپ نے فرمایا السلام علیکم دار قوم مومنین (سلامتی ہو تم پر اے مومن کے گھر والے) اور ہم تم سے ملنے والے ہیں انشاء اللہ، اور میں تمنا کرتا ہوں کہ میں دیکھوں اپنے بھائیوں کو تو صحابۂ کرام نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم لوگ آپ کے بھائی نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا۔ تم تو میرے صحابی ہو، اور ہمارے بھائی وہ لوگ ہیں جو نہیں آئے ہیں اب تک اور میں اپنے حوض پر ان کا پیش رو ہونگا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو آپ کی امت بعد میں آئے گی۔ آپ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر آدمی کے پاس ایک چمکدار سفید پیشانی والا گھوڑا ہو چتکبرے گھوڑے میں تو کیا اس کا مالک اپنے گھوڑے کو نہیں پہچانے گا تو صحابہ کرام نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا یقیناً وہ لوگ قیامت کے دن وضو کیوجہ سے غر محجلۃ بن کر آئیں گے، اور میں ان لوگوں کا حوض پر پیشرو رہوں گا۔ نہیں دھکا دیا جائیگا میرے حوض سے کوئی بھی آدمی جیسے دھکا دیا جاتا ہے گمشدہ اونٹ، میں ان لوگوں کو آواز دوں گا۔ کہ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ تو کہا جائیگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جس نے آپکے بعد دین کے احکام کو تبدیل کر دیا تو میں اس کو اس پر کہوں گا کہ ہلاکت ہو

ہلاکت ہو، ہلاکت ہو۔

توضیح

"المقبرۃ"، تینوں اعراب درست ہے لیکن کسرہ قلیل الاستعمال ہے
یہ روایت خروج الی القبرستان کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردہ سنتے ہیں کیونکہ کان، خطا کے لئے استعمال کیا گیا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں میت کے روح کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ سماع موتیٰ

یہ مسئلہ کہ مردے زندوں کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟ ان مسائل میں سے ہے جن میں جو صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتیٰ کے قائل تھے، اور حضرت ام المومنین عائشہ رضؓ اس کی نفی کرتی تھیں، اسی لئے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے، بعض نفی کے قائل اور بعض اثبات کے قائل ہیں۔ نیز ائمہ مجتہدین سے بھی اختلاف منقول ہے، امام شافعی رحؒ اور امام مالکؒ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ مردے سنتے ہیں، علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہی اکثر علماء اسلام کا مذہب ہے۔

دلائل

(۱) حضرت انس رضؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس ہوتے ہیں تو انہ لیسمع قرع نعالھم وہ مردہ ان کی جوتیوں کی آوازیں سنتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۲) بخاری شریف کی حدیث ہے کہ جب کفار قریش جنگ بدر میں مارے گئے اور ان کی لاشیں بدر کے خبیث کنویں میں ڈال دی گئیں تو تیسرے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب فرمایا "فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا الخ"، کہ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ حق پایا۔ تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچ پایا۔ اس پر حضرت عمرؓ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "ما انتم باسمع لما اقول منھم"، جو کچھ ان لاشوں سے میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ یعنی یہ لوگ بھی اسی طرح میری باتیں سن رہے ہیں جیسے تم سن رہے ہو۔

(۳) ان احادیث کے علاوہ وہ احادیث جو زیارت قبور کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کیطرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور استدلال میں آیت کریمہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ (۱) انك لاتسمع الموتی، (سورۃ النمل) (۲) فانك لاتسمع الموتی،، (۳) وما انت بسمع من فی القبور (سورۃ فاطر) آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

تطبیق و تحقیق امام اعظم سے سماع موتیٰ کا انکار ثابت نہیں ہے۔ صرف ایک مسئلہ سے قیاس کیا گیا ہے جو فتح القدیر میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا۔ اب اس آدمی کے انتقال کے بعد قبر کے پاس جاکر اگر کلام کیا تو حانث ہوجائے گا یا نہیں؟ تو امام اعظم کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔ ——— بس اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ امام صاحب سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔ حالانکہ قسم کا معاملہ عرف پر معمول ہوتا ہے۔

(۲) مذکورہ تینوں آیتوں میں اگر غور کیا جائے تو سماع موتیٰ کی نفی بالکل نہیں ہے بلکہ اسماع موتیٰ کی نفی ہے جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ ہم باختیار خود مُردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں لیکن مردے نہیں سن سکتے ہیں آیت سے بالکل ثابت نہیں ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کو طاقت نہیں ہے کہ اپنا کلام جب چاہے جو چاہے مردوں کو سنا سکے البتہ حق تعالیٰ قادر مطلق ہے جو چیز ہماری سنانا چاہیں سنا دیتے ہیں، پس جہاں نصوص احادیث موجود ہیں وہ مردہ کو حق تعالیٰ زندگی ڈالکر سنا دیتے ہیں، جیساکہ حضرت قتادہ کا قول شاہد ہے۔ نیز قول وغیرہ کی حدیث اسیطرح قبرستان میں جاکر سلام کے متعلق احادیث ہیں۔ لیکن جن چیزوں کے متعلق نصوص احادیث نہیں ہیں ان چیزوں کے متعلق محض قیاس کر کے سماع کے تحت لانا غلط عبارت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں ہمارا کلام سن لیں اور دوسرے وقت میں نہ سن سکیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو

سنیں اور بعض کے کلام کو نہ سنیں۔ یا بعض مردے سنیں اور بعض نہ سنیں۔ صرف مشیت ایزدی پر موقوف ہے۔ ''واللہ اعلم''

(بحوالہ نصر الباری شرح البخاری ص۳۴، ۳۵)

دار:۔ اس سے پہلے مضاف ''اہل'' محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے ''اہل دار قوم مومنین''

انا انشاء اللہ:۔ یہ تعلیق کے لئے ہے اور فوت امر متیقن ہے تو پھر تعلیق کے لئے کیسے بنا
جواب ''کبھی تحقیق کے لئے آتا ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ تعلیق کے لئے نہیں ہے بلکہ تبرک کے لئے ہے

السنا باخوانک:۔ آپ کے جواب پر صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تم میرے بھائی ہی نہیں بلکہ میرے اصحاب ہو۔ یہاں پر ''بل'' کا لفظ استعمال کر رہے ہیں اور اسکو مقام مدح میں استعمال کر رہے ہیں۔ لہٰذا بعد والا جملہ پہلے والے جملے سے اعلیٰ وارفع ہونا چاہیئے۔ لہٰذا معنے ہوا کہ تم میرے بھائی ہی نہیں بلکہ تم تو اصحاب ہو۔''

دھم بھم:۔ دھم ادھم کی جمع ہے بمعنے سیاہ، اور بہم بہیم کی جمع ہے بمعنے سیاہ چتکبر گھوڑا۔

غرّ المحجلۃ '' یہ سیما اور امتیازی علامت ہے۔ امت محمدیہ کی جسے دیکھتے ہوئے پہچان لیا جائے گا کہ یہ فلاں صفت کے حامل ہیں، انگلش زبان میں اس کو یونیفارم کہتے ہیں میدان حشر میں ان امت کے یونیفارم دو چیز ہوں گے جن کو دیکھتے ہی اہل محشر پہچان جائیں گے کہ یہ امت محمدیہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت قیامت کے دن روشن چہرہ والی ہوگی سجدوں کی وجہ سے۔ یعنے انکی پیشانی سجدہ کی وجہ سے خوب چمکتی ہوگی، جیسے گھوڑے کی پیشانی کے اوپر سفید بال ہوتے ہیں تو وہ روشن دار اور آبدار معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا یونیفارم! محجلین من الوضوء، وضوء کے اثرات سے ان کے اعضاء سفید اور چمکدار ہوں گے، اور محجل گھوڑے اس گھوڑے کو کہتے ہیں جسکے چاروں پیر گھٹنے سے نیچے

سفید ہوں، تو اسیطرح یوم القیامتہ میں امت محمدیہ کے بھی گھٹنے کے نیچے سے پیر تک اور دونوں ہاتھوں کے کہنیوں تک محجل ہوگا۔ اگر سر کا مسح کیا ہوگا، کان کا مسح کیا ہوگا تو وہ بھی محجل ہوں گے۔

الحدیث الثالث " مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن حمران مولى عثمان بن عفان، ان عثمان بن عفان جلس علے المقاعد فجاء المؤذن فاذنه بصلوة العصر فدعا بماء فتوضأ ثم قال والله لاحدثنكم حديثا۔ لولا انه اية فى كتاب الله ماحدثتكوه ثم قال سمعت رسول الله صلے الله عليه وسلم يقول، مامن امرئ يتوضاء فيحسن وضوءه ثم يصلے الصلوة الاغفر له مابينه وبين الصلوة الاخرى حتے يصليها، ـــــ قال يحيے قال مالك اراه اريد هٰذه الاية " أَقِمِ الصَّلوٰةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السيئات "

ترجمہ حضرت حمران مولیٰ عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان چبوترہ پر بیٹھے، چنانچہ مؤذن آیا اور صلوٰۃ عصر کی اطلاع دی، پھر پانی لایا اور وضوء کیا پھر فرمایا۔ خدا کی قسم میں یقیناً تم سے بیان کروں گا ایک حدیث اگر اس کا معنیٰ کتاب اللہ میں نہ ہوتا تو میں تم سے وہ حدیث نہیں بیان کرتا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اپنے وضوء عمدہ طریقے پر کرے پھر نماز پڑھے۔ مگر یہ کہ مغفرت کردی جائے گی ان گناہوں کی جو اس نماز سے لیکر دوسری نماز کے درمیان تک صادر ہوا ہے۔ حضرت یحیےٰ نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا اس سے میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے

اس آیت کو مراد لیا ہے "اَقِمِ الصلوٰۃَ طرفی النھار الخ" یعنی نماز قائم کرو دن کے دونوں حصے میں اور رات کی گھٹاٹوپ تاریکی میں بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

توضیح "تحقیق المقاعد ومسئلۂ تثویب"

المقاعد :- چبوترہ۔ یہ حضرت عثمان کے دروازہ کے سامنے تھا۔ جس پر وہ بیٹھتے اور اسی پر مقدمات شرعیہ کی سماعت فرماتے تھے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ چبوترہ مسجد نبوی کے قریب ہے۔ اب بظاہر دونوں میں تعارض ہوگا۔

جواب دے رہے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ عثمان بن عفان کا مکان بھی مسجد نبوی کے قریب ہے۔ اور مسجد نبوی کے قریب وہ چبوترہ تھا لہذا اقرب مکان کے اعتبار سے دونوں کی جانب منسوب کیا ہے۔ یہ چبوترہ مسجد نبوی کے باب جبرئیل پر ہے۔

فاذنہ بصلوٰۃ العصر :- یہاں سے تثویب کا مسئلہ ہے۔ عام لوگوں کے لئے مکروہ ہے لیکن جو احکام شرعیہ اور مسلمانوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے کام میں مشغول ہوں تو اس کے لئے درست ہے۔ نفس تثویب کو اکثر علماء نے بدعت اور مکروہ کہا ہے، اس لئے کہ تثویب عہد رسالت میں ثابت نہیں لیکن اگر ضرورت کی بناء پر اس کو سنت اور عبادت سمجھے بغیر اختیار کیا جائے تو مباح ہے۔

واللہ لاحدثنکم :- اس کے اندر تاکید در تاکید جو استعمال کیا گیا ہے وہ فقط لوگوں کو غور سے سن لینے کیلئے کہ یہ حدیث قرآنی آیت کی تفسیر ہے لہذا غور سے سنو اور محفوظ رکھو۔

ما من امرءٍ :- من زائدہ ہے اور امرء کے اندر تعمیم ہے اس لاحدثنکم کے اندر تاکید بڑھانے کے لئے یہاں لائے ہیں۔

ما بین :- اسکے اندر ما عموم کے لئے ہے جو کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ تمام کو شامل ہو حالانکہ نیکیوں کے ذریعے سے صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتا ہے اور کبیرہ تو توبہ سے معاف ہوتا ہے تو اس وقت کہا جائیگا کہ یہاں عموم نہیں ہے تاکہ دوسرے نصوص میں تعارض واقع نہ ہو۔

طرفی النهار :۔ یہاں مغرب اور فجر مراد ہیں اور زلفًا سے مراد عشاء ہے لہٰذا پانچوں نماز کا تعلق قرآن و سنت سے ہے ۔

آیت کا شانِ نزول

ایک عورت ایک صحابی کے پاس کھجور لینے کے لئے گئی تو انھوں نے کہا کہ اندر ابھی کھجور ہے جب وہ اندر گئی تو اس عورت کو پکڑ کر مرد نے بوسہ لے لیا تو اس عورت نے کہا "اتق اللہ"، وہ گھبرا گیا اور چہرہ متغیر ہوگیا۔ وہ دوڑا ہوا حضورؐ کی خدمت میں آیا اور حضور سے دریافت گیا۔ یارسول اللہ میں تو ہلاک ہو گیا تو اس پر آپ خاموش رہے پھر نماز کا وقت ہوا تو آپ نے نماز ادا کی پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ جو بھی گناہ صغیرہ کرے تو نمازوں کے پڑھ لینے سے گناہ ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اگر صغیرہ کو ہلکا سمجھ کر بار بار کیا جائے تو وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے آنکھ مچولی دو دیگر صغائر کے لئے راستہ نہ نکالیں ۔

الحدیث الرابع :۔ مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن عبداللہ الصنابحی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال " اذا توضأ العبد المومن فمضمض خرجت الخطایا من فیہ فاذا استنثر خرجت الخطایا من انفہ فاذا غسل وجہہ خرجت الخطایا من وجہہ حتی تخرج من تحت اشفار عینیہ فاذا غسل یدیہ خرجت الخطایا من یدیہ حتی تخرج من تحت اظفار یدیہ فاذا مسح براسہ خرجت الخطایا من راسہ حتی تخرج من اذنیہ فاذا غسل رجلیہ خرجت الخطایا من رجلیہ حتی تخرج من اظفار رجلیہ قال ثم کان مشیہ الی المسجد وصلوٰتہ نافلۃ لہ "

ترجمہ حضرت عبد اللہ صنابحی رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندۂ مؤمن وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام خطائیں جو اس کے منہ سے ہوتی ہیں نکل جاتی ہیں۔ جب ناک جھاڑتا ہے تو وہ تمام گناہ جو اسکے ناک سے ہوئے ہے نکل جاتے ہیں۔ جب چہرہ دھوتا ہے تو تمام گناہ اس کے چہرے سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے آنکھوں کے پلکوں کے نیچے سے بھی تمام گناہ نکل جاتے ہیں، جب اپنے ہاتھ کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اسکے سر سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی، جب اپنے پاؤں کو دھوتا ہے تو گناہ اس کے پاؤں سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں سے بھی،، پھر فرمایا کہ اس کا چل کر مسجد میں آجانا اور نماز پڑھنا اس کے لئے زائد ہے۔

مسئلہ الاذنان من الراس

عبد اللہ بن الصنابحی: یہ قبیلہ صنابح کے رہنے والے ہیں، اور یہ صحابی ہیں اور دوسرا ابو عبد اللہ صنابحی ہیں اور نام عبد الرحمن ہے اور تیسرا بغیر نسبت کے ہی ان کا نام صنابح ہے۔ اب روایت کرنے والوں کو وہم ہوتا ہے اور اس نام "صنابح،، کو صنابحی سے ذکر کر دیتا ہے۔ ——— تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ تینوں آدمی الگ الگ ہیں۔ صنابح یہ بھی صنابحی ہیں اور عبد اللہ صنابحی تابعی ہیں۔ یہ حضورؐ سے ملاقات کیلئے جا رہے تھے لیکن راستے میں تھے تو مدینہ منورہ کے اندر حضورؐ کا انتقال ہوگیا اور شرف لقار سے یہ محروم ہو گئے۔

اس حدیث کی سند میں ابو عبد اللہ صنابحی ہیں۔ اور امام مالکؒ نے وہم کی بنیاد پر عبد اللہ صنابحی کہدیا، امام بخاری، امام زہری، اور دیگر یعنے یعقوب بن مدینی، یحیٰ بن معین علی بن مدینی، فرماتے ہیں کہ عبد اللہ صنابحی نام کا کوئی راوی ہی نہیں ہے۔

لیکن حافظ بن حجرؒ نے اس پر نقد کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو وہم ہے کہ عبد اللہ کوئی

نہیں۔ ــــــ حالانکہ اس کی لقا ثابت ہے حضور سے۔ ان سے تقریب التہذیب میں تین روایات مذکور ہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ یہ تین حضرات ہیں ان میں سے ابوعبداللہ تابعی ہیں۔ اور بقیہ صحابی ہیں۔ اور صنابح قبیلہ کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں۔

فاذا مسح براسہ" الی "حتی تخرج من اذنیہ :۔ اس عبارت سے مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی نے اپنے سر کا مسح کیا تو اس سے گناہ مٹے گا یہاں تک کہ اس کی برکت سے کان کے گناہ بھی مٹ جائیں گے۔

یہ اختلافی مسئلہ کیطرف اشارہ ہے کہ آیا کان سر میں داخل ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی دو جماعت ہے۔

جماعت اولی: ــــ امام اعظم ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ "الاذنان من الراس" یعنی کان کے مسح کرنے کے لئے جدید پانی واجب نہیں ہے بلکہ سر کے مسح کے بعد ہاتھ میں جو تری ہے وہی کافی ہے۔

جماعت ثانیہ: ــــ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک کانوں کے مسح کے لئے جدید پانی لینا ضروری ہے۔

دلائل احناف :۔ (۱) نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا "الاذنان من الراس" کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد احکام کے لئے تشریف لائے ہیں نہ کہ خلقت بتانے کے لئے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کان سر کے حکم میں ہے لھٰذا سر کے مسح کی تری کان کے مسح کے لئے کافی ہوگی، اور اس حدیث کے متعلق ابن دقیق العید شافعی فرماتے ہیں "الحدیث حسن"۔

(۲) ترجمۃ الباب کی حدیث "عن عبد اللہ بن الصنابحی فاذا مسح براسہ خرجت الخطایا من راسہ حتی تخرج من اذنیہ"۔ ــ (رواہ مالک والنسائی / مشکوۃ ص۳۹ ج ۱)

دلیل اول پر شبہ "قال حماد لا ادری الاذنان من الراس من قول ابی امامۃ ام من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ ــــــ (مشکوۃ ص۴۷ ج۱)

جواب (۱) حماد کا عدم علم دوسروں پر حجت نہیں ہو سکتا جبکہ متعدد قوی طرق سے

مرفوع ہونا ثابت ہوچکا ہے۔ —— چنانچہ ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے "قال —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاذنان من الراس"۔

جواب (۲) یہ روایت ابو امامہ کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، عبداللہ بن زید رضؓ، ابوہریرہ رضؓ، ابو موسٰی اشعریؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن عمر رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ ان صحابہ سے بھی متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

جواب (۳) اثر موقوف بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ غیر مدرک بالقیاس مسئلے میں صحابی کا قول حکماً مرفوع ہوتا ہے۔

مالکیہ، شوافع کی دلیل اول:۔ کان مستقل عضو ہے لہٰذا پانی مستقل ہونا چاہئے

دلیل دوم:۔ ابن عمر رضؓ سے جدید پانی لینا ثابت ہے بلفظ یہ ہیں، "انہ کان اذا توضأ یاخذ الماء باصبعیہ لاذنیہ" —— (رواہ مالک، البیہقی)

جواب من جانب حنفیہ (۱) نص کے مقابلہ میں قیاس معتبر نہیں۔ (۲) حضور شریعت کو بتلانے کے لئے آئے ہیں کوئی خلقت بیان کرنے کے لئے نہیں آئے۔

جواب دلیل ثانی (۱) ممکن ہے کہ تری کے خشک ہوجانے کی وجہ سے نیا پانی لئے ہوں، (۲) دلائل مذکورہ کے قرینے سے اس روایت سے نفس جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ وجوب بھی اور جواز کے ہم بھی قائل ہیں۔ حالانکہ کلام وجوب میں ہے جو ثابت نہیں ہوا۔

نافلۃ:۔ مطلب یہ ہے کہ سارے گناہ تو جھڑ گئے مگر جب مسجد کی طرف چل کر نماز پڑھے گا تو اسکو مزید ثواب ملے گا اور رفع درجات کا باعث ہوگا۔

الحدیث الخامس:۔ مالک عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضأ العبد المسلم او المومن فغسل وجہہ خرجت من

وجهه کل خطیئة نظر الیھا بعینیه مع الماء او مع اٰخر قطر الماء او نحو ھذا فاذا اغسل یدیه خرجت من یدیه کل خطیئة بطشتھا یدیه مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب ،،

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندۂ مؤمن یا بندۂ مسلم وضوء کرتا ہے تو اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے گناہ نکل جاتا ہے، وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جس کی طرف انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ یا اسی جیسے اپنے ہاتھ کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھ سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جس کو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے پکڑا، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، یہاں تک کہ وہ گناہ سے بالکل صاف شفاف ہو جاتا ہے۔

اَلحَدِیثُ السَّادِسُ :- مالك عن اسحاق بن عبد الله ابن ابی طلحة عن انس بن مالك انه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وحانت صلوٰة العصر فالتمس الناس وضوءً فلم یجدوه، فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بوضوءٍ فی اناءٍ فوضع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ذالك الاناء یده ثم امر الناس یتوضئون منه قال انس فرایت الماء ینبع من تحت اصابعه فتوضأ الناس حتی توضؤ من اٰخرھم ،،

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حال اینکہ وقت عصر قریب ہوگیا تھا لوگوں نے وضوء کے پانی کو تلاش کرنا شروع کردیا وہ لوگ پانی نہیں پاسکے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن میں پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا پھر حکم دیا لوگوں کو کہ وہ وضوء کریں اس سے حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا پانی کو کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے انگلیوں کے نیچے سے چشمہ کی طرح ابل رہا تھا لوگوں نے اس سے وضوء کیا یہاں تک کہ وضوء کرلیا ان میں سے وہ لوگ جو اخیر میں تھے "

تحقیق نبع الماء من اصابعہ

اسحاق بن عبد اللہ حضرت انس رضؓ کے سوتیلے بھتیجے ہیں یہ واقعہ سفر کا ہے لیکن کس مقام پر واقع ہوا تو اس کے بارے میں حضرت انسؓ کے دوسرے شاگرد قتادہ اپنی روایت میں صراحت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ جب رونما ہوا تو یہ لوگ مقام زدرا میں تھے لوگوں کی تعداد ستر یا اسی کے قریب تھی حضرت قتادہ کے سامنے جب حضرت انس رضؓ نے اس حدیث کو ذکر کیا تو اس وقت حضرت قتادہ نے کہا کہ آپ لوگوں کی تعداد اس وقت کتنی تھی؟ تو حضرت انسؓ نے کہا تین سو کی تعداد، اور حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ ستر یا اسی، تو اب دونوں میں تعارض ہوا۔ تو علامہ عبد البر اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ واقعہ تعدد واقعہ پر محمول ہے، ایک سفر میں تو ستر آدمی اور دوسرے سفر کے اندر تین سو تھے، لھٰذا تعارض نہ ہوگا۔

ینبع من تحت اصابعہ :۔ یہاں دو احتمال ہے ۔ اول یہ کہ آپ کی انگلیوں سے چشمہ ابل رہا ہے یہی قول حافظ ابن حجر اور ابن عبد البر وغیرہ کا ہے، اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ نفس ماء کے اندر زیادتی ہوگئی ہاتھ کی انگلیوں کے ڈالنے سے۔

بخاری شریف کے اندر پانچ سندوں سے روایت مروی ہے اور مسند احمد میں بھی

پانچ سندوں سے مروی ہے، اور حسن صحیح ہے اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ جو اس معجزے کا انکار کرے گا وہ بدعتی شمار ہوگا۔

الحديث السابع :- مالك عن نعيم بن عبد الله المجمر انه سمع ابا هريرة يقول من توضأ فاحسن وضوءه ثم خرج عامدًا الى الصلوة فانه فى صلوة ما كان يعمد الى الصلوة وانه يكتب له باحدى خطوتيه حسنة ويمحى عنه بالاخرى سيئة فاذا سمع احدكم الاقامة فلا يسع فان اعظمكم اجرًا ابعدكم دارًا قالوا لم يا ابا هريرة قال من اجل كثرة الخطا۔

ترجمہ حضرت نعیم بن عبد اللہ المجمر سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رض کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر وہ قصدًا نماز کے لئے نکلا تو وہ نماز کے اندر ہوتا ہے جس وقت سے نماز کا ارادہ کرتا ہے، اور لکھا جاتا ہے اس کے لئے دونوں قدموں میں سے ایک کے ذریعہ نیکی اور مٹایا جاتا ہے اس سے دوسرے قدم کے ذریعہ سے گناہ کو، پس تم میں سے جب کوئی سنے اقامت کو تو چاہئے کہ نہ دوڑے اس لئے کہ تم میں سے سب سے بڑا اجر کے اعتبار سے وہ ہے جس کا گھر دور ہو، تو شاگردوں نے اعتراض کیا کہ ایسا کیوں؟ اے ابوہریرہ رض تو فرمایا کہ کثرت خطار سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے۔

تشریح مجمر :- خوشبو کی دھونی دینے والا، نعیم بن عبد اللہ مسجد نبوی کو دھونی دیا کرتے تھے، اس جگہ عبد اللہ کی جانب مجمر کا انتساب حقیقی ہے اور نعیم کی جانب مجازی، لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ دونوں درست ہے کیونکہ دونوں دھونی دیا کرتے تھے۔

یہ حدیث مرسل ہے لفظاً، اور مرفوع ہے معناً، کیونکہ راوی اگر کسی عمل ثواب کی تعیین کو بتاتے ہیں تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ یہ سنکر بیان کر رہے ہوں گے۔

الحدیث الثامن: ۔ مالك عن یحییٰ بن سعید انه سمع سعید بن المسیب یسأل عن الوضوء من الغائط بالماء فقال سعید انما ذالك وضوء النساء ،،

ترجمہ حضرت یحییٰ ابن سعید سے مروی ہے کہ انہوں نے سعید بن مسیب سے سنا کہ ان سے سوال کیا گیا وضوء کے سلسلے میں پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد، تو سعید نے کہا کہ وہ عورتوں کا وضوء ہے۔

تحقیق (الطهارة من الغائط بالماء) حضرت سعید بن مسیب رح کے یہاں صرف عورت ہی پانی سے طہارت حاصل کرتی ہے، مرد کو قضائے حاجت کے بعد پانی سے طہارت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے اندر دو احتمال ہے، ——— اوّل یہ کہ پانی کا استعمال عورتوں کا کام ہے۔ اور مٹی استعمال کرنا مردوں کے لئے ہے۔ ——— دوسرا احتمال یہ کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے تذلیل کرنا ہے کہ پانی تو عورت استعمال کرتی ہے۔ اس قول کو کسی نے نہیں لیا ہے۔ یہاں تک کہ امام مالک رح جو راوی حدیث ہیں انھوں نے بھی اس پر عمل نہیں کیا۔ اور جمہور تو ہزاروں کوس اس سے دوری اختیار کئے ہیں۔

الحدیث التاسع: ۔ مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة رضؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال

اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات "

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی لے تو چاہیئے کہ اس کو سات مرتبہ دھولے "

مسئلہ سؤر الکلب

کتے کے جھوٹے کے بارے میں تین مسئلے اختلافی ہیں۔

(۱) کتا کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک، امام مالک تنہا فرماتے ہیں کہ وہ پاک ہے۔ باقی تمام ائمہ فرماتے ہیں کہ ناپاک ہے، امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ کتا کا جھوٹا جو مظروف ہے وہ بھی پاک ہے لٰہذا استعمال کرو "

(۲) اگر کتا برتن میں منہ ڈالدے تو اسکی تطہیر کے لئے اسکو دھونا ضروری ہے یا نہیں تو تمام علمار کا اتفاق ہے کہ دھونا ضروری ہے ——— اب کتنی بار دھونا ضروری ہے تو اس کے اندر فقہار کرام کا اختلاف ہوا۔

ائمہ ثلثہ فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

اب تسبیع واجب ہے یا نہیں، تو امام اعظم رحمۃ اللہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ تسبیع واجب نہیں ہے بلکہ یہ حکم منسوخ ہوچکا ہے۔ علامہ ابن ہمام رح لکھتے ہیں کہ تسبیع مستحب ہے امام اعظم کے نزدیک "

(۳) اب مٹی سے برتن مانجھنا واجب ہے یا نہیں، تو دو امام کہتے ہیں کہ واجب ہے اور دو امام کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے۔

امام مالک اور امام اعظم رح فرماتے ہیں کہ واجب نہیں ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رح فرماتے ہیں کہ اکمرتبہ تتریب واجب ہے پھر ان دونوں

کے درمیان اختلاف ہوا کہ تتریب تسبیع کے ضمن میں ہے یا نہیں ، آیا تتریب الگ ہے اور تسبیع الگ ، ــــــ تو امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ تسبیع کے ضمن میں تتریب داخل ہے ۔ امام احمد رح فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونے کے بعد آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھنا واجب ہے ۔ دوسرے مسلک کے دلائل و جوابات ۔

جماعت اولیٰ کی دلیل یعنے جمہور کی دلیل ہے ــــــ (۱) ترجمۃ الباب کی حدیث ہے "عن ابی ھریرۃ مرفوعاً" ، اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات"

(۲) یغسل الاناء اذا ولغ فیہ الکلب سبع مرات" ، "وَلَغَ" ، باب فتح سے ولوغ کے معنے ہیں کتے کا کسی مائع چیز میں منہ ڈال کر زبان کو حرکت دینا ، چاہے پئے یا نہ پئے ، اور اس کے کھانے کے لئے "لحس" ، اور خالی برتن کو چاٹنے کے لئے "لعق" ، کے لفظ مستعمل ہیں یہاں ولوغ سے مراد مطلق منہ ڈالنا ہے جس میں "لحس" ، اور "لعق" ، بھی شامل ہیں ۔

جماعت ثانیہ کی دلیل یعنے حنفیہ کی دلیل یہ ــــــ (۱) ابوہریرہ کی حدیث مرفوع ، اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھریقہ ولیغسلہ ثلث مرات

(رواہ دارقطنی وابن عدی فی کاملہ)

(۲) ابوہریرہ رض سے موقوفاً مروی ہے انہٗ کان اذا ولغ الکلب فی الاناء اھرقہٗ وغسلہٗ ثلاث مرات" (رواہ دارقطنی)

جواب دلائل جمہور منجانب احناف ، ــــــ (۱) دلائل و روایات مذکورہ بالا کیساتھ تطبیق کی صورت یہی ہے کہ تین مرتبہ دھونا واجب اور سات مرتبہ دھونا مستحب ہے ۔

(۲) یہ حدیث ابتدا پر محمول ہے جبکہ دلوں میں نفرت بٹھانے کے لئے کتوں کے قتل کرنے کا بھی حکم تھا ۔ پھر جب اس حکم میں تخفیف ہو گئی تو اس حکم میں بھی تخفیف ہو گئی ۔ وجہ یہ ہے کہ شروع میں یہود سے میل ملاپ کی بنا پر کتوں کے ساتھ شدید ملابست تھی اس لئے دلوں میں کتوں کی نفرت بٹھانے کے یہ تشدیدی حکم دیا گیا کہ سات مرتبہ دھونا ضروری ہے لیکن

پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود راوی حدیث یعنے ابوہریرہ کا فعل تثلیث (جو اور یہ صحیح سند کے ساتھ نقل ہوا ہے) دلیل نسخ ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ راوی صحابی کا عمل جب اس کی اپنی روایت کیخلاف ہو تو وہ اس روایت کے منسوخ یا مؤول ہونے کی علامت ہوتا ہے۔

جواب (۳) :۔ سؤر کلب میں زہریلے اثرات ہوتے ہیں تو تسبیع کا حکم طبًا اور تثلیث کا حکم شرعًا ہے۔

تیسرا مسئلہ اولھن بالتراب کے جواب ہیں :۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک تتریب واجب یعنی سور کلب والے برتن کو دھونے کے وقت مٹی کا استعمال کرنا واجب ہے، لیکن ابوحنیفہ، اور مالک کے نزدیک یہ صرف مستحب ہے، یا طبی مصلحت پر محمول ہے، کیونکہ ابن رشد نے ____ بدایۃ المنتہیٰ میں لکھا ہے کہ کتا ہڑک ہوسکتا ہے اور اگر وہ منہ ڈال دے تو اس کے زہریلے جراثیم برتن میں چلے آتے ہیں جسکو کوئی بھی نہیں مار سکتا۔ اس کی ایک دوا ہے ،، نوصادر،، وہی مار سکتی ہے یہ نوصادر مٹی کے اندر ہے لہذا ایک مرتبہ مٹی سے اس کو مانجھ دو تاکہ جراثیم کو ختم کر دے۔

الحدیث العاشر :۔ مالك انهٗ بلغهٗ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال استقیموا ولن تحصوا اعملوا وخیر اعمالکم الصلوٰة ولا یحافظ علی الوضوء الا مؤمن ،،

ترجمہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شریعت کے اندر جو قانون مقرر کیا گیا ہے اس میں ٹھہرے رہو، اور تم اس کا ہرگز استحصار نہیں کرسکتے (اس کے بعد فرمایا) اور جان لو، اور تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے۔ اور وضو پر محافظت نہیں کرتے مگر بندہ مؤمن ہی ،،

تشریح

الصلوٰۃ خیر الاعمال :- علامہ ابن عبد البر مالکی رح نے امام مالک کی تمام بلاغیات کو ذکر کیا ہے اور اس کو مستند قرار دیا ہے۔

استقیموا :- یعنے حق کے حقوق مثلاً حدود کی رعایت اور محافظت کرتے رہو۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے "ولن تحصوا" فرمایا تو اس کے بعد صحابہ نے مایوسی کا اظہار فرمایا۔ تو آپؐ نے فرمایا ـــــ "لا تقنطوا من رحمۃ اللہ" یعنے تم بالکل دین سے بیزار نہ ہو جاؤ اور مایوس نہ ہو۔ بلکہ جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے اور وضوء پر محافظت بندہ مؤمن ہی کرتا ہے۔

باب ما جاء فی المسح بالرأس والاذنین

الحدیث الاول :- مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمرؓ کان یاخذ الماء باصبعیہ لاذنیہ "

ترجمہ

حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ اپنی انگلیوں سے پانی لیتے تھے کانوں کے مسح کے لئے "

المسح بالراس والاذنین واختلاف الائمۃ

کان کے مسح کے لئے جدید پانی واجب ہے یا سر کی تری کافی ہو سکتی ہے، تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حضرت امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ کے نزدیک کانوں کے مسح کے لئے جدید پانی لینا ضروری ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری نہیں،

دلائل :- (۱) حدیث عبد اللہ الصنابحی رض فاذا مسح براسہ

خرجت الخطایا من راسہ حتی تخرج من اذنیہ،،

(رواہ مالک والنسائی، مشکوٰۃ ص۳۹ ج ۱)

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد و احکام کے لئے تشریف لائے ہیں نہ کہ خلقت بتانے کے لئے تو مطلب یہ ہوا کہ کان سر کے حکم میں ہے لہٰذا سر کے مسح کی تری کان کے مسح کے لئے کافی ہوگی اور اس حدیث کے متعلق ابن دقیق العید شافعی فرماتے ہیں "الحدیث حسن،، (تنظیم الاشتات ص۱۵ ج ۱)

دلیل اول پر امام شافعی کیجانب سے شبہ:۔ قال حماد لا ادری الاذنان من الراس من قول امامۃ ام من قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ ص۴۴ ج ۱)

جواب:۔ (۱) حماد کا عدم علم دوسروں پر حجت نہیں ہو سکتا جبکہ متعدد قوی طرق سے اس کا مرفوع ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الاذنان من الراس،،

جواب:۔ (۲) یہ روایت ابو امامہ رض کے علاوہ ابن عباس رض، عبد اللہ بن زید رض، ابو ہریرۃ رض، ابو موسیٰ اشعری رض، حضرت انس رض، ابن عمر رض، حضرت عائشہ رض، ان صحابہ سے بھی متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

شوافع کی دلیل اول:۔ کان مستقل عضو ہے لہٰذا پانی مستقل ہونا چاہیے۔

دلیل ثانی:۔ ترجمۃ الباب کی حدیث عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان یاخذ الماء باصبعیہ لاذنیہ،،

جواب دلائل شوافع:۔ حدیث اول کا جواب: نص کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں،،

دلیل ثانی کا جواب:۔ ممکن ہے کہ تری کے خشک ہو جانے کیوجہ سے نیا پانی لیتے ہوں،،

جواب (۲):۔ دلائل مذکورہ کے قرینے سے اس روایت سے نفس جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ وجوب، اور جواز کے ہم بھی قائل ہیں، حالانکہ کلام وجوب میں ہے جو ثابت نہیں ہوا۔

(واللہ اعلم بالصواب،

الحدیث الثانی :۔ مالك انه بلغه ان جابر بن عبد الله الانصاری سئل عن المسح علی العمامة فقال لا حتی یمسح الشعر بالماء ،،

ترجمہ حضرت امام مالکؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری سے مسح علی العمامہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا نہیں یہاں تک کہ پانی کے ذریعہ سے بال کا مسح کرے ،،

مسئلہ ۔ ھل یکفی مسح العمامة ام لا :۔ مسح عمامہ مسح رأس کے لئے کافی ہے یا نہیں ؟ تو مختلف فیہ مسئلہ ہے ۔ امام احمد رح ، امام اوزاعی رح ، امام اسحاق رح ، وکیع بن الجراح کا مسلک یہ ہے کہ مسح علی العمامہ پر اکتفاء جائز ہے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح العمامہ پر اکتفاء درست نہیں ، لیکن سر کی مقدار مفروضہ کا مسح کرنے کے بعد سنت استیعاب عمامہ پر ادا کیجا سکتی ہے ، قاضی ابوبکر بن العربی رح نے اس قول کو امام ابو حنیفہ رح کیطرف بھی منسوب کیا ہے ، لیکن حنفیہ کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا لہٰذا صحیح یہ ہے کہ حنفیہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک سنت استیعاب بھی مسح علی العمامہ سے ادا نہیں ہوتی ،

(درس ترمذی ص۳۳۶ ج ۱ ،، تقریر ترمذی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری ،،)

قائلین جواز کا استدلال ، حضرت بلال رضؓ کی روایت سے ہے جو امام ترمذیؒ نے ،، باب ماجاء فی المسح علی العمامة ،، کے آخر میں تخریج کی ہے ،، عن بلال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین والخمار ،، اسیطرح ابو داؤد شریف ،، باب المسح علی العمامة ،، میں حضرت ثوبان کی روایت مستدل ہے ،، بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریة فاصابهم البرد فلما قدموا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم امرهم ان یمسحوا

علی العصائب (العمائم) والتساخین (جمع تسخان بمعنی الخف) نیز ان کا استدلال صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی روایت سے بھی ہے جس سے مسح علی العمامہ کا ثبوت ملتا ہے یہ چاروں حدیثیں سنداً صحیح ہیں،

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال:۔ ان کا استدلال آیت قرآنی ''وامسحوا برؤسکم،، سے ہے کہ یہ قطعی ہے، اور مسح علی العمامۃ کی احادیث اخبار آحاد ہیں جس سے کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں، بخلاف مسح علی الخفین کے کہ اول تو خود قرآن کریم کی قراءۃ جر سے اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، دوسرے اس کی احادیث معنےً متواتر ہیں لھٰذا ان سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے،،

جواب دلائل حنابلہ:۔ مسح علی العمامہ کی روایات محتمل لتاویل ہیں، اور حافظ زیلعیؒ کے بقول جن روایتوں میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے وہ مختصر ہیں اصل میں ''مسح علی ناصیتہ وعمامتہ،، تھا جس کی مختصر شکل صرف ''علی عمامتہ،، بن گئی۔ چنانچہ بعض روایتوں میں ناصیہ کی تصریح موجود ہے امام ترمذی رح فرماتے ہیں، ''وذکر محمد بن البشار فی ہٰذا الحدیث فی موضع آخر انہ مسح علی ناصیتہ وعمامتہ،، ـــــ حضرت بلال کی روایت میں بھی بعض طرق میں ناصیہ کا ذکر آیا ہے۔ ان تمام روایات کے پیش نظر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے کبھی تنہا عمامہ کا مسح نہیں فرمایا۔ لھٰذا اب مسح علی العمامہ کی تمام روایات کا محمل یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سر کی مقدار مفروضہ کا مسح فرمایا۔ اور اس کے بعد عمامہ پر ہاتھ پھیرا ہے، اور یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا،،

الحدیث الثالث:۔ عن ھشام بن عروۃ بن الزبیر کان ینزع العمامۃ ویمسح راسہ بالماء،،

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروۃ سے اور وہ اپنے والد

محترم عروہ بن زبیر سے کہ زبیر عمامہ کو آتار لیتے تھے، اور اپنے سر کا مسح پانی سے کیا کرتے تھے،،

الحدیث الرابع :۔ مالک عن نافع انہ رأی صفیۃ بنت ابی عبید امرأۃ عبد اللہ بن عمر تنزع خمارھا وتمسح علی راسھا بالماء، ونافع یومئذ صغیر،،

ترجمہ امام مالک نے روایت کی حضرت نافع سے انھوں نے دیکھا صفیہ بنت ابو عبید کو جو عبد اللہ بن عمر کی بیوی ہیں کہ وہ اپنے دوپٹہ کو اتارتیں اور اپنے سر پر مسح کرتیں پانی کے ذریعہ، اور نافع اس وقت بچے تھے،،

تشریح صفیہ بنت ابو عبیدہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی بیوی اور عمر بن الخطابؓ کی بہو ھیں، یہ صحابیہ ہیں یا نہیں تو کچھ لوگوں نے کہا کہ صحابیہ نہیں ہیں لیکن اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ صحابیہ ہیں، اور ابن حبان کا بھی یہی قول ہے ۔۔ اب ابن حجر رح ان دونوں قول کے درمیان تطبیق دے رہے ہیں کہ جس وقت یہ پیدا ہوئیں اس وقت ان کے والد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحنیک کے لئے لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور چبا کر دے دیا، تو کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جس نے دیکھا وہ صحابی ہیں اور انھوں نے حضورؐ کو دیکھا، معلوم ہوا کہ یہ صحابیہ ہیں، اور جس نے انکار کیا وہ حضورؐ سے براہ راست حالت بلوغ میں روایت کرنے کا انکار کیا ہے ۔ بہرکیف یہ ثقہ راوی ہیں ۔

الحدیث الخامس :۔ قال یحییٰ وسئل مالک عن المسح علی العمامۃ والخمار فقال لا ینبغی ان یمسح الرجل والمرأۃ علی عمامتہ ولا خمارہا ولیمسحا علی رؤسہا ،،

ترجمہ یحییٰ نے کہا کہ سوال کیا گیا امام مالکؒ سے عمامہ پر مسح کرنے کے بارے میں اور دوپٹہ کے بارے میں تو امام مالک نے کہا کہ مرد کے لئے اور عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ عمامہ اور دوپٹہ پر مسح کریں اور چاہیئے کہ وہ دونوں اپنے سروں پر مسح کیا کریں''

الحدیث السادس:۔ قال یحییٰ سُئل مالک عن رجل توضأ فنسی ان یمسح راسه حتی جف وضوءہ قال اریٰ ان یمسح برأسه وان کان قد صلی ان یعید الصلوٰۃ''

ترجمہ یحییٰ نے کہا کہ امام مالک رح سے سوال کیا گیا ایک ایسے آدمی کے بارے میں جس نے وضوء کیا پس اپنے سر کا مسح کرنا بھول گیا یہاں تک کہ اس کا وضوء خشک ہو گیا، تو اب کیا کرے، تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ اپنے سر کا مسح کرلے اور اگر نماز پڑھ لی ہے تو نماز کو لوٹائے''

تشریح امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک وضوء میں موالاۃ اور ترتیب شرط ہے، لیکن ہمارے یہاں نہیں ہے۔ ہاں امام مالک کے یہاں نسیان کی صورت میں موالات ساقط ہے۔ مکمل تشریح آگے آ رہی ہے''

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ

چمڑے کے موزے کو خف کہتے ہیں تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ خفین پر مسح جائز ہے۔ لیکن خوارج و روافض اور شیعوں کی جماعتِ امامیہ نے اختلاف کیا ہے، خوارج

کہتے ہیں کہ پاؤں کا دھونا ضروری ہے مسح کا کوئی ثبوت نہیں، اور فرقہ امامیہ کہتی ہے کہ مسح ہی ضروری ہے، اگر آپ خف پہنے ہیں تو اس کو نکال کر پاؤں پر مسح کریں کافی ہوجائے گا،

سنہ ھ کے بعد خوارج اور شیعہ دونوں پیدا ہوگئے، اور اس وقت یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ مسح علی الخفین درست ہے یا نہیں؟

چنانچہ محدثین ماہرین تتبع حدیث میں مشغول ہوگئے اور اس موضوع کے روایات شتی کو جمع کیا، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت حسن بصری کا قول مروی ہے، "قال حدثنی سبعون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یمسح علی الخفین،، ــــ (کذا فی معارف السنن ص ۳۳۱ ج ۱)

علامہ عینی کہتے ہیں کہ صحابہ میں اسی ۸۰ سے زائد حضرات مسح علی الخفین کی روایتیں نقل کرتے ہیں،، امام ابوحنیفہ رح کا قول ہے کہ میں نے مسح علی الخفین کے جواز کا قول اس وقت اختیار کیا جبکہ اس بارے میں دن کی روشنی کیطرح میرے دلائل جمع ہوگئے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ منکر مسح بدعتی ہیں "وقال ابو الحسن الکرخی "اخاف الکفر علی من لایری المسح علی الخفین،، (وھکذا فی البحر ص ۱۶۵ ج ۱) اور علامہ کرخی فرماتے ہیں کہ منکر مسح پر کفر کا خطرہ ہے، امام اعظم فرماتے ہیں کہ مسح کا قائل ہونا اہلسنت والجماعۃ کی علامت میں سے ہے۔ بلکہ ایک زمانہ میں تو یہ اہل سنت کا شعار بن گیا تھا۔

چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ نفضل الشیخین، ونحب الختنین ونری المسح علی الخفین،، (عن ابیحنیفۃ نفسہ، معارف السنن ص ۳۳۲ ج ۱)

روافض کا شبہ:۔ قرآن مجید میں مسح علی الخفین کا ذکر نہیں،،

جواب (۱) "وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ،، میں لام کے زیر والی قراءت پر قرآن مجید میں مسح علی الخفین کا ذکر موجود ہے۔

جواب (۲):۔ احادیث صحیحہ متواترہ سے کتاب اللہ پر زیادتی بھی جائز ہے، اور

احادیث مسح علی الخفین متواتر ہیں۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ کرام سے چالیس مرفوع احادیث وارد ہوئی ہیں، "وقال ابن ابی حاتم احد واربعون صحابیًا، و قال ابن عبد البر رح مسح علی الخفین سائر اہل بدر، والحدیبیۃ وغیرہم من المہاجرین والانصار و سائر الصحابۃ والتابعین، وفقہاء الامصار وعامۃ اہل العلم والاثر"

"ونقل عن ابن المنذر عن ابن المبارک انہ قال لیس فی المسح علی الخفین عن الصحابۃ اختلاف"

روافض کا دوسرا شبہ :۔ عن ابن عباسؓ انہ قال لا یجوز المسح علی الخفین، کما فی العینی، ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔

جواب :۔ (۱) اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا ہے کما قال ابن المبارک "کل من روی عنھم انکارہ فقد روی عنہم اثباتہ"

جواب :۔ (۲) علامہ کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ روایت عن ابن عباس صحیح بھی نہیں ہے، "لانہ مدارہ علی عکرمۃ رح وروی انہ لما بلغ عطاء قال کذب عکرمۃ"

جواب :۔ (۳) "روی عن عطاء ان ابن عباس رض یخالف الناس فی المسح علی الخفین فلم یمت حتی تابعھم، ھذا کلہ فی العینی والفتح وغیرھما" لھذا ان جوابات سے وہ بھی (شبہ) دور ہوگیا، "فثبت جواز حکم المسح"

الحدیث الاول "مالك عن ابن شھاب عن عباد بن زیاد وھو من ولد المغیرۃ بن شعبۃ عن ابیہ المغیرۃ بن شعبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذھب لحاجتہ فی غزوۃ تبوك، قال المغیرۃ فذھبت معہ بماء فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسکبت علیہ الماء فغسل وجھہ ثم ذھب یخرج یدیہ من

کمی جبته فلم یستطیع من ضیق کمی الجبة فاخرجهما من تحت الجبة فغسل یدیه ومسح براسه ومسح علی الخفین فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم وعبد الرحمن بن عوف یومهم وقد صلی لهم رکعة فصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم الرکعة التی بقیت علیهم ففزع الناس فلما قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوته قال احسنتم"

ترجمہ

امام مالک رح نے روایت نقل کی حضرت ابن شہاب سے انھوں نے روایت کی عباد بن زیاد سے اور وہ مغیرہ بن شعبہ کی اولاد میں سے ہیں وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقعہ سے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، مغیرہ نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ پانی لیکر چلا۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے آپ پر پانی بہایا، پس آپ نے اپنے چہرہ کو دھویا پھر ارادہ کیا آپ نے اپنے ہاتھ کو نکالنے کا اپنے جبہ کی آستین سے، تو آپ قادر نہ ہوسکے جبہ کی آستین کے تنگی کیوجہ سے، تو آپ نے دونوں ہاتھوں کو جبہ کے نیچے سے نکالا، پس اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا، اور خفین پر مسح کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے حال اینکہ عبد الرحمٰن قوموں کی امامت کر رہے تھے، اور تحقیق کہ انکو ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک رکعت کو پڑھا جو باقی رہ گئی تھی ان پر، چنانچہ لوگ گھبرائے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز مکمل کرلی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے خوب اچھا کیا ہے۔"

"ما المغیرة، وغزوة تبوک"

عباد بن زیاد، موطا امام مالک کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مغیرہ بن شعبہ کے

اولادوں میں سے ہیں اور اسیطرح امام مالک کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں بھی

"وھومن ولد المغیرۃ" ہے لیکن ان دونوں کا وہم ہے اور درست وہ ہے جس کو امام

مالک رح کے دوسرے شاگرد ابن وہب روایت کرتے ہیں امام مالک رح اور ابن جریج وغیرہ سے،

اور یہ حضرات ابن شہاب زہری کے شاگرد ہیں، یہی رائے امام مسلم اور امام نسائی کے نزدیک

درست ہے"

فی غزوۃ تبوک " اس غزوہ کا دوسرا نام عسیرہ (تنگی و سختی کا غزوہ) بھی ہے، یہ

غزوہ ماہ رجب ۹ھ میں مقام تبوک پر رونما ہوا، تبوک، "بفتح التاء المثناۃ وضم الباء الموحدۃ و

سکون الواؤ وفی آخرہ کاف"

تبوک غیر منصرف ہے تانیث اور علمیت کیوجہ سے (عمدۃ القاری) یہ تبوک مدینہ اور

شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "وتبوک مکان معروف ھو نصف طریق المدینۃ

الی الدمشق" (فتح الباری ص ۹۰)

قال احسنتم :- جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے تو آپ تمام

ضروریات سے فارغ ہو کر نماز کے لئے آئے اور عبد الرحمٰن بن عوف کی اقتداء کر کے نماز ادا

کی، معلوم ہوا کہ اقتداء لفاضل بالمفضول جائز ہے اور آپ کا نماز پڑھنا اپنی امت کے

پیچھے یہ بھی درست ہے""

مسح علی الخفین درست ہے یا نہیں تو اس پر مکمل بحث باب کے شروع میں گذر چکی ہے

اس حدیث کو لا کر امام مالک رح فرماتے ہیں کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقعہ سے مسح علی

الخفین کیا۔ اور یہ غزوہ آپ کی آخری عمر کا غزوہ ہے۔ معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین ناسخ ہے

اور اس کے خلاف روایت منسوخ ہے۔

الحدیث الثالث :- مالك عن نافع وعبد الله بن دینار انهما اخبراه ان عبد الله بن عمر قدم الكوفة على سعد بن ابی وقاص وهو اميرها فراه عبد الله بن عمر يمسح على الخفين فانكر ذالك عليه فقال له سعد سل اباك اذا قدمت عليه فقدم عبد الله فنسى ان يسأل عمر عن ذالك حتى قدم سعد، فقال اسألت اباك فقال لا فسأله عبد الله فقال عمر اذا ادخلت رجليك فى الخفين وهما طاهرتان فامسح عليهما قال عبد الله وان جاء احدنا من الغائط قال عمر نعم وان جاء احدكم من الغائط "

ترجمہ امام مالک رح روایت کرتے ہیں حضرت نافع اور عبد اللہ بن دینار سے ان حضرات نے ان کو خبر دی کہ عبد اللہ بن عمر حضرت سعد بن ابی وقاص کوفہ کے گورنر کے پاس تشریف لائے، عبد اللہ بن عمر رض سعید بن ابی وقاص کو خفین پر مسح کرتے دیکھا تو اس پر عبد اللہ نے انکار کا اظہار کیا تو سعد بن ابی وقاص نے عبد اللہ سے کہا کہ آپ اپنے والد محترم سے پوچھ لیجئے جب آپ ان کے پاس جائیں لیکن عبد اللہ بن عمر رض آکر بھول گئے کہ وہ اس کے تحت عمر رض سے سوال کریں یہاں تک حضرت سعد تشریف لائے اور عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنے والد سے پوچھ لیا ہے تو انھوں نے کہا کہ نہیں پس عبد اللہ نے پوچھا اپنے والد سے تو عمر رض نے کہا جب تم اپنے پاؤں کو خفین میں داخل کرو حال اینکہ وہ دونوں پاک ہو تو ان دونوں پر مسح کیا کرو۔ عبد اللہ نے عرض کیا اگرچہ ہم میں کوئی قضاء حاجت سے آوے تو عمر نے کہا ہاں، اگرچہ تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آوے "

⁘ ⁘⁘⁘⁘ ⁘

مسئلة توقیت المسح علی الخفین واختلاف الائمة

توضیح الغائط:۔ لغۃً غائط نشیبی زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ اہل عرب قضائے حاجت کے لئے عموماً نشیبی زمین کو استعمال کرتے تھے اس لئے اس کا اطلاق بیت الخلاء پر ہونے لگا۔ اور بعض اوقات میں اس کا اطلاق نجاست پر بھی ہوتا ہے۔

فانکر ذالک:۔ حضرت ابن عمرؓ کو مسح علی الخفین کی احادیث نہیں پہونچی تھی، اس وجہ کر اپنے گمان کے مطابق انکار کیا لیکن بعد استفسار شرح صدر ہوا تو اپنے قول سے رجوع کر لیا اور مسح علی الخفین کے قائل ہو گئے،،

فامسح علیھما:۔ یہ عبارت مجمل ہے امام مالک اس روایت کو لاکر مسح علی الخفین کے مدت کی ابتداء اور انتہاء بتلانا چاہتے ہیں، اور یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ اسکی کوئی مدت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کب تک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی وقت مقرر نہیں ہے جیسا کہ پتہ چل رہا ہے "فامسح علیھما" سے کہ ان دونوں پر مسح کرتے رہو اب یہ یقین نہیں ہے کہ کب تک کرو، معلوم ہوا کہ وقت مقرر نہیں ہے، اسیطرح مسافر و مقیم کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ جب طہارت پر موزہ پہنے اور اسکو نہ نکالے تو زندگی بھر پہنے رہے اور اسی پر مسح کرتا رہے۔

ان کے علاوہ جتنے بھی فقہاء کرام ہیں وہ سب فرماتے ہیں کہ وقت مقرر ہے، مقیم کے لئے چوبیس گھنٹہ اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات، اور یہ حدث اول سے شروع ہوگا، اس کے لئے بہت ساری روایتیں ہیں =

امام مالکؒ کی دلیل تو وہی ہے جو باب میں ہے، دوسری حدیث حضرت خزیمہ بن ثابت

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا مدت مسح کے بارے میں تو آپ نے فرمایا مسافر کے لئے ۳ دن اور مقیم کے لئے ایک دن، اور ابوداؤد میں اسی سند کے ساتھ یہی روایت ہے اور اس کے اندر ایک لفظ زائد ہے "ولو استزدناہ لزادنا"، اگر ہم زائد مدت چاہتے تو آپ زائد مدت عطاء کر دیتے یہ روایت بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ زائد مدت آپ نے عطاء فرمایا، ان لوگوں نے تو دلوں کے اندر سوچا تھا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی مدت عطار نہ کی، ۳م لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ثانی :۔ ابی ابن عمارہ کی حدیث ابوداؤد میں ہے، ایک صحابی نے آپؐ سے سوال کیا یا رسول اللہؐ میں موزے پر ایک دن مسح کر سکتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، دو دن بھی، پھر اس نے سوال کیا کہ دو دن ؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں تین دن بھی، پھر سوال کیا کہ تین دن ؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے زائد بھی،،

جواب حنفیہ :۔ علامہ زرقانی رح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے۔ اور دوسرے حضرات نے اسکو ضعیف کہا ہے، یہی قول علامہ زیلعی رح اور علامہ ابن دقیق العیدؒ کا ہے، بعض حضرات نے کہا کہ یہ ابتداء کا واقعہ ہے بعد میں مدت مقرر کر دی گئی، اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ یہ حضرت خزیمہ کا اپنا گمان ہے۔ جو شرعاً حجت نہیں، لیکن سب سے بہتر جواب علامہ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں دیا ہے، جیسے قاضی شوکانی نے نیل الاوطار (ج ا ص ۱۶۹) میں نقل کیا ہے وہ یہ کہ اگر زیادتی ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس جملہ سے عدم توقیت پر استدلال درست نہیں، اس لئے کہ "لو"، کلام عرب میں انتفار ثانی بسبب انتفار اوّل کے لئے آتا ہے لھذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم حضور اکرم سے مدتِ مسح میں زیادتی طلب کرتے تو آپ زیادتی فرماتے، لیکن چونکہ زیادتی طلب نہیں کی اس لئے زیادتی نہ ہوئی،،

الحديث الثالث،، مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر رضا
بال في السوق ثم توضأ وغسل وجهه ويديه ومسح برأسه
ثم دعي لجنازة ليصلي عليها حين دخل المسجد فمسح على
خفيه ثم صلى عليها ،،

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضا نے بازار میں پیشاب کیا پھر وضوء کیا اور اپنے چہرے کو دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دھویا، اور اپنے سر کا مسح کیا پھر ایک جنازہ کی طرف بلائے گئے تاکہ اس پر نماز پڑھیں تو جس وقت مسجد میں داخل ہوئے تو اپنے موزوں پر مسح کیا پھر اس جنازہ پر نماز پڑھی،،

ازالہ شبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضا نے بازار میں پیشاب کیا پھر وضوء کیا، اور گھر آئے تو جنازہ کی نماز کے کہا گیا تو وہ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسح علی الخفین کیا، اس پر بظاہر شبہ ہے کہ وضوء علی الوضوء پایا گیا حالانکہ ان دونوں وضوء کے درمیان کوئی عبادت مقصودہ نہیں، حالانکہ بلا عبادت مقصودہ کے وضوء علی الوضوء مکروہ ہے، تو اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے علماء کرام نے اس کی توضیحات کی ہیں،،

امام شافعی رح اس کا جواب دیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضا نے بازار میں وضوء کر لئے تھے لیکن مسح علی الخفین کو بھول گئے، اب جب مسجد میں آئے تو مسح کیا، بعض نے کہا کہ بازار والا وضوء ٹوٹ گیا تھا تو مسجد میں آکر مکمل وضوء از سر نو کیا، اور مسح علی الخفین کیا،،

امام مالک رح فرماتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر موالات کو ترک کر دیا تو اس پر وضوء واجب الاعادہ ہے، اور اگر بھول گیا، فلا حرج ،،

الحدیث الرابع :۔ مالك عن سعيد بن عبد الرحمٰن بن رقیش الاشعری انہ قال رأيت انس بن مالك اتى قباء فبال ثم اتى بوضوء فتوضأ فغسل وجهه ويديه الى المرفقين ومسح برأسه ومسح على الخفين ثم جاء المسجد فصلى ،،

ترجمہ حضرت امام مالک رح روایت کرتے ہیں حضرت سعید بن عبد الرحمٰن بن رقیش الاشعری سے انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس رض کو دیکھا کہ وہ قبا تشریف لائے تو پیشاب کیا پھر پانی لایا گیا تو وضو کیا پس دھویا اپنے چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے خفین کا مسح کیا پھر مسجد تشریف لائے اور نماز ادا کی ،،،،،،

الحدیث الخامس :۔ قال یحیی سئل مالك عن رجل توضأ وضوء الصلوٰۃ ثم لبس خفيه ثم بال ثم نزعهما ثم ردهما فى رجليه استانف الوضوء قال لينزع خفيه ثم ليتوضأ وليغسل رجليه وانما يمسح على خفيه من ادخل رجليه فى الخفين وهما طاهرتان تطهر للوضوء فلما من ادخل رجليه فى الخفين وهما غير طاهرتين تطهر الوضوء فلا يمسح على الخفين ،،

ترجمہ حضرت یحیٰ نے کہا کہ امام مالک سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے نماز کا وضو کیا پھر اپنے خفین کو پہن لیا پھر پیشاب کیا پھر ان دونوں کو نکال دیا پھر ان دونوں کو اپنے پاؤں میں پہن لیا تو کیا وضو کو لوٹائے گا ،،

(یعنے از سر نو وضو کرے گا) تو آپ نے فرمایا، چاہئے کہ اپنے موزے کو اتارلے پھر وضو کرے، اور اپنے پاؤں کو دھوے، اور مسح کرے اپنے خفین پر، اور جس نے داخل کیا اپنے پیر کو خفین میں حال اینکہ وہ دونوں پاک ہوں تو وہ وضو کے لئے پاکی حاصل کرے گا، اور جس شخص نے داخل کیا اپنے پاؤں کو خفین میں حال اینکہ وہ دونوں ناپاک ہوں تو اچھی طرح وضو کرے، اور اپنے خفین پر مسح نہ کرے ۔

الحدیث السادس،، قال یحیٰی سئل مالک عن رجل توضأ وعلیہ خفاہ فسھیٰ عن المسح علی الخفین حتی جف وضوءہ وصلے قال یمسح علی خفیہ ولیعد الصلوٰۃ ولا یعد الوضوء،،

ترجمہ امام مالک سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے وضو کیا حال اینکہ اس نے موزہ پہن رکھا ہے پس وہ بھول گیا موزوں پر مسح کرنا یہاں تک کہ اس کا وضو خشک ہو گیا، اور اس نے نماز پڑھ لی تو اب وہ کیا کرے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ چاہیے کہ وہ اپنے موزے پر مسح کرے اور اپنی نماز کو لوٹا لے، اور وضو کو نہ لوٹائے ،،

صورتِ مسئلہ زید نے خف پہن رکھا ہے، اس نے وضو کیا لیکن بوقت وضو مسح علی الخفین بھول گیا، اور نماز ادا کرلی، اب اسکو یاد آیا کہ بلا مسح علی الخفین نماز ادا کرلی ہے ۔۔۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ وہ بدل غسل مسح کو لوٹائے اور پھر نماز ادا کرے، دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ امام مالک کے یہاں موالات فرض ہے لیکن نسیان کی صورت میں ان کے یہاں بھی معاف ہے، اگر عمداً کسی نے ایسا کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن حنفیہ کے یہاں موالات فرض نہیں بلکہ مستحب ہے لھذا ان کے نزدیک کوئی

حرج نہیں ،،

الحدیث السابع :- قال یحییٰ وسئل مالك عن رجل غسل قدمیه ثم لبس خفیه ثم استانف الوضوء قال لینزع خفیه ثم لیتوضأ ویغسل رجلیه ،،

ترجمہ یحییٰ نے کہا کہ امام مالک رح سے ایک آدمی کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دونوں پاؤں کو دھویا پھر اپنے موزوں کو پہن لیا پھر از سرِ نو وضوء کیا (تو اب وہ کیا کرے) امام مالک نے جواب دیا، چاہیئے کہ اپنے موزے کو اتارے پھر وضوء کرے اور اپنے دونوں پاؤں کو دھوئے ،،

... ⁂ حُکمُ الترتیبِ فی الوضوءِ ⁂ ...

لینزع خفیه ،، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وضوء کے اندر اعضاء کے دھونے اور مسح کرنے میں تقدم و تاخر کر دے تو وضوء درست ہوگا یا نہیں ؟ تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے ۔ حضرت امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک ترتیب فرض ہے ، یعنے اگر کسی نے طہارت غیر کاملہ پر موزہ پہن لیا تو اس کو وضوء کرتے وقت موزہ کو نکال کر از سر نو وضوء کرنا ہوگا اور پھر پاؤں دھو کر موزہ پہننا ہوگا ، کیونکہ ترتیب اور طہارت کاملہ شرط ہے ،، ــــ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے ، یہ بھی اس کے قائل ہیں کہ جب ترتیب فوت ہو جائے تو اعادہ لازم ہے ، ــــ امام ابوحنیفہ اور ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ترتیب مستحب ہے ، اگر کسی نے وضوء کرنے سے پہلے پاؤں دھو لیا اور موزہ پہن لیا تو اب وضوء کرتے وقت اسکو نکال کر پاؤں دھونا ضروری نہیں ہے ،،

ترتیب کے ذیل میں شوافع کی دلیل :۔ لقوله علیه السلام:۔ لایقبل الله امرأ حتی یضع الطھور فی مواضعه فیغسل وجھه ثم یدیه ،، یعنے اللہ تعالےٰ کسی آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے یہاں تک کہ وہ وضوء کو اپنے مواقع میں نہ کرے، چنانچہ اپنا چہرہ دھوئے پھر اپنے ہاتھ دھوئے، اس حدیث میں لفظ "ثم" ، ترتیب پر دلالت کرتا ہے ،،

حنفیہ کیطرف سے جواب ،، "لایقبل اللہ الخ" کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، نیز ابوداؤد شریف میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کرتے وقت اپنے سر کا مسح بھول گئے تو آپ نے وضوء سے فراغت کے بعد سر کا مسح کیا، اگر ترتیب فرض ہوتی تو آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس صورت میں وضوء کا اعادہ فرماتے، وضوء کا اعادہ نہ کرنا ترتیب کے فرض نہ ہونے کی دلیل ہے ،،

دوسرا مسئلہ طہارت کاملہ

امام مالک و شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک جواز مسح علے الخفین کے لئے طہارت کاملہ وقت اللبس شرط ہے، یعنی اکمال طہارت کے بعد اگر لبس خف ہوا تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں ،،

دلائل (۱) :۔ حدیث مغیرۃ رضؓ انه علیه السلام قال دعھما فانی ادخلتھما طاھرتین فمسح علیھما ،، (رواہ مسلم) ،، بظاہر معلوم ہوا کہ طہارت کاملہ کے بعد موزہ پہنا اور اس پر مسح کیا ،، ـــــــ (۲) :۔ روی الحمیدی فی مسندہ عن المغیرۃ قال قلنا یا رسول الله ایمسح احدنا علی الخفین قال نعم اذا ادخلھما وھما طاھرتان ،،

(۳) :۔ وفی الحدیث ابی ھریرۃ قال یا رسول الله رجلیك تغسلھما قال انی ادخلتھما وھما طاھرتان (رواہ احمد)

امام اعظم و سفیان ثوری رحمہا اللہ کے نزدیک وھکذا روی عن مالک ،، طہارت کاملہ بوقت اللبس شرط نہیں، بلکہ بوقت الحدث طہارت کاملہ ہونا شرط ہے۔ چنانچہ ابوبکر رازی الحنفی رحمہ نے احناف کا مذہب یہی نقل کیا ہے اذا اغسل رجلیه وغسل کفیه ثم اکمل

الطہارۃ قبل الحدث یجوز لہ المسح اذا احدث ،، کیونکہ قواعد شرعیہ کے مطابق موزہ حلول حدث فی القدم سے حکماً مانع ہے لہٰذا کمال طہارت کی شرط بوقت منع یعنی بوقت حدث ہونا چاہیے ،،

جواب دلائل شوافع :۔ ابوبکر رازی نے جواب دیا کہ انھوں نے جو تین احادیث پیش کیے وہاں قبل اللبس کمال طہارت کی شرط نہیں کیونکہ جس طرح ،،صلی رکعۃ،، وان لم یتم صلوٰتہ،، یعنے ایک رکعت کو بھی کامل کہا جائے گا، اگرچہ پوری نماز سے فارغ نہ ہوا ہو،، ایسے ہی اگرچہ تمام اعضاء کی طہارت نہ کی ہو تا ہم صرف رجلین کو دھونے سے ان دونوں کی طہارت ہو جائے گی ،،

اب احادیث سے تو صرف وقت اللبس طہارت قدمین ثابت ہوئی نہ کہ طہارت کاملہ بطہارۃ جمیع الاعضاء،، چنانچہ صاحب الفتح نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ،،فانی ادخلتہما طاہرتین سے علت بیان کی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناط جواز المسح علی الخفین ہی طہارت القدمین ہے ،، فقط ،، ،،والا فائدۃ فی ذکر القدمین خاصۃً فی موقع التعلیل،، جبکہ احادیث سے ان کا مذہب ثابت نہ ہوا۔ تو ذکر احادیث صرف تلاوۃً ہوا نہ کہ استدلالاً ،،

بَابُ الْعَمَلِ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ

الحدیث الاول ،، مالك عن هشام بن عروة انه رأى اباه يمسح على الخفين وكان لا يزيد اذا مسح على الخفين على ان يمسح ظهورهما ولا يمسح بطونهما ،،

ترجمہ امام مالکؒ نے روایت کیا حضرت ہشام بن عروۃ سے انھوں نے اپنے والد محترم کو دیکھا کہ وہ مسح کرتے تھے خفین پر اور نہیں زیادہ

کرتے تھے جب موزوں پر مسح کرتے تھے تو ان دونوں کے ظاہری حصے پر مسح کرتے تھے اور اس کے باطنی حصے پر مسح نہیں کرتے،،

... مسئلۃ موضع مسح الخفین ...

خفین پر مسح اوپر کے حصہ پر کیا جاوے گا اور نیچے، یہ دونوں صورت ہے یا صرف اوپر تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، بقول صاحب البذل و امام ترمذی وصاحب اوجز المسالک، امام شافعی، امام مالک واسحاق وزہری اور ابن المبارک رحمہم اللہ کے نزدیک "مسح علی الخفین واسفلہا،، یعنے اوپر بھی کیا جاوے گا اور نیچے بھی، لیکن اوپر کا واجب اور نیچے کا مستحب ہے،،

امام اعظم، امام احمد، اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک ظاہر الخف کا مسح مشروع ہے نہ کہ باطن کا،،

دلائل شوافع :- (۱) حدیث کاتب المغیرۃ قال وضأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک فمسح اعلی الخفین واسفلہما، (رواہ ابوداود)

(۲) ثم ان الغسل یکون فی الاعلی والاسفل، کذا المسح،،

(۳) نیز اسفل حصہ میں گندگی لگتی ہے لہذا اسفل کا بطریق اولیٰ مسح کرنا چاہیے،،

دلائل حنفیہ :- (۱) حدیث مغیرۃ انہ کان یمسح علی ظہر الخفین،،

(۲) وعن علی رض قال لوکان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ، وقد رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین علی ظاہرہما، اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ان المسح لیس بمسوح،، (رواہما ابوداود)

(۳) وعن مغیرۃ انہ قال رأیت صلی اللہ علیہ وسلم بال ثم توضأ ومسح علی خفیہ ووضع یدہ الیمنیٰ علی خفہ الایمن ویدہ الیسریٰ علی خفہ الایسر ثم مسح اعلاہما مسحۃ واحدۃ حتی کانی انظر الی اصابع النبی صلی اللہ علیہ وسلم،،

جواب دلائل شوافع ،، (١) حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت ، یہ حدیث ضعیف ہے ،
(٢) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے ۔،، (٣) قال البیھقی وفی الحدیث علۃ ثانیۃ ای ان کانت المغیرۃ ارسلہ، یعنی مرسل کردیا ، (٤) قال ابوداؤد وبلغنی انہ لم یسمع ثور بن یزید عن رجاء بن حیوۃ فبین ثور ورجاء انقطاع ،، (٥) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی دوسری خرابی بیان کرتے ہیں کہ ثور نے رجار سے یہ حدیث نہیں سنی ، تیسری خرابی یہ کہ رجار نے عزاد سے نہیں سنی ، چوتھی خرابی یہ کہ اس حدیث کو مغیرہ سے ساٹھ آدمی روایت کرتے ہیں کسی کے حدیث میں اسفل پر مسح کرنے کا حکم نہیں ہے سوائے اس کے پانچویں خرابی یہ ہے کہ امام دار قطنی نے فرمایا کہ اس حدیث کو عزاد سے رجار روایت کرتے ہیں اور رجار کے ساتھ عبد الملک عزار سے نقل کرتے ہیں لیکن اسمیں بھی اسفل کی بات نہیں ہے ،

دوسری دلیل کا جواب :۔ دلیل ثانی میں جو غسل پر قیاس کیا ، جواب یہ ہے کہ غسل کی بنار نقل پر اور مسح کی بنار خفت پر ہے ۔ چونکہ دونوں میں فرق ہے اس لئے قیاس مع الفارق ہوا ، اور یہ ہمارے یہاں جائز نہیں ،،

اور دلیل ثالث میں جو کہا کہ اسفل حصہ میں گندگی لگتی ہے ، جواب یہ ہے کہ مسح بالکل نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ گندگی بصورت غسل تو زائل ہوگی نہ کہ بصورت مسح بلکہ مسح کرنے میں ہاتھ بھی خراب ہوجائے گا ۔ (٤) اس دلیل کو حدیث علی رضؓ صراحتہً رد کرتی ہے کیونکہ علیؓ نے بھی فرمایا کہ ظاہری گندگی کی بنار پر اگرچہ بھی مسح علی الاسفل قیاس کے مطابق ہے ، لیکن نقل کے مقابل میں عقل تو حجت نہیں ، (کمافی بذل المجہود وتعلیق الصبیح واوجز المسالک وغیرہم)

الحدیث الثانی ،، مالك انہ سأل ابن شھاب عن المسح علی الخفین کیف ھو فادخل ابن شھاب احدی یدیہ تحت الخف و الاخری فوقہ ثم امرھا ،،

ترجمہ امام مالک نے سوال کیا حضرت ابن شہاب زہریؒ سے مسح علی الخفین کے بارے میں کہ کیسے مسح کیا جائے گا۔ تو انھوں نے (ابن شہابؒ) اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو داخل کیا اپنے خف کے نیچے اور دوسرے کو اس کے اوپر پھر انکو دونوں کا حکم دیا۔"

تشریح اس کے اندر جو عمل ابن شہاب زہری کو امام مالک استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ حضرت ابن شہاب تک ہی محدود ہے اور حضرت کا یہ عمل حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتا۔ یا یہ کہ انھیں ان کے خلاف عمل والی حدیث نہ پہونچی ہو۔

قال یحییٰ :۔ قال مالک وقول ابن شہاب احب ماسمعت الیّ فی ذالک ،،

ترجمہ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ ابن شہاب کا قول مجھے زیادہ پسند ہے، ان تمام سے جو مجھ کو اس سلسلے میں پہونچی ہے۔

تشریح یہاں سے امام مالکؒ ابن شہاب زہری کے قول کو لاکر بتلانا چاہتے ہیں کہ مسح علی ظاہر الخف فرض ہے، اور اس کے باطن پر سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو خف کے اوپر اور دوسرے کو نیچے رکھے پھر مسح کرے ایک ہی مرتبہ۔ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ ابن شہاب کا عمل اور حدیث النبیؐ کا ٹکراؤ ہو گا تو لامحالہ حدیث النبی کو ترجیح دیجائیگی ،، توقیت المسح کی بحث بالتفصیل ماقبل "باب العمل فی المسح علی الخفین" کے ضمن میں گذر چکی ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں،،

∴ ∴ ∴ ∴ ∴

باب ما جاء في الرعاف والقيء

الحديث الثاني :- مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا رعف انصرف فتوضأ ثم رجع فبنى ولم يتكلم ''

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ کو جب رعاف آتا تو لوٹ جاتے تھے پس وضوء کرتے تھے پھر نماز کے لئے لوٹتے، چنانچہ بنا علی الصلوٰۃ کرتے اور بات نہیں کرتے تھے''

اختلافی مسئلہ قے :- بمعنے الٹی لیٹی، رعاف بمعنے نکسیر، رُعاف جیسے غراب، الدم یخرج من الانف، رعف، باب نصر سے آتا ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ خروجِ دم سے وضوء ٹوٹتی ہے یا نہیں''، تو امام مالک کے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک خروجِ دم ناقض وضوء نہیں ہے۔

امام اعظم وصاحبین، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم کے نزدیک خروج دم ناقض وضوء ہے بشرطیکہ سیلان ہو''

دلائل شوافع ومالکیہ :- (۱) عن المسور انه دخل على عمر في الليلة التي طعن فيها فصلى عمر وجرحه يثعب دما'' ، جب بوقت خروج دم حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی لہٰذا معلوم ہوا کہ خروجِ دم ناقض وضوء نہیں''

(۲) ابوداؤد کے باب الوضوء من الدم میں ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں حضور وصحابہ کے محافظ ہونے کے لئے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو فم الشعب میں بھیجا فاضطجع المهاجري وقام الانصاري يصلي واتى رجل من المشركين فرماه فوضعه فيه فنزعه حتى

رماه بثلثة اسهم ثم رکع وسجد ثم انتبه صاحبه الخ،، اگر دم ناقض وضوء ہوتا تو انصاری صحابی نماز کو بحالت حدث باقی نہ رکھتے، (۳) حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کہ ان کو نکسیر ہوا وہ نماز پڑھ رہے تھے، تو پڑھتے رہے لیکن وضو نہیں کیا،،

دلائل احناف،، عن عائشة قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اصابه قئ او رعاف او مذی فلینصرف فلیتوضأ، اس حدیث کا راوی اسمٰعیل بن عیاش گرچہ مخالفین نے اس کے متعلق کلام کیا ہے، لیکن ابن معین نے ثقات میں بتایا ہے،

(۲) عن ابی سعید الخدری انه علیه السلام قال من رعف فی الصلوٰة فلینصرف فلیتوضأ ولیبن علی صلوٰته،، (۳) حضرت ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضور کو ایک مرتبہ الٹی ہوئی تو آپ نے وضو فرمایا، تو میں نے ثوبان سے ملاقات کی دمشق کی جامع مسجد میں اور اس سلسلہ میں ذکر کیا ثوبان نے اس قول کی تائید کی کہ میں ہی آپ کو وضو کرا رہا تھا۔

جواب دلائل شوافع:۔ انھوں نے جو مہاجر وانصار کا قصہ بیان کیا، جواب یہ ہے کہ اس میں عقیل راوی مجہول ہے۔ اور محمد بن اسحاق تو مشہور مختلف فیہ راوی ہے جس کو دجال وکذاب کہا گیا ہے ــــــ نیز یہ تو ایک صحابی کا فعل ہے جو بمقابلہ قوی حدیث کے حجت نہیں ہو سکتا،،

الحدیث الثانی:۔ مالك انه بلغه ان عبد الله بن عباس رض کان یرعف فیخرج فیغسل الدم ثم یرجع فیبنی علی ما قد صلی

ترجمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث مرسلاً پہونچی کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رعاف آتا تھا تو وہ مسجد سے نکل جاتے پھر خون دھوتے پھر لوٹ جاتے پس بنا علی الصلوٰۃ کرتے جتنی رکعت پڑھ چکے ہوتے،،

الحدیث الثالث،، مالک عن یزید بن عبد اللہ قسیط اللیثی انہ رای سعید بن المسیب رعف وھو یصلی فاتی حجرۃ ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی بوضوء فتوضأ ثم رجع فبنی علی ماقد صلی،،

ترجمہ حضرت یزید بن عبداللہ نے سعید بن المسیب کو دیکھا کہ ان کو رعاف آیا نماز کیحالت میں، تو وہ ام سلمۃ (جو حضورؐ کی زوجہ محترمہ ہیں) کے پاس آئے، پس پانی لایا گیا تو وضو کیا پھر لوٹے پس بنا کیا اس نماز پر جتنی پڑھے،،

باب العمل فی الرعاف

الحدیث الاول:۔ مالک عن عبد الرحمن بن حرملہ الاسلمی انہ قال رأیت سعید بن المسیب یرعف فیخرج منہ الدم حتی تختضب اصابعہ من الدم الذی یخرج من انفہ ثم یصلی ولا یتوضأ،،

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن حرملہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب کو دیکھا کہ ان کو رعاف آیا، چنانچہ اس سے خون نکلا یہاں تک کہ ان کی انگلیاں رنگ رنگ ہو گئیں اس خون سے جو ان کے ناک سے نکلا تھا، پھر نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا،،

تشریح یہ نکسیر محمول ہے دم غیر سائل پر، یا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت کو نقض والی روایت نہ پہونچی ہو اس بنار پر خون نکلنے کے باوجود بھی وہ نماز پڑھتے رہے۔

الحدیث الثانی :۔ مالک عن عبد الرحمٰن بن المجبر انہ رای سالم بن عبد اللہ یخرج من انفہ الدم حتی تختضب اصابعہ ثم یفتلہ ثم یصلی ولا یتوضأ ،،

ترجمہ عبد الرحمٰن بن مجبر نے سالم بن عبد اللہ کو دیکھا کہ ان کے ناک سے خون نکلا یہاں تک کہ ان کی انگلیاں خون آلودہ ہوگئیں پھر اسکو پونچھ لیا پھر نماز پڑھتے رہے اور وضو نہیں کیا ،،

باب فیمن غلبہ الدم من جرح او رعاف

الحدیث الاول ،، مالک عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ ان المسور بن مخرمۃ اخبرہ انہ دخل علی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من اللیلۃ التی طعن فیہا فایقظ عمر لصلوٰۃ الصبح فقال عمر نعم ولا حظ فی الاسلام لمن ترک الصلوٰۃ فصلی عمر رضی اللہ عنہ وجرحہ یثعب دما ،،

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروۃ

سے انھوں نے روایت کی اپنے والد محترم عروہ سے کہ مسور بن مخرمہ رضہ نے ان کو خبر دی کہ وہ تشریف لائے عمر بن الخطاب کے پاس اس شب جس میں ان کو نیزہ مار اگیا پس بیدار کیا عمر رضہ کو صبح کی نماز کے لئے، چنانچہ عمر نے کہا ہاں اور اسلام میں اس شخص کا کوئی حصہ نہیں جس نے نماز کو ترک کر دیا پس عمر نے نماز پڑھائی حال اینکہ ان کا زخم خون کو ابل رہا تھا،

مرتکب الکبیرۃ لا یکفر

ذم اور رعاف کا مسئلہ گذر چکا ہے، اب یہاں سے ہم ایک دوسرے مسئلے کیطرف آپ کو لئے چلتے ہیں، حضرت عمر رضہ نے فرمایا "ولاحظ فی الاسلام الخ" جس شخص نے نماز کو چھوڑ دیا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ بظاہر معلوم ہوا کہ ترک صلوٰۃ کفر کا باعث ہے،

دوسری حدیث ہے "مَن ترکَ الصلوٰۃَ متعمداً فقد کفرَ" اس سے بھی کفر ثابت ہوا اسیطرح ترمذی شریف کے اندر عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب ترک نماز کے علاوہ کسی چیز کو باعثِ کفر نہیں سمجھتے تھے"

اب سوال پیدا ہوا کہ تارک صلوٰۃ کافر ہوا یا نہیں ؟ تو امام احمد، اسحاق، ابن مبارک اور امام نخعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے، اسیطرح کا قول حضرت علی اور ابن مسعود، ابن عباس اور جابر رضہ سے مروی ہے اور جمہور فرماتے ہیں کہ کافر نہیں ہوگا ہاں کافر اس وقت ہوگا جبکہ ترک صلوٰۃ کو حلال سمجھ لے یا کفر کے قریب قریب ہو جاتا ہے ——— اب اس کی سزا کیا ہے ؟ تو اس سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے،

عند الشافعی والمالک یقتل حداً لا کفراً، وعند احمد یقتل کفراً، و عند امامنا الاعظم انہ لیس بکافر ولا یقتل، لیکن اس کو تین دن تک محبوس رکھا جائیگا، اگر نماز پڑھنے لگے تو بہتر ورنہ ایسا مارا جائے کہ خون بہہ نکلے،

چنانچہ ابو داؤد میں صلوٰۃ خمسہ کے متعلق ہے من لم یأت بھن فلیس لہ عند اللہ

عهد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة ،، اب تارک صلوٰۃ کو تحت المشیۃ رکھا اگر کافر ہوتا تو یقیناً جہنمی کہا جاتا ، (کما فی فتح الباری ، فیض الباری ، اوجز المسالک ،،)

مالك عن يحيىٰ بن سعيد ان سعيد بن المسيب ، قال ماترون فيمن غلبه الدم من رعاف فلم ينقطع عنه قال يحيىٰ بن سعيد ثم قال سعيد بن المسيب ارىٰ ان يومى برأسه ايماء ،،

ترجمہ حضرت امام مالک رح نے روایت کیا حضرت یحییٰ بن سعید سے کہ سعید بن مسیب رح نے فرمایا تم لوگوں کی کیا رائے ہے اس مسئلہ میں کہ رعاف کا خون جب غالب آجائے پس اس سے خون ختم نہ ہوا یحییٰ بن سعید نے کہا کہ پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ وہ اپنے سر سے اشارہ کرکے نماز پڑھتا رہے گا ،،

تشریح یومی برأسه :- امام محمد رح اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ جب کسی آدمی کو رعاف کا خون اتنا آئے کہ سلسلۂ دم منقطع نہ ہو تو اس وقت سر کے اشارہ سے نماز پڑھیگا ، یعنی رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے گا ، کیونکہ اس صورت میں خون زیادہ نہیں آئے گا ، اور اگر سجدہ کریگا تو دم رعاف آئیگا تو اس صورت میں اشارہ کرکے نماز پڑھے تو وہ کافی ہے ، اور اگر ہر وقت رعاف آتا ہو تو اس صورت میں رکوع اور سجدہ کرکے ہی نماز ادا کرے گا ،،

قال مالك وذالك احب ماسمعت الىّ فى ذالك ،،

ترجمہ اور یہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے ان تمام سے جسکو میں نے سنی ہے ،،

باب الوضوء من المذی

ذکر سے عادۃً خارج ہونیوالی بول کے علاوہ تین چیزیں ہیں، منی، مذی، اور ودی،

منی کی جامع تعریف یہ ہے۔ ما ابیض ثخین یتولد منہ الولد وھو یتدفق فی خروجہ ویخرج بشھوۃ من بین صلب الرجل وترائب المرأۃ ویتعقبہ الفتور ولہ رائحۃ کرائحۃ الطلع، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ومنی المرأۃ ماء ابیض لامثل بیاض مائہ رقیق ولیس لہ رائحۃ، اسی کو بعض فقہائے اس طرح تعبیر کیا ہے ومنی المرأۃ اصفر رقیق وقد یبیض بفضل قوتہا،،

مذی کی تعریف یہ ہے۔ ھو ماء ابیض رقیق لزج یخرج عند الملاعبۃ او تذکر الجماع او ارادتہ من غیر شھوۃ ولا دفق ولا یعقبہ فتوی و ربما لا یحس بخروجہ وھو اغلب فی النساء من الرجال۔

ودی کی تعریف یہ ہے۔ ھو ماء ابیض کدر ثخین یشبہ المنی فی الثخانۃ ویخالفہ فی الکدورۃ ولا رائحۃ لہ ویخرج عقیب البول اذا کانت الطبیعۃ مستمسکۃ وعند حمل شیٔ ثقیل ویخرج قطرۃ او قطرتین ونحوھما،، البحر الرائق ج ۱ ص ۶۲ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۴۳) ودی کبھی بول سے پہلے اور کبھی بول کیساتھ بھی خارج ہوتی ہے اسی لئے بعض فقہائے یخرج البول اور بعض نے یسبق البول فرمایا، ان میں کوئی تعارض نہیں۔

الحدیث الاول: مالک عن ابی النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ عن سلیمان ابن یسار عن المقداد بن الاسود ان علی بن ابی طالب امرہ ان یسئل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل اذا دنا من اھلہ فخرج منہ المذی ماذا علیہ قال علی فان عندی ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وانا استحیی ان اسئلہ قال المقداد فسئالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک فقال اذا وجد ذالک احدکم فلینضح فرجہ بالماء ولیتوضأ وضوئہ للصلوٰۃ

ترجمہ حضرت مقداد ابن اسود رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضؓ نے انکو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکے بارے میں مسئلہ دریافت کریں کہ ایک آدمی جب اپنے بیوی سے قریب ہوتا ہے تو اس سے مذی نکل آتی ہے تو اس کے اوپر کیا ہوگا حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ (میں اس لئے نہیں دریافت کرتا ہوں) آپؐ کی دختر میرے عقد میں ہے اور میں شرم محسوس کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں دریافت کروں، حضرت مقدادؓ نے فرمایا کہ میں نے سوال کیا رسول اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اسکو پاوے تو چاہیئے کہ اپنے شرمگاہ پر پانی کا چھینٹا مارے اور چاہیئے کہ وضو کرے نماز والا وضو،

توضیح مذی یہ اردو لفظ ہے لیکن عربی میں کئی الفاظ ہیں یعنی کئی تلفظ ہے جس میں سے حسین ترین تلفظ مَذْیٌ ہے۔

ابوالنضر۔ یہ حضرت عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور انکے شاگرد رشید بھی ہیں۔ یہ امام مالکؒ کے استاذ ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔ مقداد ابن الاسود۔ مقداد دراصل عمر بن ثعلبہ الکندی کے لخت جگر ہیں، لیکن وہ اسود کے طرف منسوب کرکے ابن الاسود کہلاتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کے حلیف تھے اور ان ہی کے یہاں پرورش پائی ، لہذا پرورش کی بنا پر لوگوں نے انکو ابن الاسود کہنا شروع کر دیا

علی بن طالب امرہ ان یسئل لہ۔ علے ابن ابی طالب رضؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انکے متعلق حضور سے مسئلہ دریافت کریں۔ یہاں یہ بات قابل نظر ہے اس حدیث میں حضرت مقداد بن الاسودؓ کو سائل قرار دیا ہے اور دوسری روایت میں ہیکہ سَأَلتُ النبیؐ عن المذی، کہ مذی کے بارے میں خود حضرت علے رضؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا تھا لیکن بخاری کی روایت میں اُمِرتُ رَجلاً ان یسئل، کے الفاظ آئے ہیں جبکہ نسائیؒ نے باب مَا ینقض الوضو وَمَا لا ینقض الوضو عن المذی کی ایک روایت میں حضرت عمار رضؓ کو سائل بتایا گیا ہے، طبرانی کی روایت میں

حضرت عثمان کو سائل قرار دیا گیا (نصب الرایہ ج۱ ص۹۴) اسی طرح ابو داؤد ج۱ ص۳۰ کی روایات میں عبداللہ بن سعد اور سہل بن حنیف کو بتایا گیا ہے لیکن عثمان والی اور حضرت عبداللہ اور سہل بن حنیف والی روایات ضعیف ہیں اس لئے انکے اختلاف کا اعتبار نہ ہوگا، نیز حضرت عثمان اور حضرت سہل بن حنیف کا سوال خود اپنی حالت سے متعلق تھا حضرت علی کے واقعہ سے ان کے سوال کا کوئی تعلق نہیں۔

البتہ حضرت علی اور مقداد بن الاسود اور حضرت عمار کی صحیح روایات میں تعارض پایا جارہا ہے۔ ابن حبان نے اس کا یہ جواب دیا کہ دراصل سائل حضرت علی ہیں اور مجلس سوال میں حضرت عمار اور مقداد بھی موجود تھے اس لئے کبھی انکی طرف بھی نسبت کردی گئی لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس جواب کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جواب نسائی ج۱ ص۳۰ کی روایت کے خلاف ہے جسمیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں "کنت رجلا مذاء وکانت ابنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحتی فاستحییت ان اسئلہ فقلت لرجل جالس الی جنبی سلہ الخ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خود انھوں نے سوال نہیں کیا تھا، حافظؒ نے فرمایا کہ امام نووی کا جواب صحیح ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ مسئلہ حضرت مقدادؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ دونوں کے ذریعہ پوچھوایا ہوگا چونکہ حضرت علیؓ آمر ہیں اور فعل کی نسبت جس طرح مامور کی طرف ہوتی ہے اسی طرح آمر کیطرف بھی ہوتی ہے، اسی لئے سوال کی نسبت حضرت علی حضرت عمار اور حضرت مقداد تینوں کی طرف کردی گئی اور یہ درست ہے۔ پس کوئی تعارض نہ رہا۔

سوال حضرت علیؓ یہ مسئلہ حضورؐ سے خود کیوں پوچھا یا دوسرے سے کیوں پوچھوایا؟

جواب حضرت علیؓ بہت ہی قوی اور مضبوط اعصاب آدمی تھے، ان کے اندر قوت مردانگی بھی بہت زائد تھی، جب دختر رسولؐ فاطمہؓ ان کے نکاح میں آئیں تو نئی نویلی دلہن ہونیکی وجہ سے کئی بار لمس و تقبیل ہوتا جسکی وجہ سے خروج مذی ہوتی اور بار بار یہ غسل کرتے تھے جب موسم سرما آیا تو اس کے اندر بار بار غسل کرنیکی وجہ سے پریشان ہوگئے تو انھوں نے سوچا کہ اسے "الدین یسر" تو ایک روایت ہے ہم جو نحیف وناتواں ہو رہے ہیں یہ غلط فہمی کی بنیاد پر ہے، لہذا اسکی تحقیق کیلئے ساتھیوں سے درخواست کی، انھوں نے بذات خود سوال نہیں کیا، کیونکہ دختر رسولؐ ان کے عقد میں تھیں۔

تو آپ نے جواب دیا کہ مذی سے صرف وضو ٹوٹتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا۔

فلینضح فرجہ بالماء۔ مذی کی نجاست اور اس کے ناقض وضو ہونے میں سب کا اتفاق ہے البتہ طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے۔ کپڑے پر اگر مذی لگ جائے تو کیا کیا جائے؟ تو حضرت امام احمد ابن حنبل کے علاوہ پوری امت متفق ہے کہ مذی ناپاک ہے اگر بدن کے کسی حصے پر لگ جائے تو دھونا ضروری ہے اسی طرح کپڑا کا دھونا بھی ضروری ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر بدن پر لگ جائے تو دھونا ضروری ہے اور اگر کپڑے پر لگ جائے تو اس پر پانی چھڑکنا بھی کافی ہے دھونا ضروری نہیں ہے۔ جمہور روایتِ باب میں فلینضح کے لفظ کو مطلق غسل پر یا غسلِ خفیف پر محمول کرتے ہیں ان کا استدلال بخاری جلد ۱ باب غسل المذی والوضوء منہ کے اندر واغسل ذکرک کے الفاظ سے ہے کہ غسل ذکر کا حکم معلل باصابت المذی ہے، لہٰذا ثوب کا بھی یہی حکم ہوگا۔

الحدیث الثانی: مالک عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر بن الخطاب قال انی لاجدہ یتحدر منی مثل الخریزۃ فاذا وجد ذالک احدکم فلیغسل ذکرہ ولیتوضا وضوءہ للصلوٰۃ یعنی المذی

ترجمہ حضرت زید بن اسلم اپنے والد اسلم العدوی سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ میں برابر پاتا ہوں کہ مجھ سے مثل موتی کے اترتا رہتا ہے جب تم میں سے کوئی اسکو پائے تو چاہیئے کہ اپنے شرمگاہ کو دھولے اور چاہیئے کہ وضو کرلے نماز والا وضو مذی سے۔

الحدیث الثالث: مالک عن زید بن اسلم عن جندب مولیٰ عبد اللہ بن عباس انہ قال سألت عبد اللہ بن عمرؓ عن المذی فقال اذا وجدتہ فاغسل فرجک وتوضا وضوءک للصلوٰۃ

ترجمہ حضرت جندبؓ سے روایت ہیکہ میں نے عبد اللہ بن عمر سے مذی کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب تم پاؤ اس کو تو اپنے شرمگاہ کو دھو لو !
اور وضو کرو نماز والا وضو۔

باب الرخصة فی ترک الوضو من المذی

الحدیث الاول: مالك عن یحیٰی بن سعید بن المسیّب انه سمعه ورجل یسئله فقال انی لاجد البلل وانا اصلی افانصرف فقال له سعید لو سال علی فخذی ما انصرفت حتی اقضی صلوتی

ترجمہ حضرت یحیٰی بن سعید نے روایت کیا حضرت سعید بن مسیب سے کہ انھوں نے سنا کہ ایک آدمی حضرت سعید بن المسیّب سے ودی کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ میں تری کو پاتا ہوں حال اینکہ میں نماز پڑھتا رہتا ہوں تو کیا میں نماز سے لوٹ جاؤں تو سعید نے اس سے کہا کہ اگر میرے ران پر بھی وہ بہہ جائے تو بھی میں نہیں لوٹوں گا یہانتک کے نماز کو مکمل کر لوں گا

توضیح ودی کی تعریف۔ هو ماء ابیض کدر ثخین یشبه المنی فی الثخانة ویخالفه فی الکدورة ولا رائحة له یخرج عقیب البول اذا کانت الطبیعة مستمسکة وعند حمل شئی ثقیل ویخرج قطرة او قطرتین (البحر الرائق ج ۱ ص ۶۱)
ودی کبھی بول سے پہلے اور کبھی بول کے ساتھ خارج ہوتی ہے،

ودی کے نجس ہونے اور ناقص ہونے اور طریقہ تطہیر میں سب کا اتفاق ہے، استنجاء سے فراغت کے بعد شیطان دل میں وہم ڈالتا ہے کہ تمہارے شرمگاہ سے قطرہ ٹپک رہا ہے تو اس کیلئے علاج بتایا گیا کہ وہ پانی کا چھینٹا مار دے تاکہ وہم شیطانی ختم ہو جائے،

مالك عن الصلت ابن زبید انه قال سألت سلیمان بن یسار عن البلل اجده فقال انضح ماتحت ثوبه بالماء واله عنه

ترجمہ حضرت صلت بن زبید سے مروی ہے کہ میں نے سوال کیا حضرت سلیمان بن یسار سے اس تری کے بارے میں جس کو میں پاتا ہوں تو اس نے کہا کہ چھینٹا مارو اس پر جو کپڑے کے نیچے ہے پانی کا اور اس سے دھیان ہٹا دو !

باب الوضوء من مسّ الفرج

الحدیث الاوّل: مالك عن عبد الله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انه سمع عروة بن الزبیر یقول دخلت علی مروان بن الحکم فتذاکرنا ما یکون منه الوضو فقال مروان ومن مس الذکر الوضو فقال عروة ما علمت ذالك فقال مروان اخبرتنی بسرة بنت صفوان انها سمعت رسول علیه وسلم یقول اذا مس احدکم ذکره فلیتوضأ

ترجمہ امام مالک نے روایت کیا حضرت عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رر سے انھوں عروہ بن زبیر سے فرماتے ہوئے سنا کہ میں مروان بن الحکم کے پاس گیا تو ہم لوگوں نے بحث و مباحثہ کیا ناقص وضو کے بارے میں تو مروان نے کہا، اور مسّ ذکر سے وضو واجب ہوتا ہے تو عروہ نے کہا اسکا مجھے علم نہیں ہے پس مروان نے کہا کہ مجھے خبر دیا بسرہ بنت صفوان نے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب تم سے کوئی اپنے شرمگاہ کو چھوے تو چاہیئے کہ وضو کرے !

مس ذکر میں اختلافی مسئلہ فقہاء ومحدثین کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الارار رہا ہے کہ مس ذکر موجب وضو ہے یا نہیں اس میں تین مذاہب ہیں !

(۱) امام مالک و احمد کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو ہے بشرطیکہ شہوت کیساتھ ہو و الا فلا۔ (۲) امام شافعی کے نزدیک بھی ناقض ہے بشرطیکہ باطن کف کے ساتھ بلا حجاب ہو شہوت ہو یا نہو۔ صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، بسرہؓ، عائشہؓ، ام حبیبہؓ، ابو ایوبؓ، ابن عباسؓ یہ اٹھوں حضرات بھی مس ذکر سے نقض وضو کے قائل ہیں،

(۳) ابو حنیفہ، صاحبین، سفیان ثوری، حماد بن سلیمان، ابراھیم نخعی، لیث ابن سعد، سعید بن مسیب عطا بن رباح، عروہ بن زبیر، یحییٰ ابن معین، ان دس حضرات کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے، اور صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاص رضؓ عمران بن حصینؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو الدرداءؓ، حذیفہؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابو امامہؓ، طلق بن علیؓ، یہ دس حضرات بھی عدم نقض وضو کے قائل ہیں، علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی نے المہذب میں لکھا ہیکہ مس فرج امرأۃ کا بھی یہی حکم ہے، اور امام شافعی نے کتاب الام میں تصریح کی ہے کہ مس دبر بھی ناقض وضو ہے لیکن حنفیہ کے یہاں مس ذکر و فرج و دبر کسی سے وضو واجب نہیں۔

دلائل حنفیہ

دلیل اول حدیث طلق بن علی انہ سئل عن مس الرجل ذکرہ بعد ما یتوضا قال علیہ السلام ھل ھو الا بضعۃ منہ (رواہ ابو داؤد، والنسائی، والترمذی، وابن ماجہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۱) دلیل ثانی حدیث علیؓ قال ما ابالی انفی مسست او اذنی او ذکری، (مرقات ج ۱ ص ۳۴۳) دلیل ثالث عن ابن مسعود قال ما ابالی ذکری مسست فی الصلوٰۃ او اذنی او انفی، دلیل رابع، عن عمار بن یاسر فقال انما ھو بضعۃ منک مثل انفی او انفک دلیل خامس عن حذیفہ یقول ما ابالی ایاہ مسست او انفی، دلیل سادس حدیث سعید بن ابی وقاص کہ آپ سے مس ذکر کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا ان کان شئی منک نجساً فاقطعہ فلا باس بہ (مرقات ج ۱ ص ۳۴۳)، اس کے علاوہ بہت ساری حدیثیں ہیں جو حنفیہ کی مستدل ہیں،

اب ملاحظہ فرمایئے قائلین نقض کے دلائل پھر ان کے جوابات،

دلائل ائمہ ثلاثہ دلیل اول۔ ترجمۃ الباب کی حدیث، حدیث بسرہؓ انہ علیہ السلام فقال اذا مس ذکرہ فلیتوضأ۔ رواہ ابوداؤد ومالک واحمد

دلیل دوم حدیث ابوہریرہؓ مرفوعاً، اذا افضی احدکم بیدہ الی ذکرہ لیس بینہ وبینہا شئی فلیتوضأ، رواہ الشافعی والدارقطنی مشکوۃ ج ا ص ۴۱ اسی طرح ترجمۃ الباب کی تمام احادیث انکی مستدل ہیں،

وجہ اختلاف درمیان ائمہ دراصل اس باب میں اختلاف کی وجہ احادیث کا تعارض ہے، اس باب میں دو حدیثیں اصل کی حیثیت رکھتی ہیں، ایک حضرت بسرہؓ کی روایت جس سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں، دوسری طلق بن علی کی روایت جس سے احناف استدلال کرتے ہیں، اب مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے کونسی حدیث کو اختیار کیا جائے، انصاف کی بات یہ ہیکہ دونوں حدیثیں اپنی جگہ قابلِ استدلال ہیں، اگرچہ تھوڑا تھوڑا کلام دونوں کی سند پر ہوا ہے۔

جواب دلائل ائمہ ثلاثہ (۱) احادیث استحباب پر محمول ہیں، وھذا احسن الاجوبۃ حدیث طلق بن علیؓ نفی وجوب پر محمول ہیں، (۲) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ وضو شرعی مراد نہیں، بلکہ وضو لغوی مراد ہے۔ ان دو جوابات کا قرینہ یہ ہیکہ بعض روایات ہیں من مس ذکرہ او انثیہ آیا ہے۔ حالانکہ مس انثیین سے ائمہ ثلاثہ بھی وجوب وضو کے قائل نہیں، (۳) طحاوی میں ہے کہ عروہ حدیث بسرہؓ کو مرفوع نہیں کہتے ہیں۔ موطا مالک میں روایت مختصر ہے اور اس پر کلام ہوا ہے، اسکا پورا واقعہ سنن نسائی میں ہے ج ۱ ص ۳۸ باب الوضوء من مس الذکر، اور طحاوی وغیرہ میں مروی ہے، اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عروہ بن الزبیر مروان کے پاس موجود تھے تو نواقض وضو کا ذکر چلا، مروان نے مس ذکر کو بھی نواقض میں شمار کیا حضرت عروہ نے اس سے انکار کیا تو اس نے حضرت بسرہ کی روایت سنائی، پھر تصدیق کیلئے اپنے ایک شرطی کو حضرت بسرہ کے پاس بھیجا شرطی نے بھی آکر یہی حدیث سنائی، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عروہ نے یہ حدیث براہ راست حضرت بسرہ سے نہیں سنی بلکہ بیچ میں یا تو شرطی کا یا مروان کا واسطہ ہے

اگر شرطی کا واسطہ ہے تو وہ مجہول ہے، اور اگر مروان کا واسطہ ہے تو وہ مختلف فیہ راوی ہے
بعض نے اسکی تضعیف کی ہے تو بعض نے توثیق کی ہے،

(۴) مس ذکر بالشہوۃ عام طور پر مذی نکل آتی ہے جبکہ انتشار ہو تو یہاں سبب یعنی مذی مراد ہے (۵)
ابن ہمام فی فتح القدیر ج۱ ص۳۳ بسرہ اور ابو ہریرہؓ کی احادیث کا حکم منسوخ ہے، کیونکہ عدم نقض کی
علت یعنی جزویت ذکر باقی اور موجود ہے (۶) حضرت طلق بن علیؓ کی روایت واضح ہے اس کے برخلاف
حضرت بسرہ کی حدیث مبہم ہے اسمیں یہ واضح نہیں کہ وضو کا حکم مس بلا شہوت کی صورت میں
ہے یا بالشہوت کی صورت میں، اور مس بلا حائل ہوگا، یا بحائل، بحائل کی قید امام شافعی نے حضرت
ابو ہریرہؓ کے جس حدیث سے اخذ کیا ہے وہ یزید بن عبد الملک نوفلی سے مروی ہے جو ضعیف ہے کما
صرح بہ الہیثمی فی مجمع الزوائد، نیز اسمیں بھی ابہام ہے کہ مس ذکر نفسہ ناقض ہے
یا مس ذکر غیر بھی۔ تعارض حدیث کے وقت قیاس کیطرف بھی رجوع کیا جاتا ہے۔ اور قیاس سے
بھی حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ بول و براز وغیرہ جو نجس العین ہے ان کا مس
کسی کے نزدیک بھی ناقض نہیں، لہذا اعضاء مخصوصہ جن کا طاہر ہونا متفق علیہ ہے ان کا مس
بطریقہ اولیٰ ناقض نہ ہونا چاہیئے، واللہ اعلم۔

طلق بن علی کی روایت پر دو اعتراض

اس پر دو اعتراض کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ روایت ایوب بن عتبہ اور محمد ابن جابر سے مروی ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں
لیکن یہ اعتراض غلط ہے اس لئے کہ یہ روایت ان دونوں کے علاوہ ملازم بن عمرو اور عبد اللہ بن بدر
سے بھی منقول ہے، اور امام ترمذی اور ابو داؤد دونوں نے ان ہی کی سند سے اسے روایت کر کے
اسکی تصحیح کی ہے۔ نیز احقر کو یہ حدیث صحیح ابن حبان میں حسین بن الولید عن عکرمہ بن عمار عن قیس بن
طلق کے طریق سے بھی ملی ہے، کما فی موارد الظمآن ج۱ ص۷۸ اس سے واضح ہے کہ ایوب بن عتبہ اور محمد بن
جابر کے کئی متابعات موجود ہے اور ان کی موجودگی میں ایوب بن عتبہ اور محمد بن جابر کے ضعف کا اعتراض
روایت کیلئے مضر نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث کا مدار قیس بن طلق پر ہے

اور وہ ضعیف ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ قیس بن طلق ایک مختلف فیہ راوی ہیں، امام احمدؒ ابوزرعہ، ابوحاتم، اور ایک روایت میں یحییٰ بن معین انکی اگرچہ تضعیف کی ہے لیکن دوسری طرف امام عجلی، علی بن المدینی نے اور یحییٰ بن معین نے دوسری روایت میں انکی توثیق کی ہے

وجوہ ترجیح حدیث طلق بن علی علی حدیث بسرہ بنت صفوانؓ

(۱) اس مسئلے کا تعلق مردوں سے ہے نیز مرد قوی العقل اور اضبط و احفظ ہوتا ہے جبکہ عورت ناقصۃ العقل ہوتی ہے، لہٰذا مرد کی روایت عورت کی روایت سے اقویٰ ہے (۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ احادیث و آثار صحابہ کے تعارض کی وجہ سے تساقط ہو گیا بقاعدہ اذا تعارض تساقطا، تو اب اصل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور اصل بقائے وضو ہے (بحوالہ مرقات ج ۱ ص ۳۴۳) (۳) علی بن مدینیؒ حدیث طلق کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہو احسن من حدیث بسرہ (آثار السنن ج ۱ ص ۳۴)

الحدیث الثانی: مالك عن اسمٰعیل بن محمد بن سعید بن ابی وقاص عن مصعب بن سعد بن ابی وقاص انه قال کنت امسك المصحف علی سعد بن ابی وقاص فاحتككت فقال سعد لعلك مسست ذکرك قال قلت نعم قال قم فتوضا فقمت فتوضات ثم رجعت

ترجمہ حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ میں قرآن کریم کو اٹھائے ہوئے تھا سعد بن ابی وقاص کے سامنے تو میں نے کھجلایا، چنانچہ حضرت سعد نے کہا کہ شاید تم نے اپنے ذکر کو چھوا ہے تو حضرت مصعب کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں! تو سعد نے کہا کہ اٹھ جا کر وضو کر، تو میں کھڑا ہوا اور وضو کیا پھر لوٹ کر اپنی جگہ پر آیا

توضیح یہ حضرت سعد بن وقاص کا فتویٰ نہیں ہے بلکہ شروع زمانے کا عمل ہے واقعہ حدیث یوں ہے کہ ایک مرتبہ مصعب حضرت سعد کے پاس قرآن ہاتھ میں

رکھ کر قرآن سن رہے تھے درمیان میں انھوں نے اپنے شرمگاہ کو چھولیا تو سعد بن ابی وقاص نے وضو کروایا معلوم ہوا کہ مس ذکر ناقض وضو ہے، اسکا جواب امام طحاوی دیتے ہوئے کہ یہی واقعہ ایک دوسری روایت میں ہے اس کے اندر ہیکہ سعد ابن ابی وقاصؓ کے سامنے قرآن سنتے وقت شرمگاہ کو کھجلایا تو اس وقت سعد نے کہا کہ تم اپنے ہاتھ کو زمین میں رگڑ لے، اس وقت وضو کا حکم نہیں دیا معلوم ہوا کہ وضو واجب نہیں ہے اور جس روایت میں وضو کا لفظ ہے وہ وضو لغوی مراد ہے اصطلاحی نہیں، دوسری بات کہ حضرت سعد کا فتویٰ وہ غیر نقض وضو کا ہے،

الحديث الثالث : مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر رضـ كان يقول اذا مس احدكم ذكره فيتوضا فقد وجب عليه الوضو

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہیکہ عبد اللہ بن عمر فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر کو چھوئے تو چاہیئے کہ وضو کرے کیونکہ اس پر وضو واجب ہوگیا،

الحديث الرابع : مالك عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان يقول من مس ذكره فقد وجب عليه الوضوء

ترجمہ حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے اپنے ذکر کو مس کیا تو تحقیق کہ اس پر وضو واجب ہوگیا،

تشریح یہ روایت بھی ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے، لیکن ہم کہیں گے کہ اس سے استدلال درست نہیں، کیونکہ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ عروہ سے نہیں سنا بلکہ درمیان میں ابوبکر بن محمد کا واسطہ ہے، لہذا روایت مدلس ہوئی، اور جب روایت کی یہ صورتِ حال ہوا ان سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے،

الحديث الخامس: مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله انه قال رأيت ابى عبد الله بن عمر يغتسل ثم يتوضا فقلت يا ابت اما يجزئك الغسل من الوضو فقال بلى ولكنى احيانا امس ذكرى فاتوضا

ترجمہ حضرت سالم بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو غسل کرتے تھے پھر وضو کرتے تھے تو میں نے کہا اے میرے باپ کیا غسل آپ کے لئے کافی نہیں ہوتا وضو کے حق میں تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اور لیکن بسا اوقات میں اپنے ذکر کو چھوتا ہوں تو میں وضو کرتا ہوں۔

تشریح مس ذکر سے نقض وضو کے سلسلے میں جتنے بھی قائلین تھے تمام کے تمام اپنے قول سے رجوع کر چکے صرف عبد اللہ بن عمر باقی رہ گئے ہیں، اب ایک جانب حضرت ابن عمر کا قول ہے اور دوسری جانب تمام کبار صحابہ کا فتویٰ، لہذا لامحالہ آپ کو اکثر تعداد کو ترجیح دینا ہوگی، اور کہنا پڑیگا کہ کبار صحابہ کا فتویٰ راجح ہے،

الحديث السادس: مالك عن نافع عن سالم بن عبد الله انه قال كنت مع عبد الله ابن عمر فى سفر فرائته بعد ان طلعت الشمس توضا ثم صلى فقلت له ان هذه الصلوة ماكنت تصليها فقال انى بعد ان توضات لصلوة الصبح مسست فرجى ثم نسيت ان اتوضا فتوضات وعدت لصلوتى

ترجمہ حضرت سالم بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمر کے ہمراہ ایک سفر میں تھا تو میں انکو سورج طلوع ہونے کے بعد دیکھا کہ وضو کیا پھر نماز ادا فرمائی

تو میں نے عرض کیا ان سے یہ کونسی نماز ہے جس کو آپ نے ادا کی ہے تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ صبح کی نماز کیلئے وضو کرنے کے بعد اپنے شرمگاہ کو چھو لیا پھر میں بھول گیا کہ میں وضو کروں پس میں نے وضو کیا ہے اور اپنے نماز کو لوٹایا ہے،

باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته

الحدیث الاول: مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه عبد الله بن عمر انه كان يقول قبلة الرجل امرأته وجسها بيده من الملامسة فمن قبل امرأته او جسها بيده فعليه الوضو

ترجمہ حضرت سالم بن عبد اللہ نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کا اپنے بیوی کو بوسہ لینا اور اس کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولنا ملامست میں داخل ہے پس جس شخص نے اپنی بیوی کو بوسہ لیا یا اسکو اپنے ہاتھ سے ٹٹولا تو اس پر وضو واجب ہوگیا،

الحدیث الثانی: مالك انه بلغه ان عبد الله بن مسعود كان يقول من قبلة الرجل امرأته الوضو

ترجمہ امام مالک سے مرسلاً روایت ہیکہ عبد اللہ ابن مسعود فرماتے تھے کہ مرد کا اپنی بیوی کو بوسہ لینے سے وضو واجب ہوتا ہے،

الحدیث الثالث: مالك عن ابن شهاب انه كان يقول من قبلة الرجل امرأته الوضوء

ترجمہ ابن شہابؒ فرمایا کرتے تھے کہ مرد کا اپنی بیوی کو بوسہ لینے سے وضو واجب ہوتا ہے۔

مسّ امرأۃ مسئلہ اختلافی وضو من مس المرأۃ کا مسئلہ بھی معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے، اس کے متعلق علماء میں جو اختلاف ہے اس اختلاف کا سبب اور منشاء باری تعالیٰ کا ارشاد، وان کنتم مرضی او علی سفر اوجاء احدکم منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیباً ہے اسمیں جو لفظ لمس ہے وہ کلام عرب میں مشترک ہوکر مستعمل ہے۔ فان تطلقه مرة علی اللمس بالید ومرة تکنی به عن الجماع، اب بعض نے کہا کہ لمس جو آیت میں مذکور موجب طہارت ہے اس سے جماع مراد ہے، (کذا فی بدایۃ المجتہد)

تعیین منشاء نزاع کے بعد واضح ہوا کہ اسمیں فقہا کا اختلاف ہے اور وہ تین جماعت میں منقسم ہیں (۱) امام اعظمؒ، صاحبین، ابن عباس، سفیان ثوری، اوزاعی، علیؓ، عطاء، ابن جریر طبری کے نزدیک مسّ امرأۃ مطلقاً ناقض وضو نہیں الا یہ کہ مباشرت فاحشہ ہو۔ (۲) امام مالکؒ کے نزدیک مس امرأۃ ناقض وضو ہے بشرطیکہ شہوت کے ساتھ ہو ورنہ الاکلا، (۳) امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک مسّ اجنبیہ غیر محرم مطلقاً ناقض وضو ہے شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے، نیز عورت مشتہاۃ ہو یا غیر مشتہاۃ صحابہ میں سے عمرؓ، ابن عمرؓ، عبد اللہ ابن مسعودؓ بھی نقض وضو کے قائل ہیں،

دلائل ائمہ ثلاثہ (۱) قوله تعالیٰ او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا الآیۃ، یہاں لامستم سے مراد مس بالید ہے کما انه هو مروی عن عمرؓ، وابن مسعودؓ، وابن عمرؓ، ہیں لہٰذا مس بالید کے بعد عدم وجدان الماء کی صورت میں تیمم کا حکم دیا چنانچہ معلوم ہوا کہ مسّ مرأۃ ناقض وضو ہے، نیز یہی معنیٰ حقیقی بھی ہیں کما فی احکام القرآن ج۲ ص۵۱ وحقیقۃ هو اللمس بالید او بغیرها من الجسد، (۲) قوله تعالیٰ فلمسوه بایدیهم میں صراحۃً لفظ لمس بالید کیلئے ہے، لہٰذا یہاں بھی یہی ہوگا۔

(۳) ایک قراءت میں اَوْلَامَسْتُمُ از مفاعلہ کے بجائے اَوْلَمَسْتُمُ از مجرد ہے جسمیں مَس بالید مراد ہے، لہٰذا اولامستم کی قراءت میں بھی مَس بالید مراد ہوکر ناقض وضو ہوگا

(۴) وعن ابن مسعودؓ کان یقول من قبلۃ الرجل امرأتہ الوضوء (رواہ مالکؒ)

(۵) وعن ابن عمرؓ قال ان القبلۃ من اللمس فتوضوا منہا

دلائل احناف عدم نقض وضو پر

(۱) حضرت عائشہؓ کی حدیث ان النبیؐ قبل بعض نساءہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضا

(۲) صحیح بخاری ج۱ ص۱۶۱ کتاب التہجد باب مایجوز من العمل فی الصلوٰۃ پر، اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ میں تہجد کے وقت آنحضرتؐ کے سامنے لیٹی رہتی تھی جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے غمزہ فرماتے تو میں اپنے پاؤں ہٹا لیتی،، (۳) سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے عن عائشۃؓ قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وانی لمعترضۃ بین یدیہ اعتراض الجنازۃ حتی اذا اراد ان یوتر مسنی برجلہ (النسائی ج۱ ص۳۹)

(۴) معجم طبرانی اوسط میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے، قالت کان رسولؐ یقبل ثم یخرج الی الصلوٰۃ ولا یحدث وضوءً، (۵) حضرت عائشہؓ سے مسلم شریف ج۱ ص۱۹۲ میں روایت ہے، عن عائشۃؓ قالت فقدت رسولؐ لیلۃ من الفراش فالتمستہ فوقعت یدی علی بطن قدمہ وھو فی المسجد وھما منصوبتان وھو یقول اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک۔ ان کثیر روایات کی بنیاد پر حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔

جواب دلائل شوافع

مالکؒ و شافعیؒ، احمد وغیرہم نے جو اولامستم النساء کی آیت لاکر فرمایا کہ لامستم سے مس بالید مراد ہے جوابُ (۱) یہ تفسیر قرآن کے بارے میں رأس رئیس حضورؐ کی دعاء اللہم علمہ التاویل کے تحت حضرت ابن عباس ہیں چنانچہ ابن عباس نے کہا کہ خدا تعالیٰ حی وکریم ہے لہٰذا مس کو جماع سے کنایہ کیا ہے، لہٰذا ابن عباس کے نزدیک لمس سے جماع ہی مراد ہے یہی حضرت علیؓ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے،

جواب ② مفاعلت میں اصل حقیقت مشارکت ہے، اور مشارکت جماع میں پائی جاتی ہے نہ کہ مس بالید میں بھی جواب ③ جماع کے معنیٰ لیں تو آیت سے حدثِ اصغر اور حدث اکبر، دونوں ہی کیلئے تیمم کے جواز کا حکم ثابت ہوگا، اور اگر مسّ بالید مراد لیں تو آیت سے صرف حدثِ اصغر کیلئے حکم تیمم ثابت ہوگا، اور آیت کا ایسا معنیٰ لینا جو زیادہ احکام پر مشتمل ہو اولیٰ ہے، رہی دوسری یعنی لمستم والی قرأت تو لمس کے گو حقیقی معنیٰ چھونے کے آتے ہیں مگر مجازی معنیٰ جماع کے آتے ہیں، اور پہلی قرأت اس معنیٰ میں محکم اور یہ دوسری قرأت محتمل ہے، لہٰذا محتمل کو محکم پر محمول کیا جائیگا معلوم ہوا کہ یہاں لمس کے مجازی معنیٰ جماع کے ہیں،،

تنبیہ بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت عمرؓ ابن عمرؓ ابن مسعودؓ وغیرھم سے ملامسہ بمعنیٰ مسّ بالید منقول ہے جیساکہ ترجمۃ الباب کے اندر احادیث موجود ہیں، جواب ① حدیث مرفوع صحیح کے مقابلے میں یہ احادیثِ موقوفہ مرجوح ہیں، یا منسوخ ہیں، اور ناسخ علاوہ احادیث مذکورہ کے یہ حدیثِ ابن عباس ہے" لیس فی القبلۃِ الوُضُو (مسند ابی حنیفہ) جواب ② مسّ بالید سے عموماً مذی نکل آتی ہے لہٰذا مطلق مسّ بالید سے احتیاطاً وضو کرلینا مستحب ہے۔

بَابُ العَمَل فی غُسُل الجَنَابَۃِ

الحدیث الاول: مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ام المؤمنين ان رسول الله صلى الله وسلم كان اذا اغتسل من الجنابة بدا فغسل يديه ثم توضا كما يتوضأ للصلوٰة ثم يدخل اصابعه في الماء فيخلل بها اصول شعره ثم يصب على راسه ثلث غرفات بيديه ثم يفيض الماء على جلده كله

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تھے یعنی ناپاکی دور کرنے کیلئے غسل کا ارادہ فرماتے تو اس طرح شروع فرماتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو (پہونچوں تک) دھوتے پھر وضو کرتے جس طرح نماز کیلئے وضو کیا جاتا ہے، پھر انگلیاں (تر ہونے کیلئے) پانی میں ڈالتے پھر انہیں نکال کر ان (تر نگلیوں کی تری) سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے تین چلّو (پانی لیکر) سر پر ڈالتے پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔

توضیح فیخلل ـــ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ بال کا خلال کسی کے یہاں بھی واجب نہیں ہے بلکہ اس پر تمام امت متفق ہیں کہ مستحب ہے، ہاں اس صورت میں واجب ہوگا جبکہ بال کی تلبید کئے ہوئے ہوں کسی ایسی چیز سے جو پانی اور بال کے جڑوں تک حائل ہوں

ثم یفیض ـــ ثم یفیض الماء علی جلدہ کلہ، جلد بمعنی بدن، لفظ کلہ لاکر اسبات کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ پورے بدن پر پانی پہونچانا ضروری ہے، اگر ایک بال کے برابر بھی خشک رہ گیا تو غسل درست نہ ہوگا، کلہ کا لفظ تاکیداً زائد کیا ہے، اور یہ حدیث جمہور کی مستدل ہے اور دلک کے واجب نہ ہونے میں امام مالکؒ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں دلک واجب ہے

مطلب حدیث ـــ حضرت عائشہ رضی آپ صلی کے غسل کے طریقے کو بتلارہی ہیں کہ جب آپ ناپاکی دور کرنے کیلئے غسل فرماتے تو اس کا کیا طریقہ تھا؟ چنانچہ آپ فرمارہی ہیں کہ جب آپ صلی غسل شروع کرتے تو سب سے پہلے پہونچوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے اس کے بعد اسی طرح وضو فرماتے جسطرح نماز کیلئے وضو کیا جاتا ہے یعنی اگر آپ کسی ایسی جگہ غسل فرماتے کہ جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہیں ہوتا تھا مثلاً کسی پتھر، یا تخت پر کھڑے ہو کر نہاتے تو پورا وضو فرماتے، اور اگر کسی ایسی جگہ نہاتے جہاں کوئی گڑھا وغیرہ ہوتا تو اسکی وجہ سے پاؤں کے پاس پانی جمع ہوجاتا تھا اس شکل میں آپ وضو کے وقت پاؤں نہیں دھوتے تھے بلکہ غسل سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر پیر دھوتے تھے، چنانچہ یہ ہدایہ میں بھی لکھا ہے کہ

اگر غسل کے وقت پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہ ہوتا ہو تو وضو مکمل کرنی چاہیئے، اور اگر پاؤں کے پاس پانی جمع ہوتا ہو تو پھر اس وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل سے فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پیر دھوئے جائیں "

الحدیث الثانی: مالك عن ابن شہاب عن عروۃ بن زبیر عن عائشۃ امّ المومنین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل من اناء ھو الفرق من الجنابۃ

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تن سے جنابت کا غسل کرتے تھے اور وہ فرق ہے "

تشریح الفرق بفتحین علی الاشہر الافصح، اور بسکون الراء بھی ہے، علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے ازہری سے کہ کلام عرب میں فتح کے ساتھ ہے، اور محدثین اس کو ساکن پڑھتے ہیں، فرق کی مقدار کیا ہے۔ تو اس سلسلے میں فقہا کا اختلاف ہے بعض نے کہا تین صاع کا ہوتا ہے حضرت ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اسی پر تمام لوگوں کا اجماع ہے بعض لوگوں نے کہا دو صاع کا ہوتا ہے، بعض نے کہا آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ فرق بفتح الراء سولہ رطل اور را کے سکون کے ساتھ ایک سو بیس رطل کا ہوتا ہے یہی قول ہمکر مجمع میں بھی تحریر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان اقوال کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ احوال کے اختلاف پر مبنی ہے، کبھی تو آپ نے پانی کی فراوانی کی وجہ سے ایک سو بیس رطل سے غسل فرمایا، اور کبھی سولہ سے بھی، کبھی دو صاع سے اور کبھی تین صاع سے، لہذا جس نے جیسا واقعہ کا مشاہدہ کیا اسی کو فرق کی تفسیر میں لے لیا،

قال ابن العربی فی شرح الترمذی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قدر الماء الذی یتطہر بہ اثار منہا من طریق عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الاول۔ انه علیه السلام کان یغتسل من اناءٍ وهو الفرق، والثانی: انها دعت باناءٍ قدر الصاع فاغتسلت، الثالث انها کانت تغتسل والنبیؐ من اناءٍ واحدٍ یسع ثلثة امداد او قریب من ذالک، الرابع: معناه انه علیه السلام کان یغتسل ثمانیة ارطال، وروی من طریق النسؒ انه علیه السلام کان یغتسل بخمسة مکاکیك ویتوضا بمکوك، هکذا الاحادیث الکثیرة"

مد اور صاع کے مقدار میں اختلاف

اس بات پر تمام فقہا کا اتفاق ہیکہ وضو اور غسل کیلئے پانی کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے بلکہ اسراف سے بچتے ہوئے جتنا پانی کافی ہو جائے اس کا استعمال جائز ہے، نیز اس پر بھی اتفاق ہیکہ آنحضرتؐ کا عام معمول ایک مد سے وضو کرنے کا تھا، اور ایک صاع سے غسل کرنیکا، اور یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے لیکن پھر اسمیں اختلاف پیدا ہو گیا کہ "مد" کی مقدار اور اسکا وزن کیا ہے؟

امام شافعی، امام مالک، اہل حجاز اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مسلک بھی یہ ہیکہ ایک "مد" ایک رطل کا اور ایک ثلث رطل، یعنی ایک صحیح ایک بٹا تین ($1\frac{1}{3}$) رطل کا ہوتا ہے، لہذا صاع اس حساب سے پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوگا، یعنی پانچ صحیح ایک بٹا تین ($5\frac{1}{3}$) رطل کا ایک صاع ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام محمد، اہل عراق اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مسلک بھی یہ ہے کہ ایک مد دو رطل اور ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

دلائل شوافع

شافعیہ وغیرہ اہل مدینہ وغیرہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ امام مالک کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے اندر ان کے مسلک کے مطابق ایک مد $1\frac{1}{3}$ رطل کا اور ایک صاع پانچ صحیح ایک بٹا تین ($5\frac{1}{3}$) رطل کا ہوتا تھا،

حنفیہ کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں "باب وزن الصاع کم هو" کے تحت حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے

قال دخلنا علی عائشۃ فاستسقی بعضنا فاتی بعس (القدح الکبیر) قالت عائشۃ کان النبیﷺ یغتسل بمثل ھذا، قال مجاھد فحزرتہ فیما احزر ثمانیۃ ارطال تسعۃ ارطال عشرۃ ارطال، شک کی صورت میں عدد اقل متعین ہے، اور وہ آٹھ رطل ہے (۲) امام نسائی نے کتاب الطہارت باب ذکر قدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل کے تحت موسیٰ جہنی سے روایت نقل کی ہے "قال اتی مجاھد بقدح حزرتہ ثمانیۃ ارطال فقال حدثتنی عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل مثل ھذا"، اس روایت سے امام طحاوی کا شک بھی دور ہو جاتا ہے۔

(۳) مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بالمد رطلین و بالصاع ثمانیۃ ارطال"

اعتراض و جواب بعض حضرات نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ابو یوسف مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں کے بوڑھے جو مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے تھے، اپنے اپنے صاع ابو یوسف کے پاس لائے اور کہا کہ یہ آنحضرتﷺ کے صاع کے مطابق ہے، ابو یوسفؒ نے ان کو ناپا تو پانچ ارطال اور تہائی رطل نکلے، اس پر ابو یوسفؒ نے امام مالک کے قول کیطرف رجوع کر لیا

حنفیہ جواب دیتے ہیں (۱) ابن ہمام کہتے ہیں کہ دراصل یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ رطل عراقی بیس استار کا ہے، اور رطل حجازی تیس استار کا ہے (فتح القدیر ص، فتح الملہم ص) (۲) احناف کے صاع میں احتیاط ہے، (۳) یہ واقعہ ہی صحیح نہیں کیونکہ امام محمد جو بیہقی سے زیادہ امام ابو یوسف کے مذہب سے واقف ہیں انھوں نے یہ واقعہ اور رجوع نقل نہیں کیا۔ اگر امام ابو یوسف کا رجوع ثابت ہوتا تو امام محمدؒ اپنی کتابوں میں ضرور ذکر فرماتے، کیونکہ انھوں نے امام ابو یوسف کے رجوعات ذکر کرنے کا التزام کیا ہے،

لہٰذا یہ بات محقق ہو گئی کہ حنفیہ کا استدلال، نہایت صاف اور واضح ہے، کسی قسم کی کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔

الحدیث الثالث: مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمرؓ کان اذا اغتسل من الجنابۃ بدا فافرغ علی یدہ الیمنی فغسلھا ثم غسل فرجہ ثم مضمض واستنثر ثم غسل وجہہ ونضح فی عینیہ ثم غسل یدہ الیمنی ثم غسل یدہ الیسری ثم غسل راسہ ثم اغتسل وافاض علیہ الماء،،

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمرؓ جب غسل جنابت کرتے تھے تو اس طرح شروع کرتے کہ پہلے اپنے دائیں ہاتھ پر پانی بہاتے پس اسکو دھو ڈالتے، پھر اپنے شرمگاہ کو دھوتے پھر کلی کرتے اور ناک صاف کرتے پھر اپنے چہرہ کو دھوتے اور اپنے آنکھوں میں چھینٹا مارتے پھر اپنے دائیں ہاتھ کو دھوتے پھر اپنے بائیں ہاتھ کو دھوتے پھر اپنے سر کو دھوتے تھے پھر غسل کرتے اور اپنے اوپر پانی بہاتے تھے،،

مسئلہ مضمضہ واستنثر اس حدیث کے اندر وہی طریقہ ہے جو ہم لوگ غسل میں کرتے ہیں، لیکن ایک اہمیت کی بات یہ ہے کہ اپنے شرمگاہ کی گندگی کو پہلے دھو لینا چاہیئے۔ خواہ وہ نجاست ذکر پر لگی ہو یا کہیں دوسری جگہ، دوسری اہمیت وضو کرلو! کیونکہ قبل الغسل آپؐ وضو کیا کرتے تھے۔ قبل الغسل وضو کرنے میں طبی حکمت مضمر ہے، وہ اینکہ غسل جنابت بہت گرم ہوتا ہے، جماع کے فوراً بعد اگر غسل کیا تو ری ایکشن کا خطرہ ہے اگر ہاتھ پاؤں دھولئے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈک پہونچاتے گئے تو اس صورت میں تمام امراض سے محفوظ رہیگا۔ ثم غسل فرجہ،، غسل جنابت کے اندر سب سے پہلے وضو کرے، پھر نجاست لگی ہوئی ہو تو نجاست کو دھولے تاکہ یہ زائل ہو جائے، لیکن یہ حکم وہاں کیلئے ہے جہاں پانی کی قلت ہو کیونکہ اگر وہ پانی بدن پر بہائیگا تو پھر اس کے پورے بدن پر نجاست پھیل جائیگی اور وہ پاک نہیں ہو پائیگا لیکن جہاں پانی کی کثرت ہو جیسے ہمارے یہاں تو پھر کوئی حرج نہیں!

ثمّ مضمض واستنثر، مضمضہ کے معنیٰ ہیں " تحریك الماء فی الفم ثمّ مجّہ " اس سے معلوم ہوا کہ مضمضہ پانی کو منہ میں داخل کرنا حرکت دینے اور باہر پھینکنے کے مجموعہ کا نام ہے، اور مج طرف باہر پھینکنے کو کہتے ہیں، اور دوسرا انتثار، یا استنثار کے معنیٰ ہیں " اخراج الماء من الانف "، استنشاق، نشق ینشق نشقاً سے ماخوذ ہے جن کے معنیٰ ھیں ادخال الریح فی الانف، یعنی سونگھنے کے اور باب استفعال میں ادخال الماء فی الانف، کے ہیں۔ مضمضہ استنشاق کی حیثیت کے بارےمیں تھوڑا سا اختلاف ہے، چنانچہ امام ترمذی نے اس بارےمیں تین مذاہب ذکر کئے ہیں، پہلا مسلک۔ ابن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن المبارک امام احمد اور امام اسحاق کا ہے وہ یہ کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں وضو اور غسل دونوں میں واجب ہیں، یہ حضرات لقیط بن صبرہ کی حدیث جو ابوداؤد شریف میں مروی ہے " اذا توضأت فمضمض "، وقال الحافظ فی الفتح ان اسنادھا صحیح "، اسی میں مضمضہ کے ساتھ صیغۂ امر استعمال ہوا ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے (بحوالہ نیل الاوطار ج۱ ص۱۳۲)۔

دوسرا مسلک۔ امام مالک، اور امام شافعی کا ہے جو مضمضہ کو اسی طرح استنشاق دونوں کو وضو اور غسل دونوں میں سنت کہتے ہیں، ان کا استدلال عشر من الفطرۃ والی مشہور حدیث سے ہے (کما فی روایۃ عائشہؓ فی ابی داؤد ج۱ باب السواک من الفطرۃ) اسی باب میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت بھی موجود ہے قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من الفطرۃ المضمضۃ والاستنشاق الحدیث "، اسمیں مضمضہ اور استنشاق دونوں کو شمار کیا گیا ہے نیز ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا توضأ کما امرك اللہ "، اور قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا کوئی امر مضمضہ اور استنشاق سے متعلق نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ واجب نہیں۔ شوافع اور مالکیہ اس حدیث کے اندر امر کو استحباب محمول کرتے ہیں

تیسرا مسلک۔ حنفیہ اور سفیان ثوری وغیرہ جن کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق وضو میں سنت اور غسل میں واجب ہیں۔ وضو کے باب میں حنفیہ کی دلیل وہی ہے جو شافعیہ کی ہے -

اور مالکیہ کی ہے، نیز حنفیہ کے مسلک پر دوسرے قوی دلیل موجود ہے
غسل کے باب میں حضرت گنگوہیؒ نے وان کنتم جنباً فاطہروا سے استدلال کیا ہے کہ اسمیں مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ غسل کی طہارت وضو کی طہارت سے زیادہ ہونی چاہیئے، اب یہ زیادتی کیفاً ہوگی یا کماً ہوگی، کیف میں زیادتی معہود فی الشرع نہیں لہٰذا لامحالہ یہ زیادتی کماً ہوگی، پھر کمّ کی زیادتی دو طرح ہو سکتی ہے ایک یہ کہ تعداد غسل میں، اضافہ کیا جائے اور دوسری یہ کہ اعضائے مغسولہ میں اضافہ ہو، تعداد غسل میں اضافہ کا کوئی راستہ نہیں اس لئے کہ حدیث میں ہے فَمَنْ زَادَ عَلٰی ھٰذَا فَقَدْ تَعَدّٰی وَظَلَمَ، لہٰذا ثابت ہوا کہ ۔ زیادتی اعضاء مغسولہ میں ہوگی، پھر اسکی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جن اعضاء کا غسل وضو میں بالکل نہیں ہے انہیں غسل میں دھویا جاتے، جیسے کہ سینہ اور پیٹ وغیرہ اور دوسرے یہ کہ جن اعضاء کا غسل وضو میں مسنون تھا ان کو غسل میں واجب قرار دیا جائے جیسا کہ مضمضہ اور استنشاق کے مبالغہ کا تقاضہ بھی ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو غسل میں واجب کیا جائے،

> الحدیث الرابع: مالك انه بلغه ان عائشة امّ المومنین رض سئلت عن غسل المرأة من الجنابة فقالت لتحفن علی رأسها ثلث حفنات من الماء ولتضغث رأسها بیدها

ترجمہ امام مالک سے مرسلاً مروی ہے کہ عائشہ صدیقہؓ سے عورت کے جنابت کے غسل کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا چاہیئے کہ سر پر تین لپ پانی ڈالے اور چاہیئے کہ اپنے سر کو ہاتھ سے رگڑے ۔

تشریح اس حدیث کی وضاحت کے سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ حدیث کا مذکورہ بالا حکم صرف عورتوں کیلئے ہے چنانچہ غسل کے وقت اگر گوندھے ہوئے بال ہوں اور سر پر پانی اسطرح ڈالا جائے کہ بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں تو یہ کافی ہے بالوں کو کھولنے کی

ضرورت نہیں ہے، اور اگر یہ جانے کہ بالوں کو کھولے بغیر جڑیں نہیں بھیگیں گی تو پھر اس صورت میں بالوں کو کھولنا ضروری ہوگا، مرد کو ہر صورت میں بال کھولنا ہوگا۔

باب واجب الغسل اذا التقى الختانان

الحديث الاول: مالك ان ابن شهاب عن سعيد ابن المسيب ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وعائشة زوج النبي صلعم كانوا يقولون اذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل

ترجمہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے عمر بن الخطابؓ خلیفہ ثانی اور اور عثمان بن عفان خلیفہ ثالث اور حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ جب مرد کا ذکر عورت کے فرج کو چھولے تو اس پر غسل واجب ہوگیا

واقعہ حدیث الختانان تثنیہ ختان وهو موضع القطع من الذكر وفرج الجارية یعنی وہ جگہ جسکا ختنہ کیا جائے یعنی حشفہ اذا مس الختان الختان ختانِ اول سے مراد موضع اختتان من الرجل ہے۔ اور ختانِ ثانی سے مراد موضع الاختتان من المرأة وهو لحمة فى اعلى الفرج عند ثقب البول كعرف الديك اور عرب اپنی بیوی کا ختنہ کراکر باعث فخر سمجھتے ہیں، دوسری بات کہ انکو ختنہ کراکر مباشرت کرنے میں لذت محسوس ہوتی تھی۔ عورت کیلئے ختان کے بجائے عربی میں خفاض مستعمل ہے، لیکن یہاں تغلیباً اس کیلئے بھی ختان کا لفظ استعمال کیا گیا، اور مجاوزۃ الختان تواری حشفہ سے کنایہ ہے

صورتِ مسئلہ۔ اس مسئلہ میں صدر اول میں بہت اختلاف رہا لیکن صحابہ کرام کے زمانے میں ہی ایک مٹنگ ہوئی اور اس پر اتفاق کرلیا اس کے بعد کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

مسئلہ ہے اکسال کا یہ بنا ہے کسل سے سست کر دینا، اصطلاح میں ہے کہ بیوی سے ... صحبت کرنے میں انزال سے پہلے صحبت ختم کر دینا، یہ بھی اکسال ہے کہ کسی ضرورت کے تحت صحبت شروع کرنیکے بعد انزال سے پہلے اتر جانا۔

سوال: غسل کس صورت میں واجب ہے آیا انزال کے بعد یا التقاء الختانان کی صورت میں بھی؟

جواب: اگر مرد کا حشفہ عورت کے فرج میں داخل ہوگیا اب انزال ہو یا نہ ہوا اس پر غسل واجب ہوگیا لیکن شرط یہ ہے غیبوبت حشفہ ہوا ہو، اگر غیبوبت حشفہ نہ ہوا ہو تو اس صورت میں غسل نہیں ہے، جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں شدید اختلاف ہوا کہ غسل واجب ہے یا نہیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کرکے فرمایا کہ اگر تم ہی لوگ اختلاف کروگے تو بعد کے لوگ کیا کریں گے۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا امیر المومنین ازواج مطہرات سے اس سلسلے میں تفتیش کیجائے ممکن ہے کہ حضورؐ کا کچھ عمل ہوگا، لہٰذا سب سے پہلے ایک آدمی کو اپنی بیٹی حفصہؓ سے مسئلہ پوچھنے کیلئے بھیجا وہ بولی کہ اس سلسلے میں مجھے کوئی مسئلہ معلوم نہیں، اور یہ معاملہ ہمارے ساتھ کبھی پیش نہیں آیا پھر حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی آئے تو انھوں نے مسئلہ بتایا، اذا التقی الختان الختان ہو تو غسل واجب ہوگا، اور ہمارے ساتھ حضورؐ کا یہ عمل رہا ہے کہ آپنے اکسال کیا اور غسل واجب ہونے کی صورت میں ہم دونوں آدمیوں نے غسل کیا ـــــ اس واقعہ کے بعد نزاع مکمل ختم ہوگیا اور تمام کا اتفاق ہوا کہ التقاء ختانین موجب غسل ہے۔

اختلاف کے وقت قائلین عدم غسل کا استدلال مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے تھا، عن عبد الرحمن بن سعید الخدری عن ابیہ قال خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین الی قباحتی اذا کنا فی بنی سالم وقف رسول اللہ ﷺ علی باب عتبان فصرخ بہ فخرج یجر ازارہ فقال رسول اللہ ﷺ اعجلنا الرجل فقال عتبان یا رسول اللہ ارأیت الرجل یعجل عن امرأتہ ولم یمن ماذا علیہ قال رسول اللہ ﷺ انما الماء من الماء۔ (مسلم شریف ج۱ ص۱۵۵)

لیکن ان استدلالات کا جواب حضرت ابی بن کعب کی دوسری حدیث میں موجود ہے ،،

عن ابی بن کعب قال کان الماء من الماء فی اول الاسلام ثم نہی عنہا" اس سے معلوم ہوا کہ انما الماء من الماء کا حکم منسوخ ہے، حضرت ابی بن کعب کے علاوہ رافع بن خدیج نے بھی نسخ کی تصریح کی ہے چنانچہ مسند احمد اور معجم طبرانی اوسط میں انکی روایت اسطرح ہے قال وانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا علی بطن امرأتی فقمت ولم انزل فاغتسلت وخرجت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ انک دعوتنی وانا علی بطن الی رسول اللہ لا علیک الماء من الماء، قال رافع ثم امرنا رسول اللہ علیہ وسلم بعد ذالک بالغسل (بحوالہ مجمع الزوائد ص ۲۶۶ ج ۱)

نیز صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذالک ولا یغتسل وذالک قبل فتح مکۃ ثم اغتسل بعد ذالک" (معارف السنن ص ۱۳ ج ۱) یہ تمام احادیث "الماء من الماء" والی حدیث کے منسوخ ہونے پر دال ہیں، چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں التقاء ختانین سے وجوب غسل پر اجماع ہوگیا (بیانہ مارواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار) ابن عباس نے فرمایا کہ الماء من الماء کی حدیث احتلام کے بارے میں ہے، اذا التقی الختانان فی الیقظہ نہیں ہے، بلکہ اذا التقی الختانان فی المنام وینزل المنی سے ھے ان کے توجیہ کا مطلب ہے کہ حدیث منسوخ نہیں ہے اب ان دونوں حدیثوں میں اختلاف و تعارض ہوگیا، ایک صاحب کہتے ہیں کہ منسوخ ہے، اور ایک کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے دوا اعتراض کہ تمام مخلوق کہتی ہے کہ "الماء من الماء" والی حدیث بیداری کی حالت میں صحبت کرنیکی ہے، اور ابن عباس کہتے ہیں کہ منام کی ہے، تو اب پوری دنیا کی بات مانی جائے یا ابن عباس کی۔

جواب:۔ یہ حدیث بیداری کیلئے خاص ہے ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو عام ہے، اور جزوی بات ہے منسوخ ہے، اور کبھی جزوی بات یہ ہے کہ غیر منسوخ ہے، اور ابن عباس نے ایسی نفی نہیں کی کہ یہ

حدیث بیداری کیلئے نہیں ہے، بلکہ یہ کہا کہ معمول بہ ہے منام کیلئے، لہذا اس سے تو عام کا ثبوت ہوتا ہے اب کوئی تعارض نہیں رہا،

الحدیث الثانی: مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبید اللہ عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف انہ قال سألت عائشۃ زوج النبی ﷺ مایوجب الغسل فقالت ھل تدری ما مثلک یا ابا سلمۃ مثل الفروج یسمع الدیکۃ تصرخ فیصرخ معھا اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل

ترجمہ حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کیا تمکو معلوم ہے اے ابوسلمہ تیری مثال تو مرغی کے چھوٹے چھوٹے بچے کی سی ہے جو مرغ کے چیخ و پکار کو سنتا ہے تو اس کے ساتھ چیخنے لگتا ہے یاد رکھو جب مرد کا حشفہ عورت کے ختنہ سے تجاوز کر جائے تو تحقیق کہ غسل واجب ہو گیا۔

تشریح الفروج۔ فاء کے فتحہ کے ساتھ اور راء مشدد مرفوع، مرغی کا چھوٹا چھوٹا بچہ، حضرت علامہ باجیؒ فرماتے ہیں کہ اس الفاظ کے دو معنی ہیں اول اے ابوسلمہ تم بہت بچے ہو تمہیں کوئی عقل نہیں تمہیں غسل کی ضرورت نہیں پھر تم اس سلسلے میں کیوں گفتگو کرتے ہو، جماع کے متعلق سوال تو بالغ آدمی کر سکتا ہے، لوگوں سے تم نے چہ میگوئیاں سن کر سوال کرنا شروع کر دیا۔ دوسرا معنی یہ کہ تم تو ابھی علم کے اندر عبور حاصل کر ہی نہیں پائے اور دور دراز کی باتیں جاننا چاہتے ہو۔

الحدیث الثالث: مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب ان ابا موسی الاشعری اتی عائشۃ زوج النبی ﷺ

فقال لها لقد شق علی اختلاف اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم فی امر انی لاعظم ان استقبلک بہ فقالت ماھو ما کنت سائلا عنہ امک فسلنی عنہ فقال الرجل یصیب اھلہ ثم یکسل ولا ینزل فقالت اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل فقال ابو موسی الاشعری لا اسئل عن ھذا احدا بعدک ابدا"

ترجمہ حضرت سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں تشریف لائے پس ان سے عرض کیا کہ ایک مسئلہ میں صحابہؓ کرام کا اختلاف کرنا میرے اوپر بہت ہی شاق گذرتا ہے۔ میں اسکو آپ کے سامنے پیش کرنا بہت ہی بھاری سمجھتا ہوں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا وہ کیا چیز ہے جو کچھ بھی تم اپنے ماں سے پوچھ سکتے ہو وہ مجھ سے پوچھو، تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی بیوی کیساتھ جماع کرے پھر اکسال کرے اور انزال نہ ہوا (تو اب وہ کیا کرے کیا غسل واجب ہوا یا نہیں) حضرت عائشہؓ نے جواب دیا جب مرد کا حشفہ عورت کے ختنہ سے تجاوز کر جائے تو اس پر غسل واجب ہو گیا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا میں اس مسئلے کے بارے میں اب آپکے بعد کسی سے بھی سوال نہیں کروں گا،،

تشریح واقعہ اول حدیث میں گذر چکا یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ صحابہ کرام کے درمیان اختلاف دیکھ کر شک و شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ کس صورت میں غسل واجب ہوتا ہے، چنانچہ اپنے اس شک وشبہ کو یقین سے بدلنے کیلئے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، جواب ملنے پر کہا کہ اب تو ہم کسی سے اس کے متعلق سوال ہی نہ کریں گے کیونکہ براہ راست ہمکو حضورؐ کا عمل معلوم ہو گیا!

الحدیث الرابع: مالك عن یحیی بن سعید عن عبد الله بن کعب مولی عثمان بن عفان ان محمود بن لبید الانصاری سئال زید بن ثابت الانصاری عن الرجل یصیب اهله ثم یکسل ولا ینزل فقال زید یغتسل فقال له محمود ان ابی بن کعب کان لا یری الغسل فقال له زید ان ابی بن کعب نزع عن ذالك قبل ان یموت۔

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن کعبؓ جو حضرت عثمان بن عفان کے آزاد کردہ ہیں سے مروی ہیکہ محمود بن لبید الضاری نے زید بن ثابت الضاریؓ سے سوال کیا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے مجامعت کرے پھر اکسال کرلے اور انزال نہ ہو تو (کیا اس پر واجب ہے غسل یا نہیں)، زیدؓ نے فرمایا وہ غسل کریگا بس حضرت محمود نے زید سے کہا کہ ابی بن کعبؓ غسل کو واجب قرار نہیں دیتے تھے تو زید بن ثابت انصاری نے کہا محمود سے کہ ابی بن کعب اپنے وفات سے چند روز قبل اس سے رجوع کرلئے تھے،

توضیح عبد اللہ بن کعب یہ نسبت کے اعتبار سے حمیری المدنی ہیں، ابن حبان نے انکو ثقہ راوی بتلایا ہے، مسلم شریف کے اندر انکی ایک حدیث ہے فی قبلۃ الصائم کے باب میں، اور نسائی شریف کے اندر فی الصائم یصبح جنباً کے سلسلے میں ہے،، صاحب تقریب نے تقریب میں انکو صدوق کہا ہے۔ محمود بن لبید الانصاری ـــــ یہ عقبہ بن رافع الضاری کے صاحبزادہ ہیں،،

اور قبیلہ دوسی کے رہنے والے ہیں

ابن شیبہ اور طبرانی نے رفاعہ بن رافع سے تخریج کیا ہے کہ میں عمر کے پاس تھا تو ان سے کہا گیا کہ زید بن ثابت لوگوں کو مسجد میں فتوٰی دیتے ہیں کہ جس شخص نے جماع کیا اور اسکو انزال نہ ہوا تو اس

غسل واجب ہوگیا،، تو اس پر عمرؓ غضبناک ہوئے، اور صحابہ کرام کی مٹنگ ہوئی تو لوگوں کا اتفاق ہوگیا کہ غسل واجب ہے تو اس وقت حضرت ابی بن کعبؓ اور زیدؓ بن ثابت سب اپنے قول سے رجوع کرلئے

الحدیث الخامس مالک عن نافع ان عبد الله بن عمر کان یقول اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہیکہ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب مرد کا ختان عورت کے ختان سے تجاوز کرجائے تو اس پر غسل واجب ہوگیا،،

باب وضوء الجنب اذا اراد ان ینام او یطعم قبل ان یغتسل

الحدیث الاول: مالک عن عبد الله بن دینار عن عبد الله بن عمر انه قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول الله صلی الله علیه وسلم انه تصیبه الجنابة من اللیل فقال له رسول اللهؐ توضأ واغسل ذکرک ثم نم،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہیکہ عمر بن الخطابؓ رسولؐ کے سامنے یہ تذکرہ کیا کہ جس کو رات میں جنابت لاحق ہوجائے تو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کرلو، اور اپنے ذکر کو دھوکر سوجاؤ !

تشریح اس باب کے اندر دو مسئلے ہیں یکے بعد دیگرے، ایک آدمی جنبی ہے وہ حالت جنابت میں سونا چاہتا ہے تو اب کیا کرے، دوسرا مسئلہ ایک آدمی جنبی ہے وہ کھانا پینا چاہتا ہے تو کیا حکم ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہیکہ جنبی کیلئے سونے سے قبل غسل واجب نہیں اور بغیر غسل کئے سوجانا جائز ہے، البتہ غسل کرکے سونا افضل ہے، لیکن وضو کے بارے میں اختلاف ہے، داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکی کا مسلک یہ ہے کہ وضو قبل النوم واجب ہے، ان کا استدلال بخاری شریف ج۱ کے باب الجنب یتوضأ ثم ینام ،،

اور مسلم شریف ج ۱ ص ۱۴۴ باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضو کی معروف روایت سے ہے "عن عبد اللہ بن عمرؓ انہ قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول اللہ علیہ وسلم انہ تصیبہ الجنابۃ من اللیل فقال لہ رسول اللہ توضأ واغسل ذکرک ثم نم" (ہکذا فی الموطا ص ۱۹) اسمیں صیغۂ امر استعمال ہوا ہے جو وجوب کیلئے ہے، نیز انکی ایک دلیل حضرت عمرؓ ہی کی حدیث ہے انہ سأل النبیؐ اینام احدنا وھو جنب؟ قال نعم اذا توضأ۔

حضرت سعید بن المسیبؒ، سفیان ثوری، امام ابو یوسف، اور حسن بن حی کے نزدیک جنبی کیلئے وضو قبل النوم مباح ہے، یعنی اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے انکی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث قالت کان النبیؐ ینام وھو جنب ولا یمس ماءً" اس حدیث میں ماءً نکرہ تحت النفی ہے جو وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے، لہذا وضو کی اباحت ثابت ہو جائیگی"

جمہور فقہا و ائمہ اربعہ کے نزدیک جنبی کیلئے وضو قبل النوم مستحب ہے کیونکہ حضرت عمرؓ جیسی حدیث سے داؤد ظاہری نے استدلال کیا ہے وہ صحیح ابن خزیمہ میں ج ۱ ص ۱۰۶ اور صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۵ پر ہے، حضرت ابن عمرؓ سے اسی طرح مروی ہے "عن ابن عمر انہ سأل النبیؐ اینام احدنا وھو جنب قال نعم ویتوضأ ان شاء (اسنادہ صحیح)" اس سے معلوم ہوا کہ جہاں وضو کا حکم آیا ہے وہ استحباب کیلئے ہے، یہ حدیث جہاں جمہور کے مسلک کی دلیل ہے وہاں ظاہریہ کے استدلال کا جواب بھی دلیل ہے: امام ابو یوسف وغیرہ کے استدلال کا جواب ـــــ یہ دیا گیا ہے کہ روایت میں "ولا یمس ماءً" کا جملہ صرف ابو اسحاق نے روایت کیا ہے، ابراہیم نخعیؒ، شعبہ، اور سفیان ثوری، جیسے جلیل القدر محدثین یہ جملہ روایت نہیں کرتے، اس لئے محدثین نے اسے ابو اسحاق کا وہم قرار دیا ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں "ویرون ان ھذا غلط من ابی اسحاق" امام ابو داؤد نے بھی اسے وہم قرار دیا ہے، امام احمد نے اس روایت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام سب سے افضل یہ ہے کہ آدمی غسل کرنے کے بعد کھانا کھائے، یا سونا چاہے تو سوئے، اگر کسی کو فرصت نہ ہو تو دوسرے نمبر پر فضیلت یہ

ہے کہ وہ نجاست کے تمام جگہوں کو دھولے، اور نماز والا وضو کرلے، اگر اتنا بھی کسی وجہ سے نہیں کر سکتا تو فضیلت میں برائے نام فضیلت یہ ہیکہ جہاں جہاں ناپاکی لگی ہے، اس کو دھو ڈالے، اور ہاتھ منہ دھولے اور پھر سو جائے، اگر کسی وجہ سے یہ بھی نہیں کر سکتا ہے تو آخری درجہ لاباس ہے لیکن یہ اچھی صورت نہیں ہے کیونکہ اسمیں تھوڑی سی ناپسندیدگی ہے اگرچہ جائز بھی ہے، یہ آخری درجہ ہے۔

الحديث الثاني: مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة زوج النبي انها كانت تقول اذا اصاب احدكم المرأة ثم اراد ان ينام قبل ان يغتسل فلا ينم حتى يتوضأ وضوءه للصلوة

ترجمہ حضرت عروہ بن زبیر حضرت عائشہ رض سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض فتویٰ دیا کرتی تھیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے پھر غسل سے پہلے سونا چاہے تو نہ سوئے البتہ نماز والا وضو کر کے سوئے،

تشریح یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، کیونکہ ناپاک ہو کر سونا درست نہیں ہو سکتا ہے اسی حال میں روح قبض کر لی جائے، لہٰذا کم سے کم وضو کر کے سونا چاہیئے، اسی طرح قبل الطعام بھی وضو کر لینا چاہیئے۔

الحديث الثالث: مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا اراد ان ينام او يطعم وهو جنب غسل وجهه ويديه الى المرفقين ومسح براسه ثم طعم او نام

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہیکہ عبد اللہ بن عمر رض جب جنبی ہوتے اور سونے یا کھانے کا ارادہ فرماتے تو اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرتے تھے اور اپنے سر کا مسح کرتے پھر کھاتے یا سوتے

توضیح یہاں سے ایک اختلافی مسئلہ کیطرف اشارہ ہے کہ حدیث کے اندر وضوء سے کون سا وضوء مراد ہے، امام احمد اور اسحاق کے نزدیک وضوء کامل مراد نہیں، بلکہ غسل بعض الاعضاء مراد ہے کیونکہ طحاوی وغیرہ میں حضرت ابن عمر کا فعل مروی ہے، انھوں نے حالتِ جنابت میں وضوء قبل النوم کیا اور غسل رجلین کو ترک کردیا نیز وضوء صلوٰۃ مزیل جنابت بھی نہیں اس لئے اکتفاء بعض الاعضاء صحیح ہوگا، ترجمۃ الباب کی حدیث بھی ان ہی کی مستدل ہے،

جمہور کے نزدیک وضوء صلوٰۃ مراد ہے، کیونکہ صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۴۴) میں حضرت عائشہ رض کی روایت ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان جنبا واراد ان یاکل او ینام توضأ وضوءہ للصلوٰۃ" نیز سنن دارقطنی (ج ۱ ص ۱۲۶) باب الجنب اذا اراد ان ینام الخ، معجم طبرانی کبیر اور المنتقیٰ (ج ۱ ص ۲۰۸) وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایات مروی ہیں، جن میں "توضأ وضوءہ للصلوٰۃ" کی تصریح موجود ہے نیز وضوء صلوٰۃ اگرچہ مزیل جنابت نہیں لیکن ان افعال میں کہ جن میں طہارت شرط نہیں مفید ضرور ہے اس کی دلیل امر شارع ہے،،

سوال:۔ باب کی اس روایت میں غسل رجلین کا تذکرہ نہیں؟

جواب:۔ عبد اللہ بن عمر رض کھانا کھانے یا سونے کے لئے جب جاتے اس حال میں کہ وہ جنبی ہوتے تو اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو دھوتے پھر اپنے سر کا مسح کرتے تھے اور پاؤں کو اس لئے نہیں دھوتے تھے کہ پاؤں میں عذر تھا،

(۲) یہ ندب پر محمول ہے کہ وضوء کرلیا جائے، اسی وجہ سے غسل سے تخفیف کرکے وضوء کرلیا اور وضوء کے اندر بھی عذر کیوقت تخفیف کردیا، اس وجہ کہ وضوء شرعی کا اہتمام نہیں کیا۔

اعادة الجنب الصلوٰة وغسله اذا صلى ولم يذكر وغسله ثوبه

الحديث الاول :- مالك عن اسماعيل بن ابى حكيم ان عطاء بن يسار اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر فى صلوٰة من الصلوات ثم اشار اليهم بيده ان امكثوا فذهب ثم رجع وعلى جلده اثر الماء ۔

ترجمہ حضرت اسماعیل بن ابی حکیم سے روایت ہے کہ ان کو عطاء بن یسار نے خبر دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نمازوں میں سے کسی نماز میں تکبیر کہی پھر اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا ان لوگوں کی طرف کہ ٹھہرے رہو بس آپ چلے گئے پھر لوٹے اس حال میں کہ آپ کے اوپر پانی کا اثر نمایاں تھا ۔

تشریح کبر فی صلوٰۃ ۔ یہ واقعہ فجر کی نماز کا ہے کیونکہ رات میں اپنی زوجۂ محترمہ سے صحبت کئے تھے لیکن وہ یاد نہیں رہا ، اس وجہ کر بلا غسل نماز کے لئے تشریف لے آئے جب مؤذن نے تکبیر کہدیا تو آپ نے لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تم لوگ ٹھہرے رہو پھر آپ گئے اور غسل کر کے لوٹے اس حال میں کہ آپکے جسم اطہر پر پانی کا اثر تھا ۔

تکبیر سے مراد افتتاح تکبیر ہے ، اور بعض روایت میں ہے کہ یہ واقعہ فجر کا ہے ، اور صحیحین میں ہے کہ تکبیر کہنے سے پہلے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ٹھہرے رہو ، علامہ باجی تطبیق دیتے ہیں کہ یہ تعدد واقعہ پر محمول ہے ، دوسرا قول کہ کبر سے مراد یہ ہے کہ ارادان یکبر ۔

⁘ ⁘ ⁘

الحدیث الثانی ،، مالک عن ھشام بن عروۃ عن زبید بن الصلت انہ قال خرجت مع عمر بن الخطاب الی الجرف فنظر فاذا ھو قد احتلم وصلی ولم یغتسل فقال واللہ ما اُرانی الا قد احتلمت وما شعرت وصلیت وما اغتسلت قال فاغتسل وغسل ما رای فی ثوبہ ونضح ما لم یر واذّن واقام ثم صلی بعد ارتفاع الضحی متمکنا ،،

ترجمہ حضرت زبید بن صلت سے روایت ہے کہ میں نکلا حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ جُرف کیجانب بس دیکھا کہ ان کو احتلام ہوگیا ہے اور انہوں نے نماز پڑھادی حال اینکہ غسل نہیں کیا، حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے پتہ نہیں تھا کہ مجھ کو احتلام ہوگیا ہے ،، اور مجھے اس کا احساس بھی نہ ہوسکا میں نے نماز پڑھادی ہے اور میں نے غسل نہیں کیا ہے۔ راوی نے کہا کہ حضرت عمر نے غسل کیا اور دھویا ان تمام نجاستوں کو جو اپنے کپڑے پر پایا، اور جس کو نہیں دیکھا اس جگہ پانی کا چھینٹا مارا، اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی پھر انھوں نے نماز پڑھائی سورج کے بلند وبالا اور روشن ہونے کے بعد اطمینان وسکون کے ساتھ ،،

توضیحات وغسل ما رای فی ثوبہ ،، اس جملہ کے ذریعہ سے ایک مسئلہ کو قائم کرنا ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے کپڑا پر جب منی لگ گئی تو اس کو انھوں نے دھویا تھا لیکن اس مسئلہ کے اندر فقہاء کرام کی کیا رائے ہے، اس کو دیکھنا ہے کہ منی اگر کپڑے پر لگ جائے تو کیا اس کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز منی پاک ہے یا ناپاک؟ تو باتیں مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں :- ــــــــ اختلاف ائمہ ،، منی طاہر ہے یا نجس ،، ــــــــ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک منی ناپاک ہے ــــــــ امام شافعی اور احمد کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے ،، پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو منی کا دھونا ضروری ہے ، اور خشک منی کا کھرچ دینا

بھی کافی ہے بشرطیکہ منی گاڑھی ہو، لیکن امام مالک کے نزدیک دونوں صورتوں میں دھونا ضروری ہے،

دلائل نجاست منی :- (۱) حدیث باب حضرت عمرؓ نے اپنے کپڑے کو دھویا تھا اور غسل کیا تھا، اگر منی ناپاک نہ ہوتی تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں اور نماز کا عادہ کی بھی ضرورت نہیں، معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے،،

(۲) حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی ہمشیرہ ام حبیبہ رضؓ زوجۂ مطہرہ سے پوچھا "ھل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی الثوب الذی یجامعھا فیہ فقالت نعم اذا لم یر فیہ اذیً (رواہ ابوداؤد) کیونکہ اذیً کے معنی نجاست کے ہیں جیسا کہ دم حیض کے متعلق قرآن مجید میں ہے " قل ھو اذیً (پ ۲)،،

(۳) قولہٗ تعالیٰ، وان کنتم جنباً فاطھروا (پ ۶)،، (۴) حدیث ابی ھریرۃ رضؓ مرفوعاً تحت کل ذی شعرۃ جنابۃ (ابوداؤد وغیرہ مشکوٰۃ ص ۴۸، ج ۱)،، (۵) اگر منی پاک ہوتی تو آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کم از کم ایک آدھ مرتبہ تو اس کو بغیر غسل و فرک کے چھوڑ دیتے اور اس حالت میں نماز ادا کرتے تاکہ اس کی طہارت معلوم ہو جاتی حالانکہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو یہ نجاستِ منی کی بین دلیل ہے،،

طہارتِ منی کی اوّل دلیل،، حضرت عائشہ رضؓ قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ مشکوٰۃ،، ص ۵۱ ج ۱)

جوابؔ :- فرک منی بھی تطہیر کا ایک طریقہ ہے، جیسا کہ دم حیض کے بارے میں بھی احادیث میں لفظ فرک آیا ہے، حالانکہ وہ بالاتفاق نجس ہے،

(۲) حدیث بن عباس قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المنی یصیب الثوب قال انما ھو بمنزلۃ المخاط والبزاق وانما یکفیک ان تمسحہ بخرقۃ او باذخرۃ،، (رواہ الدارقطنی) اس سے معلوم ہوا کہ منی ناک کی ریزش اور منہ کے بلغم کی طرح پاک ہے،،

لوگوں کو اس کا حکم نہیں کیا کہ وہ اپنی نماز کو لوٹا دیں،

حضرت امام شافعی رح اسی بنار پر فرماتے ہیں کہ محدث کے پیچھے مقتدی کی نماز درست ہے جبکہ امام بھول کر نماز پڑھا ہو اور مقتدی حضرات بھی امام کی حالت سے ناواقف ہوں تو مقتدی پر بعد ادائے صلوٰۃ لوٹانا واجب نہیں ہے ۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی نماز کا لوٹانا واجب ہے کیونکہ حضرت علی رض کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رض نے نماز لوٹائی اور مقتدی حضرات نے بھی نماز لوٹائی "عن علی انه قال یعید ویعیدون"

حضرت امام محمد رح فرماتے ہیں کہ ہم بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں جسکو امام اعظم رح نے لیا ہے، اور دلیل کے طور پر اس روایت کو ذکر کرتے ہیں جو ابن ابی شیبہ اور دارقطنی میں ہے حضرت سعید بن مسیب سے مرسلاً "انه صلی اللہ علیه وسلم صلی بالناس وھو جنب فاعاد واعادوا" کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی حال اینکہ آپ ﷺ جنبی تھے تو بعد میں یاد آنے پر آپ نے بھی نماز لوٹایا اور صحابہ کرام نے بھی نماز لوٹایا ،،

مالك عن اسماعيل بن حكيم عن سليمان بن يسار ان عمر بن الخطاب غدا الى ارضه بالجرف فرای فی ثوبه احتلاما فقال: لقد ابتليت بالاحتلام منذ وليت امر الناس فاغتسل وغسل ما رای فی ثوبه من الاحتلام ثم صلی بعد ان طلعت الشمس ،،

ترجمہ حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رض ایک دن صبح سویرے مقام جُرف کیطرف تشریف لے گئے تو انھوں نے اپنے کپڑے میں احتلام دیکھا اس وقت حضرت عمر رض نے فرمایا کہ جس وقت سے میں لوگوں کا حاکم بنایا گیا ہوں اس

وقت سے احتلام کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں، پس غسل کیا اور اپنے کپڑا کے اس حصہ کو دھویا، جہاں منی لگی تھی پھر نماز ادا کی سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد،،

توضیح غدا،، ای ذھب وقت الغداۃ یعنی جس وقت لوگ ناشتہ کھاتے ہیں اس وقت گئے تھے،،

الجرف،، بضم الجیم والراء، امام رافعی رح فرماتے ہیں کہ یہ مدینہ سے شام کی طرف تین میل کی دوری پر ہے،،

ولیت،، لام کے تشدید کے ساتھ، فعل ماضی مجہول، من التولیۃ، یعنی جس وقت سے مجھ کو خلافت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے،،

غسل ما راٰء فیہ،، یہ جملہ منی کے نجس ہونے پر دال ہے اور یہی قول امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کا بھی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ امام اعظم رح کے نزدیک خشک منی کھرچ دینے سے پاک ہو جاتا ہے اور امام مالک رح کے نزدیک دونوں صورتوں میں دھونا ضروری ہے، اور امام شافعیؒ منی کے طاہر ہونے کے قائل ہیں، اور اس کے اندر جو غسل کا لفظ ہے اس کو تنظیف پر محمول کرتے ہیں،،

مالک عن یحیی بن سعید عن سلیمان بن یسار، انّ عمر بن الخطاب صلی بالناس الصبح ثم غدا الی ارضہ بالجرف فوجد فی ثوبہ احتلامًا، فقال انا لما اصبنا الودک لانت العروق، فاغتسل وغسل الاحتلام من ثوبہ وعاد الصلوٰۃ،،

ترجمہ حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی پھر مقام جرف کی سرزمین کی طرف صبح سویرے

تشریف لے گئے تو انھوں نے اپنے کپڑے میں منی کے اثر کو پایا تو فرمایا کہ جب ہمکو چکناہٹ لاحق ہوئی تو رگیں نرم پڑگئیں، پس غسل کیا اور منی کو دھویا اپنے کپڑے سے اور نماز کو لوٹایا،،

مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب انه اعتمر مع عمر بن الخطاب فى ركب فيهم عمرو بن العاص وان عمر بن الخطاب عرس ببعض الطريق قريبًا من بعض المياه فاحتلم عمر وقد كاد ان يصبح فلم يجد مع الركب ماء فركب حتى جاء الماء فجعل يغسل ما رأى من ذالك الاحتلام حتى اسفر، فقال له عمرو بن العاص اصبحت و معنا ثياب فدع ثوبك يغسل فقال عمر بن الخطاب واعجبا لك يا ابن العاص لئن كنت تجد ثيابا افكل الناس يجد ثيابا والله لو فعلتها لكانت سنة بل اغسل ما رأيت وانضح مالم ار ،،

ترجمہ حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرہ کیا حضرت عمر بن الخطابؓ کے ہمراہ، اس میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے، اور حضرت عمر بن الخطابؓ ایک جگہ پر آرام کرنے کے لئے ایک شب پڑاؤ ڈالا وہاں پر چشمہ بھی تھا پانی کا، سونے کی حالت میں حضرت عمر کو احتلام ہوگیا قریب تھا کہ صبح ہوجاتی، انہوں نے شہسواروں کے پاس پانی مفقود پایا تو وہ سوار ہوئے یہاں تک کہ وہ پانی کے چشمہ پر پہونچے پس دھویا ان تمام نجاستوں کو جس کو وہ اپنے کپڑے پر دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ صبح ہوگئی روشن، ـــــ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے صبح روشن کردی حال اینکہ ہمارے پاس کپڑے موجود ہیں، آپ اپنے کپڑے کو

چھوڑیے بعد میں دھولا جائے گا، تو حضرت عمر نے فرمایا اے ابن العاص! تم پر تعجب ہے اگر تم پائے ہوتے چند کپڑے تو لوگ بھی بھروسہ کریں گے کہ وہ کپڑے پالیں، خدا کی قسم اگر میں اسکو کرلیا تو سنت بن جائیگا، لھٰذا میں تو دھوؤں گا جس کو میں نے دیکھا ہے، اور جس کو نہیں دیکھا ہے اسکو چھینٹے ماروں گا،،

تشریح امام مالک رح اس حدیث کو پیش کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ منی ناپاک ہے، اگر ناپاک نہ ہوتی تو پھر حضرت عمر رض کپڑا دھونے کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرتے،،

اصل واقعہ یوں ہے کہ جو طحاوی شریف کے اندر ہے،، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایکمرتبہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لیجا رہے تھے عمرہ کے لئے اس میں عمرو بن العاص بھی تھے، لھٰذا ایک جگہ پر آرام کرنے کے لئے ایک شب پڑاؤ ڈالا، وہاں پر چشمہ بھی تھا پانی کا سونے کے وقت ان کو احتلام ہو گیا، اور فورًا اسی وقت وہ بیدار ہوئے اور لوگوں سے سوال کیا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ تو سبھوں نے انکار کیا، اس کے بعد صحابہ کو معلوم تھا کہ آگے چل کر پانی کا چشمہ ہے، لھٰذا اصحابہ کرام کو کوچ کرنے کا حکم دیا کہ چلو تو اس وقت تمام لوگ چلے اور تالاب پر پہونچنے کے بعد حضرت عمر رض نے غسل فرمایا اور جہاں جہاں کپڑے پر منی کا اثر تھا اس کو دھوتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو گیا، حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ اس لنگی کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں آپ اس کو چھوڑیئے ہمارے پاس دوسری لنگی ہے اس کو پہن کر نماز پڑھا دیجئے، لیکن حضرت عمر فاروق نے کہا نہیں ایسی بات نہیں! میں تو اپنی لنگی میں ہی نماز پڑھاؤں گا ——— تو دیکھئے اگر منی ناپاک نہیں ہے تو آخر کار ایسا کیوں کیا،،

دوسری بات یہ کہ حضرت عمر فاروق رض نے کہا کہ جہاں جہاں اثر دیکھوں گا وہاں وہاں دھوؤں گا، اور جہاں جہاں نہیں ہے وہاں پانی چھڑک دوں گا، اور ایسا ہی حکم رکھتا ہے

جیسے پیشاب کے بعد وضو کیا اور اس کے بعد اپنے شرمگاہ پر پانی چھڑک دیا تو اس کی وجہ سے شیطانی وساوس دور ہو جاتے ہیں، اسیطرح وہاں لنگی کا معاملہ ہے ممکن ہے کہ نماز میں بھیگا بھیگا معلوم ہو گا تو دل میں خیال پیدا ہو گا کہ یہاں منی ہے لھٰذا وساوس کے سدباب کے لئے انھوں نے ایسا کیا ہے ،،

تیسری بات یہ کہ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کہا کہ آپ اس لنگی کو پہنئے، لیکن عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اصرار کیا اور اپنی بات پر قائم رہے ایسا کیوں کیا ؟

جواب :۔ روایت یہاں مختصر ہے، اصل واقعہ یوں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ میں لنگی لا رہا ہوں آپ اسکو پہن کر نماز پڑھا دیجئے تو اس وقت امیر المومنین نے اس کو قبول کیا اور اسکو پہن لیا اور تھوڑی دور چلے پھر انھوں نے اسکو نکال کر واپس کر دیا اور کہا کہ میں تو اپنی لنگی دھل کر ہی نماز پڑھاؤں گا۔ تم لوگ انتظار کرنا ورنہ لوگ تمہاری والی لنگی کو دیکھ کر کہیں گے کہ عمر کے پاس ڈبل لنگی ہے، ایک سکھ رہی ہے اور ایک پہنے ہوئے ہیں تو یہاں دل ٹوٹے گا ان لوگوں کا جن کے پاس ایک لنگی ہے، اگر لوگوں نے مجھ سے سوال کر دیا تو میں کہاں کہاں لوگوں کو جواب دیا کروں گا کہ یہ عمرو بن العاص کی ہے، اس خوف سے انھوں نے اپنی لنگی کو پہن کر نماز پڑھائی جیسا کہ دو چادر کے واقعہ کے متعلق عمر رضؓ سے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران سوال کر دیا گیا ،

اس روایت سے واضح ہو گیا کہ منی ناپاک ہے اور دھونا ضروری ہے ،،

قال یحییٰ : مالک فی رجل وجد فی ثوبه اثر احتلام ولا یدری متی کان ولا یذکر شیئًا راٰه فی منامه قال لیغتسل من احدث نوم نامه فان کان قد صلی بعد ذالك النوم فلیعد ما کان صلی بعد ذالك النوم من اجل ان الرجل ربما احتلم

ولا یری شیئاً ویری ولا یحتلم فاذا وجد فی ثوبہ ماءً فعلیہ الغسل
وذالك ان عمر بن الخطاب اعاد ما كان صلی لاخر نوم نامہ
ولم یعد ما كان قبلہٗ

ترجمہ حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ امام مالک نے فرمایا ایک ایسے آدمی کے بارے میں جس نے اپنے کپڑا میں منی کے اثر کو پایا اور معلوم نہیں کہ کب احتلام ہوا اور اپنے خواب میں کیا دیکھا وہ کوئی چیز یاد نہیں ہے (تو وہ کیا کرے؟) امام مالک نے فرمایا چاہیئے کہ وہ غسل کرے سونے والا نوم کی حدث سے اگر اس نے اس نوم کے حدث کے بعد نماز پڑھ لیا ہے تو چاہیئے کہ وہ لوٹائے ان نمازوں کو جو نوم کے بعد پڑھ لیا ہے، اثرِ احتلام کی وجہ سے۔ —— ایک آدمی وہ ہے جسکو احتلام ہوا لیکن کسی چیز کو نہیں دیکھا، اور دیکھا لیکن احتلام نہیں ہوا، جب وہ پائے اپنے کپڑے پر پانی کے اثر کو تو اس پر غسل واجب ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز دکا اعادہ کیا جس کو پڑھ لیا تھا سونے کی وجہ سے جو حدث میں پیدا ہوا تھا، اور نہیں لوٹائے گا ان نمازوں کو جو اس سے پہلے پڑھی گئی ہے،،

صورت مسئلہ صورت مسئلہ فی الاحتلام یہ ہے کہ ایک آدمی نے خواب دیکھا اور صحبت کیا اور انزال بھی ہوگیا، لیکن جب بیدار ہوا اور ٹٹولا تو کپڑے پر کچھ بھی نہیں پایا تو اس پر غسل واجب نہیں ہے کیونکہ خواب کی بات وساوس شیطانی ہے، اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تفصیل،،

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے خواب دیکھا لیکن معلوم نہیں کہ اس نے کیا دیکھا گہری نیند کی وجہ سے، جب بیدار ہوا تو اس نے اپنے ازار پر تری اور بھگا ؤ کو پایا تو اس پر غسل واجب ہے! لیکن اس میں کچھ تفصیل اور تھوڑا سا اختلاف بھی ہے —— یہاں بقول صاحب البحر والشرنبلالی چودہ صورتیں ہیں،،

(۱) بلل دیکھ کر منی ہونے کا یقین ہو، (۲) یا مذی ہونے کا یقین ہو، (۳) ودی ہونے کا یقین ہو، (۴) اوّل دونوں میں شک ہو یعنے اسمیں شک ہے کہ منی ہے یا مذی، (۵) آخر دونوں میں شک ہو کہ مذی ہے یا ودی، (۶) طرفین میں شک ہو کہ منی ہے یا ودی، (۷) تینوں میں شک ہو، پھر ان میں سے ہر ایک صورت میں احتلام یاد ہوگا یا نہیں ہوگا،،

لھٰذا کل چودہ صورتیں ہوئیں، یجب الغسل فی تیقن المنی یتذکر الاحتلام ام لا، وفی تیقن المذی مع تذکر الاحتلام، وفی الصور الاربعۃ المشکوکۃ مع تذکر الاحتلام، ــــــ یعنے سات صورتوں میں غسل واجب ہے، (۱) منی ہونے کا یقین ہو، اور خواب یاد ہو، (۲) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو، (۳) مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، اور نمبر ۴ تا سات ۷، شک کی چار صورتیں جبکہ خواب یاد ہو۔

اور مندرجہ ذیل چار صورتوں میں باتفاق غسل واجب نہیں۔

(۱) ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، (۲) ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو، (۳) مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو، (۴) مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو،،

مندرجہ ذیل صورتوں میں اختلاف ہے۔

(۱) مذی اور منی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو، (۲) منی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو، (۳) تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو،، ان صورتوں میں طرفین کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے، لیکن امام ابو یوسف رح کے نزدیک غسل واجب نہیں، لاشک فی وجود الموجب،، ــــــ فتویٰ طرفین کے قول پر ہے،، (بحوالہ، آثار السنن، بذل المجہود، اوجز المسالک، المصفا، تنظیم الاشتات ج ۱ ص ۲۸، درس ترمذی ج ۱ ص ۳۴۳)

،،واللہ اعلم بالصواب،،

باب غسل المرأة اذا رأت فی المنام مثل ما یری الرجل

الحدیث الاول :- مالک عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر ان ام سلیم قالت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ! المرأۃ تری فی المنام مثل مایری الرجل اتغتسل فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم فلتغتسل فقالت لہا عائشہ اف لک وھل تری ذالک المرأۃ فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تربت یمینک ومن این یکون الشبہ،،

ترجمہ حضرت عروۃ بن زبیر رض سے روایت ہے کہ ام سلیم رض نے نبی کریم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ خواب کے اندر عورت اس کے مثل دیکھے جسکو مرد دیکھتے ہیں تو کیا وہ بھی غسل کرے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا ہاں اس پر بھی غسل واجب ہوگا، تو حضرت عائشہ رض نے اس وقت ام سلیم سے کہا کہ تمہاری ہلاکت ہو کیا عورت بھی اس چیز کو دیکھ سکتی ؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تمہارا دایاں ہاتھ ہلاک ہو پھر کہاں سے مشابہت پائی جائے گی،،

تشریح یہ مسئلہ باب در اعادۃ الجنب الصلوٰۃ وغسلہ اذا صلی ولم یذکر وغسل ثوبہ،، میں گذر چکا ہے، لیکن وہاں ضمناً تھا، اور یہاں امام مالک نے قصداً بیان کیا ہے، اس پر اتفاق ہے کہ عورت پر خروج الماء بشہوۃ سے غسل واجب ہوتا ہے۔ صرف امام نخعی رح سے مروی ہے ان کے نزدیک واجب نہیں ہوتا ہے، لیکن ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ امام نخعی رح کا قول محمول ہے اس پر کہ خروج الماء الی الفرج الخارج نہ ہوا ہو

بلکہ لذت کا احساس ہوا ہو،

چنانچہ صاحب درمختار نے فرمایا کہ اگر نزول ماء کا احساس ہوا لیکن فرج خارج تک وہ نہیں پہونچا، تو اس وقت بعض احناف کے نزدیک غسل واجب ہوگیا لیکن مختار یہ ہے کہ واجب نہ ہوا، کیونکہ حق مرأۃ میں وجوب غسل کا مدار خروج الماء الی الفرج الخارج ہے۔

حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاً عورتوں کو احتلام بہت کم ہوتا ہے، مثلاً عورتوں میں سے ایک عورت کو احتلام کا تجربہ ہوگا وہ بھی زندگی میں ایک دوبار، وجہ اسکی یہ ہے کہ مرد کا سارا اسسٹم باہر ہوتا ہے اور عورت کا سارا اسسٹم اندر ہوتا ہے، جس طرح مرد کو خصیے ہوتے ہیں اسیطرح عورتوں کو بھی، کیونکہ منی اسی سے پیدا ہوتی ہے، جس طرح مرد کا لمبا ہوتا ہے خارج میں، اسیطرح عورت کا بھی اندر میں لمبا ہوتا ہے، اب مرد کو جب تحریک ہوا تو باہر خروج ہو جاتا ہے، لیکن عورت میں تو دباؤ کی وجہ سے تحریک پیدا نہیں ہوتا،،

اس باب کی حدیث اور مقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت میں بھی مادۂ منویہ موجود ہوتا ہے جس کا خروج بھی ہوتا ہے، لیکن بعض اطباء نے نفی کی ہے کہ عورت کو احتلام نہیں ہوتا، ہمارے مشائخ جواب دیتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ منی مرأۃ مثل منی الرجل نہیں ہوتی۔ یہ تحقیق شیخ بوعلی سینا کے قول سے مؤید ہے، جنہوں نے تصریح کی ہے کہ عورت میں منی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا خروج باہر کیجانب نہیں ہوتا۔ ورنہ جہاں تک اس کے وجود کا معاملہ ہے اس میں شبہ نہیں ہے، کیونکہ میں نے خود ان کے مستقر میں منی دیکھی ہے،،

فقالت لها عائشة ،، اس روایت میں اس قول کا فاعل حضرت عائشہ رضؓ کو قرار دیا گیا ہے، جبکہ ترمذی کی روایت میں حضرت ام سلمہ رضؓ کو قرار دیا گیا ہے اور بخاری کے اندر بھی حضرت ام سلمہ رضؓ کو قرار دیا گیا،، وفی البخاری غطت ام سلمہ وجهها وقالت او تحتلم المرأة،،،،

قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس تعارض کو اس طرح دفع کیا کہ اس

وقت حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالے عنہا دونوں موجود تھیں، اور دونوں نے یہ بات کہی تھی۔ فذکر کل، او مالم یذکرہ الاخر،،

تربت یمینک،، حقیقتاً یہ بد دعائیہ جملہ ہے لیکن یہاں اپنے معنٰے ظاہری پر محمول نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم کو یہ بات نہ پوچھنی چاہیئے، یہ زجر و توبیخ کے لیے ہے،،

الحدیث الثانی،، مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن زينب بنت ابي سلمة عن ام سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم انها قالت جاءت ام سليم امرأة ابي طلحة الانصاري الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يارسول الله، ان الله لا يستحيي من الحق هل على المرأة من غسل اذا هي احتلمت قال نعم اذا رأت الماء،،

ترجمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالے عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ام سلیم یعنے ابو طلحہ انصاری رضی کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ رب العزت حق بیان کرنے سے حیاء نہیں کرتا، تو کیا عورتوں پر غسل واجب ہوگا؟ جب اسکو احتلام ہو" آپ نے فرمایا ہاں جب وہ پانی کو دیکھ لے،،

ازالۂ شبہ روایت یہاں مختصر ہے، ترمذی شریف اور بخاری شریف کے اندر آگے عبارت یوں ہے ،، قالت ام سلمة قلت لها فضحت النساء يا ام سليم،، مطلب یہ ہے کہ تم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک ایسی بات پوچھی جو عورتوں کے کثرت شہوت پر دال ہے اس لئے تم نے عورتوں کو رسوا کر دیا،،

والکتمان فی ذالك من عادة النساء،، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ترمذی

شریف در باب فیمن یستیقظ و یری بللاً ،، میں ہے کہ خود حضرت ام سلمہ ہی نے آپ سے سوال کیا تھا تو پھر حضرت ام سلیم پر اعتراض کا کیا جواز ہے ،

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رض کی وہ روایت جس میں ام سلمہ کو اس سوال کا سائل قرار دیا گیا ہے ، عبد اللہ بن عمر راوی کی وجہ سے ضعیف ہے ، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ،، عبد اللہ ضعفہ یحیی بن سعید من قبل حفظہ فی الحدیث ،، لہٰذا اس باب کا قوی امکان ہے کہ وہاں پر بھی اصل سائلہ ام سلیم ہوں ، جن کا نام ضعیف راوی کو یاد نہ رہا اور اس نے ام سلمہ کا نام ذکر کر دیا ،،

باب جامع غسل الجنابۃ

یہاں سے امام مالک رح غسل جنابت کے سلسلے میں متفرق احادیث لا رہے ہیں کہیں تو مرد کا تذکرہ ہے ، کسی روایت میں عورت کے غسل کا تذکرہ ہے ، کسی میں مرد و عورت دونوں کا تذکرہ ہے

الاوّل :- مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان یقول لاباس بان یغتسل بفضل المرأۃ مالم تکن حائضاً او جنباً ،،

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی حرج نہیں ہے اس کے اندر کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے جب تک کہ وہ حائضہ یا جنبی نہ ہوں ،،

تشریح ضابطہ یہ ہے کہ پہلے مرد وضو یا غسل کرلے پھر عورت اس بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرے یہ بالاجماع جائز ہے ، دوسرا مسئلہ مرد

اور عورت دونوں ایک برتن سے بیک وقت غسل یا وضوء کرے یہ بھی جائز ہے ،،

تیسرا مسئلہ :۔ پہلے عورت گئی اور وضوء یا غسل میں پانی استعمال کیا لیکن مرد وہاں پر موجود نہیں تھا، اب مرد گیا اور برتن کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کیا تو اب جائز ہے یا ناجائز، تو ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے ،،

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ،

ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، اس تیسری صورت پہ احادیث متعارض ہیں ،، ——— اول حدیث، قبیلہ ابوذر غفاریؓ کے ایک شخص حکم بن عمرو الغفاری ہیں، انکی حدیث ہے، قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فضل طهور المرأة،، ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ روایت مروی ہے، یہ حدیث قولی ہے ،،

اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من اناء واحد من الجنابة ،، اس سے اغتسال معاً کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور یکے بعد دیگرے استعمال الفضل کا جواز ابن عباس ہی کی روایت ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے ،، قال اغتسل بعض ازواج النبي صلى الله عليه وسلم في جفنة فاراد رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يتوضأ منه فقالت يا رسول الله اني كنت جنبًا فقال إن الماء لا يجنب ،، یہ فرما کر آپؐ نے وضوء شروع کر دیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضوء کرنا جائز ہے، اب دونوں حدیثوں میں تعارض ہوگیا ،،

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی دو شکلیں ہیں ،، قال الحافظ في الفتح، یہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی در حقیقت باب معاشرت سے متعلق ہے، چونکہ عورت عموماً مرد کے مقابلے میں نظافت و طہارت اور پاکیزگی کا اہتمام کم کرتی ہے اس لئے اس کے فضل طہور کے استعمال سے شوہر کو تکلیف ہو سکتی ہے اور یہ چیز زوجین کے درمیان سوء معاشرت کیطرف مفضی ہو سکتی ہے، اس لئے اس سے منع کیا

گیا ہے۔

علامہ خطابی نے معالم السنن میں ایک جواب یہ بھی دیا کہ یہاں فضل سے مراد ماء مستعمل ہے، لیکن جمہور نے اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ حدیث کو ماء مستعمل پر محمول کرنا بہت ہی بعید ہے بہر حال حدیث باب میں نہی تشریعی نہیں بلکہ ارشاد کے لئے ہے،،

الثانی:۔ مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان يعرق فى الثوب وهو جنب ثم يصلى فيه،،

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر کے کپڑے پسینہ سے شرابور ہو جاتے حال اینکہ جنبی ہوتے پھر اسی میں نماز پڑھتے،،

تشریح جنبی کا پسینہ پاک ہے یہ اتفاقی مسئلہ ہے، جنابت حدث ہے لیکن کپڑا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ——— ابن منذر فرماتے ہیں کہ تمام امت کا اجماع ہے کہ جنبی کا عرق پاک ہے اور اس کی دلیل میں حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس وعائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے عمل کو پیش کیا ہے "کذا فی المغنی"، اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ مدینہ کے کسی راستہ میں انکی ملاقات حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہو گئی حال اینکہ وہ (ابو ہریرہ) جنبی تھے، وہ وہاں سے آہستہ سے کھسک گئے پھر غسل کرنے کے بعد آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ کہاں چلے گئے تھے تو عرض کیا کہ میں جنبی تھا، میں نے ناگوار سمجھا کہ جنابت کی حالت میں آپ سے ملاقات کروں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان المومن لا ینجس"،،

الثالث مالك عن نافع أن ابن عمر كان يغسل جواريه رجليه ويعطينه الخمرة وهن حيض،،

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ اپنے پاؤں کو اپنی باندی کی مدد سے دھوتے تھے اور وہ آپ کو مصلی دیتی تھی حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں۔

مطلب حائضہ عورت سے کسی کام میں کسی کام میں مدد لیا جائے تو اس سے مرد ناپاک نہیں ہوتا، شریعت نے مسئلہ اتنا آسان کر دیا کہ آپ حائضہ کے ساتھ لیٹ سکتے ہیں کھانا کھا سکتے ہیں اس کے جسم سے گرمی حاصل کر سکتے ہیں بالغرض! سوائے جماع کے تمام ازدواجی امور انجام دیئے جا سکتے ہیں،، جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم مسجد سے حصیر لے آؤ، تو حضورؐ کے طلب حصیر پر عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ میں تو حالت حیض میں ہوں، اس پر آپؐ نے فرمایا کہ دمِ حیض تمہارے ہاتھ پر نہیں لگ رہا ہے،،

> الرابع: قال یحیی عبد اللہ وسئل مالک عن رجل لہ نسوۃ وجوار ہل یطوھن جمیعاً قبل ان یغتسل فقال لا باس بان یصیب الرجل جاریتہ قبل ان یغتسل، فاما النساء الحرائر فانہ یکرہ ان یصیب الرجل المرأۃ الحرۃ فی الاخری، فاما ان یصیب الرجل الجاریۃ ثم یصیب الاخری وھو جنب فلا باس بذالک،،

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا ایک آدمی کے بارے جسکے پاس چند آزاد عورتیں اور چند باندیاں ہوں تو کیا وہ تمام کے ساتھ غسل کرنے سے قبل جماع کر سکتا ہے؟ تو اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا۔ کوئی حرج نہیں کہ مرد اپنی باندی کے ساتھ جماع کرے غسل کرنے سے پہلے، رہا معاملہ آزاد عورتوں کا تو وہ اس کو ناپسند کرتی ہیں کہ مرد آزاد عورت کے پاس قبل الغسل یکے بعد دیگرے جائے، اور رہا معاملہ یہ کہ مرد اپنی

باندی کے ساتھ جماع کرے پھر دوسری سے ملے حالت جنابت میں، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے

دفع تعارض

مسئلہ:۔ باندی کے پاس حالتِ جنابت ہی میں جانا بغرض جماع درست ہے بلا کراہت، کیوں کہ صحبت کرنے میں یہاں مالک کو کلی اختیار ہے اور باندی اس کو ناگوار نہیں سمجھ سکتی، رہا معاملہ آزاد عورتوں کا تو اس کے پاس بہتر یہ ہے کہ غسل کر کے جایا جائے تاکہ آدمی کے جسم میں نشاط ہو اور پھر مکمل طور پر بیوی کے خواہشات کی تکمیل ہوگی، دوسری بات یہ کہ ایک عورت کے پاس جانے کے بعد اگر دوسری کے پاس جائیں گے تو دوسری بیوی ناگواری ظاہر کرے گی، کیونکہ نظافت ہر ایک کو محبوب ہے، اب تعارض ہو رہا ہے دو حدیثوں کے درمیان، اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا غسل نہیں جانا چاہیے، اسی طرح ابو رافع کی روایت میں ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نسائه یغتسل عند هذه و عند هذه، قال فقلت له یا رسول اللہ الا تجعله غسلا واحدا فقال هذا ازکی و اطیب و اطهر، لیکن بخاری کی روایت ہے کان صلی اللہ علیہ وسلم یطوف علی نسائه فی اللیلة الواحدة

تطبیق بین الروایتین، اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جماعین کے درمیان غسل ضروری نہیں، چنانچہ آپؐ کا عمل اسی بیان جواز کے لئے تھا ورنہ آپ کا عام معمول یہ نہیں تھا آپ کا عام معمول ابو رافع کی حدیث جو سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹ پر ہے اسکے مطابق تھا،

پھر یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ ایک ہی رات میں تمام ازواج کے پاس جانا بظاہر قسم بین الزوجات کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں تو بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ آپ پر قسم واجب نہیں تھا، جیسا کہ آیت قرآنی ”تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ“ سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ جواب اس لئے کمزور ہے کہ اگر آپ پر قسم کا عدم وجوب تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ بات مسلم ہے کہ آپ نے ہمیشہ قسم کا لحاظ رکھا ہے، اور کبھی اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا، بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ طواف علی النساء صاحب النبوة کی اجازت

سے تھا، بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ واقعہ متصلاً سفر کے بعد کا ہے، جبکہ نوبت شروع نہیں ہوئی تھی، بعض نے کہا کہ یہ قسمۃ کے وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے، بعض نے کہا کہ یہ واقعہ عند استیفار القسمۃ پیش آیا، اس کے بعد قسمت کا استیناف ہوا۔

الخامس :- قال یحیی وسئل مالك عن رجل جنب وضع له ماء یغتسل منه فنسیها فادخله اصبعه فیه لیعرف حرّ الماء من بردہ قال مالك ان لم یکن اصاب اصابعه اذیً فلا اری ذالك ینجس علیه الماء ،،

ترجمہ حضرت یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ سے ایک جنبی آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے لئے پانی رکھا گیا تاکہ اس سے وہ غسل کرے پس وہ بھول گیا، اس نے اپنی انگلیوں کو اس کے اندر داخل کیا تاکہ پانی کی حرارت جان لے اور برودت کو جان لے، تو امام مالک رحمہ نے جواب دیا اگر اس کی انگلی پر نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک نہیں ہوا ،،۔

باب التیمم

اس باب کو قائم کرکے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مشروعیت تیمم اور صفت تیمم کو بیان کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ باب کی حدیث اول سے مشروعیت، اور اس کے مابعد کی روایات سے صفت تیمم کو بیان کیا ہے،،

تیمم کے لغوی معنے قصد کے ہیں، اور تیمم کے شرعی معنے پاک مٹی کو قاعدۂ شرعیہ کے مطابق استعمال کرنا طہارت کی نیت سے۔

مشروعیت :- جاننا چاہئے کہ جس طرح افک عائشہ کے قصہ کی بنا رفقد عقد (ہار کا گم ہونا) ہے، اسیطرح مشروعیت تیمم کا سبب بھی یہی ہار کا گم ہونا ہے، افک کا واقعہ بالاتفاق غزوہ مریسیع میں پیش آیا جس کو غزوہ بنو المصطلق بھی کہتے ہیں، اور ایک بڑی جماعت جن میں علامہ ابن عبد البر، ابن سعد، ابن حبان بھی ہیں، ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ آیت تیمم کا نزول بھی اسی غزوہ میں ہوا، اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قصہ افک پیش آنے کے بعد ایک دوسرے سفر میں دوبارہ ہار گم ہوا اور اس پر آیت تیمم کا نزول ہوا،

چنانچہ طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ واقعہ افک پیش آنے کے بعد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے غزوہ میں شریک ہوئیں اس میں تیمم کا حکم نازل ہوا، لیکن اس روایت میں اس سفر کا نام مذکور نہیں ہے،

حافظ ابن القیم رح زاد المعاد میں فرماتے ہیں ”وہذا ہو الظاہر“، اور ایسے ہی حافظ ابن حجر کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، حافظ رح نے بعض علماء سے آیت تیمم کا نزول غزوہ ذات الرقاع میں ہونا نقل کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا غزوہ یہی ہو،،

جس کو حضرت عائشہ فرما رہی ہیں، لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ذات الرقاع مقدم ہے یا بنو المصطلق؟

قسطلانی رح فرماتے ہیں کہ آیت تیمم کا نزول ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا، اور تاریخ خمیس میں ۷ھ لکھا ہے، اور ابن الجوزی نے التلقیح میں ۴ھ لکھا ہے، "واللہ اعلم"

"بحوالہ الدر المنضود ص ۲۴۲"

الحدیث الاول :- مالك عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابيه عن عائشة ام المومنين انه قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بعض اسفاره حتى اذا كنا بالبيداء او بذات الجيش انقطع عقد لى فاقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه واقام الناس معه وليسوا على ماء وليس معهم ماء فاتى الناس الى ابى بكر الصديق فقالوا الاترى ماصنعت عائشة اقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم وبالناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء فقالت فجاء ابوبكر ورسول الله صلى الله عليه وسلم واضع راسه على فخذى قد نام فقال حبست رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء قالت عائشة فعاتبنى ابوبكر وجعل يطعن بيده فى خاصرتى فلا يمنعنى من التحرك الا مكان رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم على فخذى فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اصبح على غير ماء فانزل الله تعالى اية التيمم، فقال اسيد بن الحضير ماهى باول بركتكم يا آل ابى بكر، قالت فبعثنا البعير الذى كنت عليه فوجدنا العقد تحته"

ترجمہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم بعض سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب ہم لوگ مقام بیدار یا ذات الجیش میں پہونچے تو میرا ہار گم ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں ٹھہر گئے اور آپ کے ساتھ سب لوگ ٹھہر گئے، اس جگہ پانی نہ تھا اس لئے سب لوگ پریشان ہو گئے، کچھ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور شکایت کی کہ آپؓ دیکھتے ہیں کہ عائشہ نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ساری جماعت کو ایسی جگہ روک دیا جہاں پانی نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے پاس موجود ہے،

فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیق میرے پاس آئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے، حضرت ابوبکر نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے جہاں پانی نہیں ہے اور نہ لوگوں کے پاس موجود ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر مجھ پر غصہ ہوئے اور جو کچھ کہنا تھا کہا، اور میری کوکھ میں اپنے ہاتھ سے کچوکے لگانے لگے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی،

چنانچہ صبح کو جس وقت اٹھے تو پانی نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی (تو سب نے تیمم کر کے نماز پڑھی)

اسید بن حضیر نے کہا "ماہی باول برکتکم یا آل ابی بکر" یعنے اے آل ابی بکر یہ جو تیمم کا حکم نازل ہوا یہ تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی سہولت اور آسانیوں کے احکام نازل ہو چکے ہیں، حضرت عائشہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کے پاس بھیجا جہاں میں پہلے تھی تو ہم نے اسکے نیچے اس ہار کو پایا =

تشریح جب اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم "وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا

صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ... نازل فرمایا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کرو، تیمم کی رخصت نازل ہونے سے حضرت ابوبکر کو ایک خاص مسرت ہوئی اور عائشہ سے مخاطب ہوکر تین بار یہ کہا انك المباركة، انك المباركة، انك المباركة "اے بیٹی بلاشبہ تو بڑی مبارک ہے"

اس مذکورہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت تیمم کا نزول غزوہ بنی المصطلق میں نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے بعد کسی دوسرے غزوے اور سفر میں دوبارہ ایسی جگہ ہار گم ہوا جہاں پانی نہیں تھا اور نماز صبح کا وقت آگیا تھا، اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی،،

الحديث الثاني :- قال يحيى سئل مالك عن رجل تيمم لصلوة حضرت ثم حضرت صلوة اخرى اتيمم لها ام يكفيه تيممه ذالك فقال بل تيمم لكل صلوة لان عليه ان يبتغي الماء لكل صلوة فمن ابتغى الماء فلم يجده فانه تيمم،،

ترجمہ حضرت یحییٰ سے مروی ہے کہ امام مالک رح سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے موجودہ نماز کے لئے تیمم کیا پھر دوسری نماز حاضر ہوگئی تو کیا اب وہ اس نماز کے لئے تیمم کرے گا یا وہی تیمم اسکو کافی ہوگا، تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ وہ ہر نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ تیمم کرے گا، کیونکہ پانی کی تلاش ہر نماز کے لئے اس پر واجب ہے، پس جس شخص نے پانی کو تلاش کیا لیکن اس کو نہ پاسکا تو اب وہ تیمم کرے،،

صورت مسئلہ زید نے ظہر کی نماز کے تیمم کیا اب اس تیمم سے وہ عصر کی نماز بھی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، ایک بنیاد

کے تحت ہے ——— تیمم حنفیہ کے نزدیک طہارت مطلقہ (کاملہ) ہے، اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک طہارت ضروریہ ہے، اسی لئے ہمارے یہاں تیمم دخول وقت صلوٰۃ سے پہلے بھی کرسکتے ہیں، اور ائمہ ثلثہ کے یہاں دخول وقت صلوٰۃ سے پہلے تیمم جائز نہیں، اس لئے کہ ضرورت کا تحقق وقت کے بعد ہی ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں خروج وقت سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ نیز امام احمد کے نزدیک وقت کے اندر اندر تیمم واحد سے متعدد نمازیں قضاء واداء پڑھ سکتے ہیں، اور شوافع اور مالک کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے مستقل تیمم ضروری ہے، ولو فی وقت واحد، البتہ نوافل ان دونوں کے یہاں فرائض کے تابع ہیں،
شافعیہ کے یہاں نوافل قبلیہ وبعدیہ دونوں اور مالکیہ کے یہاں صرف بعدیہ،
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی اس وقت تک تیمم کی حالت میں برقرار رہ سکتا ہے جب تک اس کو حدث لاحق نہ ہوجائے "المتیمم علی تیممہ مالم یحدث"، رواہ الامام عن حماد عن ابراھیم، وھو قول الحسن وعطاء،

الحدیث الثالث، قال یحیی وسئل مالک عن رجل تیمم ایؤم اصحابہ وھم علی وضوء قال یؤمھم غیرہ احب الی ولو امھم ھو لم ار بہ باسا،

ترجمہ حضرت یحیی کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو کہ متیمم ہے، کیا وہ اپنے ساتھیوں کی امامت کراسکتا ہے؟ باوجودے کہ احباب حالت وضوء میں ہوں تو امام مالک نے جواب دیا اس کے علاوہ کی امامت کرنا ان لوگوں کے حق میں میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر انکی امامت وہ کرے تو اسکے اندر بھی کوئی قباحت نہیں سمجھتا ہوں،،

متیمم کے پیچھے متوضئین کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تو ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ متیمم کے پیچھے متوضئین کی امامت درست ہے ——— امام محمد رح فرماتے ہیں کہ امامت درست نہیں ہے۔ خواہ متوضئین کے پاس پانی ہو یا نہ ہو، کیونکہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور طہارت اصلیہ حاصل ہوتی ہے پانی کے ذریعہ اور یہاں تیمم وضوء کا خلیفہ ہے اور وضوء اصل ہے، لھٰذا اصل کے آگے خلیفہ کو بڑھنے کا کوئی حق نہیں ہے،

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانی کا خلیفہ مٹی ہے اور یہاں پانی مفقود ہے لہٰذا یہ امامت کرسکتا ہے کیونکہ اصل کے قائم مقام خلیفہ مٹی ہے۔

الحدیث الرابع قال یحیی: قال مالک فی رجل تیمم حین لم یجد ماء فقام فکبر ودخل فی الصلوٰۃ فطلع علیہ انسان معہ ماء فقال لا یقطع صلوٰتہ بل یتمھا بالتیمم ولیتوضأ لما یستقبل من الصلوات،،

ترجمہ حضرت یحییٰ نے کہا کہ امام مالک رح نے فرمایا ایک ایسے آدمی کے بارے میں جس نے تیمم کیا جس وقت کہ پانی کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہو سکا، پس کھڑا ہوا اور تکبیر کہکر نماز میں داخل ہو گیا اب اثنائے صلوٰۃ ایک آدمی اس کے پاس آیا جس کے پانی ہے؟ تو امام مالک رح نے فرمایا وہ اپنی نماز کو نہیں توڑے گا، بلکہ اسکو مکمل کرے گا تیمم ہی کے ساتھ، اور چاہیئے کہ آئندہ نمازوں کے لئے اب وضوء کرے،،

المسئلة فی التیمم یجد الماء فی اثناء الصلوٰة

یہاں تین مسئلے بیان کیے جارہے ہیں،،

مسئلۂ اولیٰ:۔ یہ کہ تیمم کرکے نماز شروع کرنے کے بعد قبل الفراغ من الصلوٰۃ اگر پانی ملے تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ صاحب البذل نے شوکانی رح سے نقل کیا ہے کہ شافعی مالک اور داؤد ظاہری کے نزدیک نماز کو قطع نہ کرے بلکہ قطع کرنا حرام ہے،، لقولہ تعالیٰ لاتبطلوا اعمالکم،، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وثوری اوزاعی ومزنی کے نزدیک "یجب علیہ الخروج من الصلوٰۃ واعادتہا بالوضوء،، کیونکہ بوقت وجود الماء جو فاغسلوا کا حکم ہے وہ اس پر عود کرآیا،

الجواب:۔ یہاں اگرچہ ابطال ہے ظاہرًا لیکن درحقیقت اتمام ہے، اور صاحب البذل نے خود جو نقل کیا وہ یہ کہ "فالجمھور علی انہ لایقطعہا وھی صحیحۃ،، وقال ابوحنیفۃ واحمد فی روایۃ یبطل تیممہ،، تومعلوم ہوا کہ عدم صحت صلوٰۃ امام اعظم کا ایک قول ہے (کما قالہ القاری) ——— دوسری بات یہ کہ رویت ماء کے بعد اگر اس کے استعمال کرنے پر قادر ہو تو تیمم ٹوٹ جائیگا،،

دوسرا مسئلہ:۔ یہ کہ تیمم کرکے اب تک نماز شروع نہیں کی کہ پانی مل گیا ہو تو داؤد وسلمہ بن عبدالرحمٰن کے نزدیک وضوء واجب نہیں ورنہ ابطال تیمم لازم آئے گا،، اور (ولاتبطلوا اعمالکم) لیکن جمہور فقہاء وائمہ کے نزدیک وضوء کرنا واجب، لعود حکم فاغسلوا علیہ بعود وجدان الماء،،

تیسرا مسئلہ:۔ یہ کہ اگر تیمم کرکے نماز پڑھنے کے بعد پانی ملا ہو اور وقت بھی باقی ہو تو طاؤس، عطاء، مکحول، ابن سیرین، زہری اور ربیعہ کے نزدیک اعادۂ صلوٰۃ واجب ہے

توجہ الخطاب،، اور نماز کے لئے وضو رشرط ہے وہ اس کے لئے ممکن ہوا لیکن امام اعظم مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اعادہ واجب نہیں۔

دلیل ا:۔ حدیث ابی سعید رض للذی لم یعد بعد الصلوٰۃ للتیمم انہ علیہ السلام قال اصبت السنۃ واجزأتک صلوتک،،

الجواب:۔ بان دلیلھم مردود لانہ لا یتوجہ الطلب بعد قولہ علیہ السلام اصبت السنۃ، فالقیاس مع صریح النص غیر معتبر،،

قال یحیی مالک من قام الی الصلوٰۃ فلم یجد الماء فعمل بما امرہ اللہ بہ من التیمم فقد اطاع اللہ عز وجل ولیس للذی وجد الماء باطھر منہ ولا اتم صلوٰۃ لانھما امرا جمیعاً فکل عمل بما امرہ اللہ عز وجل بہ وانما العمل بما امر اللہ تعالیٰ بہ من الوضوء لمن وجد الماء والتیمم لمن لم یجد الماء قبل ان یدخل فی الصلوٰۃ،،

ترجمہ حضرت یحیی سے روایت ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا جو شخص نماز کا ارادہ کرے پس وہ پانی نہ پائے تو وہ وہ عمل کرے جس کا حکم اسکو اللہ نے دیا ہے یعنی تیمم کر کے نماز پڑھے تو تحقیق کہ اس نے اللہ رب العزت کی اطاعت کی، اور جس نے پانی نہیں پایا تو اس سے زیادہ پاکیزہ کوئی چیز نہیں، اور اس کے ذریعہ سے نماز مکمل کرنے سے زیادہ کوئی چیز موثر نہیں کیونکہ ان دونوں چیزوں کا حکم اللہ نے دیا ہے پس ہر حکم پر جس کا اللہ نے حکم دیا ہے عمل کرنا ہے، اور رہا معاملہ اس چیز پر عمل کرنیکا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی وضوء کرنے کا اس صورت میں ہے جبکہ پانی پر قادر ہو اور تیمم کا حکم اس وقت ہے جبکہ نماز کے اندر داخل ہونے سے قبل پانی کے حصول پر قادر نہ ہو،

مطلب اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بحسن وخوبی اختتام پذیر کرنے کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں، مثلاً نماز کے لئے وضو کا ہونا شرط ہے، اور وضو اس وقت ہوگا جب کہ پانی پر قادر ہو، ورنہ تیمم اس کا خلیفہ ہے، اس حدیث کے اندر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا حکم دیا، ایک وضو کا جیسے یاایھاالذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق، وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین،، ـــــ اور تیمم کے بارے میں حکم ،، وان کنتم مرضیٰ او علی سفر اوجاء احد منکم من الغائط اولامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم،، لھٰذا دونوں حکم پر عمل کرنا قاعدۂ شرعیہ کے مطابق ضروری ہوگا،،

قال ؛ یحییٰ :۔ قال مالک فی الرجل الجنب انہ تیمم ویقرأ حزبہ من القرآن ویتنفل مالم یجد الماء وانما ذالک فی المکان الذی یجوز لہ ان یصلی فیہ بالتیمم،،

ترجمہ حضرت یحییٰ سے روایت ہے کہ مالک نے ایک جنبی آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ تیمم کرے گا اور قرآن کے حصّہ کو پڑھے گا اور نفل نماز پڑھتا رہے گا جب تک کہ پانی نہ پالے، اور اسی جگہ میں اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تیمم کے ذریعہ نماز پڑھے،،

”باب العمل فی التیمم“

،، الحدیث الاوّل،، مالک عن نافع انہ اقبل ھو وعبد اللہ بن عمر من الجرف حتیٰ اذا کانا بالمربد نزل عبد اللہ فتیمم

صعیدا طیبًا فمسح بوجهه ویدیه الی المرفقین ثم صلّی،،

ترجمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرحضرت نافع سے، کہ نافع اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مقام جُرُف سے آئے یہاں تک کہ جماہ دونوں مقام مربد پر پہونچے تو وہاں اترے، اور پاک مٹی سے تیمم کیا، پس مسح کیا اپنے چہرہ اور اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک، پھر نماز ادا کی،،

اِخْتِلَافٌ فِی تَفْسِیْرِ صَعِیْدٍ طَیِّبٍ وَضَرْبَۃُ الْیَدِ فِی التَّیَمُّمِ

الجُرُف:- جیم اور را کے ضمہ کے ساتھ، یہ ایک جگہ کا نام ہے یہ مدینہ منورہ سے تین میل کی دوری پر ہے، اس کے متعلق مفصل بحث گذر چکی ہے۔

المربد:- میم کے کسرہ اور را کے سکون کے ساتھ۔ یہ مدینہ سے ایک میل کی دوری پر ہے

صعیدا طیبًا:- قرآن پاک میں حکم ہے کہ صعید طیب سے تیمم کیا جائے لھذا صعید طیب سے تیمم بالاجماع جائز ہے، لیکن صعید طیب کی تفسیر میں اختلاف ہے،

امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ نے اس کی تفسیر صرف تراب کے ساتھ کی ہے لہٰذا ان کے یہاں صرف تراب سے کرسکتے ہیں، نیز ان دونوں کے نزدیک تراب ذی غبار ہونا چاہئے تعلق الغبار بالید ضروری ہے، کتب شافعیہ وحنابلہ میں اس کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے،

اور احناف میں سے امام ابو یوسف رح کے نزدیک بھی علی القول الاصح تیمم تراب کے ساتھ خاص ہے، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صعید کا مصداق وجہ الارض (روئے زمین) ہے لہٰذا تیمم تراب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کل ما کان من جنس الارض سے جائز ہے۔ اور جنس الارض سے مراد یہ ہے کہ جو چیز آگ پر

گرم کرنے سے نہ پگھلے، اور جلانے سے راکھ ہو، جیسے جص، نورہ، زرنیخ، حجر وغیرہ، اور بعض مالکیہ کے نزدیک اس میں مزید عموم ہے وہ یہ کہ "ما اتصل بالارض" سے بھی جائز ہے جیسے نبات، بشرطیکہ مقلوع نہ ہو، نیز وقت میں تنگی ہو، اور دوسری کوئی چیز سامنے نہ ہو،

(ذکرہ صاحب المنہل) (وکذا ذکرہ صاحب الدر المنضود ص ۴۲۳)

دلائل احناف (۱) قولہ تعالیٰ، فتیمموا صعیداً طیبا (پ۶/۵/) مصباح اللغات میں الصعید وجہ الارض ترابا کان او غیرہ۔ وفی القاموس الصعید الطیب ھو التراب او وجہ الارض ــــــ (۲) حدیث جابرؓ مرفوعاً قال جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً (رواہ البخاری) تو جس طرح جنس الارض پر نماز پڑھنا درست ہے اسی طرح جنس ارض پر تیمم کرنا بھی درست ہے۔

دلیل شوافع حدیث حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجعلت تربتھا لنا طہوراً ــــــ (رواہ مسلم)

جواب شوافع تربتھا لنا طہوراً، کی حدیث احناف اور مالکیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ حضرات بھی تراب سے تیمم کو جائز کہتے ہیں، باقی دوسرے نصوص کی بنا پر کہتے ہیں کہ تراب پر منحصر نہیں بلکہ جنس تراب سے بھی جائز کالتراب، والرمل، والحجر، والجص، والنورہ، والکحل، والزرنیخ، ــــــ (کما فی الہدایہ وغیرہ)

فمسح بوجھہ ویدیہ:۔ اس کا مسئلہ آئندہ اسی باب کی حدیث میں آرہا ہے کہ تیمم میں کتنی ضربیں ہیں اور کن کن اعضاء پر مسح کیا جائے گا،،

ثم صلی،، مقام مربد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر ادا کی، اور مربد مدینہ سے ایک میل کی دوری پر ہے۔ جو کہ آبادی سے متصل ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں نہیں ہیں بلکہ حضر میں ہیں کیوں کہ عصر کی نماز ادا کر کے اپنے شہر میں اس وقت لوٹے جس وقت سورج بہت زیادہ بلند اور روشن تھا،

تواب یہاں تیمم فی الحضر کا مسئلہ کیا ہوگا۔ ملاحظہ ہو "

تیمم فی الحضر، طویل الذیل اور تفصیل طلب ہے سو اس کے مختلف اسباب اور وجوہ ہوسکتی ہیں اور وہ ہمارے تتبع کے اعتبار سے چار ہیں ،،

الوجہ الاول :۔ لعدم وجدان الماء، حنفیہ کے یہاں عدم وجدان ماء کیوجہ سے شہر میں تیمم کرسکتا ہے یا نہیں ؟ لبعض متون احناف سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم وجدان ماء معتبر نہیں کیونکہ یہ بہت نادر ہے۔ صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ نادر ہے لیکن اتفاقاً ایسا ہو جائے تو راجح قول کی بناء پر ہمارے یہاں جائز ہے، در مختار میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، اور لامع میں حضرت گنگوہی رح کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور ائمہ ثلثہ کا مذہب ہے، لیکن ان کے یہاں وجوب اعادہ میں اختلاف ہے یعنے جب پانی مل جائے تو اعادۂ صلوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ ــــــ امام احمد رح کے اس میں دونوں قول ہیں کما فی المغنی، لیکن الروض المربع میں عدم وجوب اعادہ کی تصریح ہے، اور امام مالک رح کا بھی راجح قول عدم اعادہ ہی ہے۔ اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے، البتہ امام شافعی رح وجوب اعادہ کے قائل ہیں فالائمۃ الثلثۃ فی جانب، والامام الشافعی فی جانب ،،

الوجہ الاول :۔ تیمم فی الحضر لاجل المرض :۔ ایک شخص مریض ہے اس کو استعمال ماء یا حرکت وغیرہ کیوجہ سے اشتداد مرض کا اندیشہ ہے، سو ایسا مریض جمہور علماء ومنہم الائمۃ الثلاثۃ (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ) کے نزدیک تیمم کرسکتا ہے، البتہ امام شافعی رح کے نزدیک صرف اشتداد مرض کا اندیشہ کافی نہیں تا وقتیکہ تلف نفس یا عضو کا نہ ہو (کمافی الھدایہ)

لیکن کتب شافعیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف تلف کی قید ان کے یہاں بھی نہیں ہے، لھٰذا وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور ہی کے ساتھ ہوئے، داؤد ظاہری کے نزدیک تیمم لاجل المرض مطلقاً جائز ہے، خواہ استعمال ماء مضر ہو یا نہ ہو، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ (کمافی العینی)

الوجہ الثالث :۔ تیمم الجنب لاجل البرد ،، یعنے پانی کے موجود ہوتے ہوئے سردی کیوجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنا ،،

اس مسئلہ میں اختلاف ہے ، ائمہ اربعہ کے نزدیک تو ایسے شخص کے لئے تیمم ہی ضروری ہے ، البتہ حنفیہ میں سے صاحبین فرماتے ہیں کہ سردی کی وجہ سے جنبی کا تیمم کرنا مصر میں جائز نہیں ، خارج مصر جائز ہے ۔ ــــــ کما فی حاشیۃ الہدایہ ، کیونکہ شہر میں گرم پانی کا انتظام ہوسکتا ہے ، بخلاف صحرار کے پھر اس میں اختلاف ہوگیا ہے کہ اگر کسی شخص نے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرکے نماز پڑھ لی تو پھر زوال علت کے بعد غسل کرکے اعادہ صلوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ ــــــ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک کے نزدیک واجب نہیں ، اور امام شافعی رح کے یہاں واجب ہے وعن احمد روایتان ، لیکن الروض المربع میں صرف عدم وجوب اعادہ مذکور ہے ، لہٰذا اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہیں اور امام شافعی ایکطرف ۔ یہ تو مذاہب ہوئے ائمہ اربعہ کے ، اور عطار ابن ابی رباح وحسن بصری کے نزدیک اصل مسئلہ میں اختلاف ہے ۔

الوجہ الرابع :۔ وہ صورت جو حدیث باب میں مذکور ہے یعنے وہ تیمم جو اس عبادت کے لئے لیا جائے جو فوات لا الی خلف ہو جس کی تشریح باب کے شروع میں گذر چکی ہے ۔

الحدیث الثانی :۔ مالك عن نافع ان عبد اللہ بن عمرؓ كان يتيمم الى المرفقين ،،

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنیوں تک تیمم کرتے تھے ،،

الحدیث الثالث :۔ قال یحییٰ وسئل مالک کیف التیمم واین یبلغ بہ فقال یضرب ضربۃً بوجہہ وضربۃً لیدیہ ویمسحہما الی المرفقین ،،

ترجمہ حضرت یحییٰ سے روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے اور کہاں تک پہونچانا ہے اسکو تو امام مالک نے فرمایا ، ایک ضربہ لگائیں گے چہرہ کے مسح کے لئے اور ایک ضربہ لگائیں گے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مسح کرنے کے لئے ،،

کیفیت تیمم امام مالک رحمۃ اللہ اس حدیث کو یہاں ذکر کر کے کیفیت تیمم کو بتلانا چاہتے ہیں ـــــــ تیمم کے طریقہ میں دو مسئلے مختلف فیہ ہیں ، ایک یہ کہ تیمم میں کتنی ضربیں ہوں گی ۔ دوسرے یہ کہ مسح یدین کہاں تک ہوگا ؟

مسئلہ اولیٰ عدد ضربات تیمم :۔ امام اعظم ابوحنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی ، لیث بن سعد اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہوں گی ، ایک وجہ کے لئے اور ایک یدین کے لئے ،،

امام احمد ، امام اسحاق ، امام اوزاعی رحمہم اللہ اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک ایک ہی ضربہ ہوگا جس سے وجہ اور یدین کا مسح کیا جائیگا ،،

مسئلہ ثانیہ مقدار مسح یدین :۔ امام اعظمؒ امام شافعیؒ لیث بن سعدؒ اور جمہور کے نزدیک مرفقین تک تیمم کرنا ضروری ہے ، لیکن مالکؒ و احمد رح کے نزدیک صرف کفین کا تیمم رسغین تک کرنا ضروری ہے ، البتہ امام مالک کے نزدیک مرفقین کا تیمم کرنا مسنون ہے علامہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے یدین کا تیمم مناکب و آباط تک ہوگا ،

مسئلتین میں دلائل احناف : (۱) حدیث عمار رض قال کنت فی القوم حین نزلت الرخصة فی المسح بالتراب اذا لم یجد الماء فامرنا فضربنا واحدة للوجه وضربة اخری للیدین الی المرفقین (رواہ البزار)'' (۲) حدیث جابر مرفوعاً التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین (رواہ الدارقطنی والحاکم)

(۳) تیسری دلیل مستدرک حاکم (طبع دائرة المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ج ۱ ص ۱۷۹) اور سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۸۰) میں حضرت عبداللہ بن عمر رض کی مرفوع روایت ہے ''عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین''

مسئلتین میں فریق ثانی کی دلیل ''حضرت عمار بن یاسر کی حدیث جس سے ایک ضرب اور صرف مسح الرسغین کا پتہ چلتا ہے'' ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ بالتیمم للوجه والکفین'' اس میں ہاتھ کے لئے کفین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق صرف رسغین تک ہوتا ہے''

جواب :- خود اس حدیث کا سیاق وسباق اس امر پر دال ہے کہ اس میں تیمم کی ابتدائی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ تیمم للوضوء کا واقعہ ہے اور حضرت عمار کو اس کی پوری کیفیت معلوم تھی کہ وہ ضربتین ہے'' اور مرفقین تک ہے لیکن جنابت کے تیمم کا حکم انھیں معلوم نہ تھا، اس لئے حضور نے مجمل طور پر اشارہ فرما دیا کہ جنابت کے لئے بھی وہی وضوء والا تیمم کافی تھا سارے بدن کو ملوث کرنے کی ضرورت نہیں تھی''

مسئلہ ثانیہ میں زہری کی دلیل :- حدیث عمار بن یاسر فمسحوا بایدیهم کلها الی المناکب والآباط من بطون ایدیهم (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۵۵)

جواب :- (۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت تیمم کے نزول کے ابتدائی زمانے میں جب تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عملی تعلیم نہ فرمائی تھی اس وقت تک

صحابہ کرام فامسحوا ابوجوھکم وایدیکم سے مناکب وآباط تک مسح سمجھے، لیکن پھر بعد میں حضور علیہ السلام کی مرفوع احادیث سے ایدیکم کی غایت ثابت ہے، قال صلی اللہ علیہ وسلم ایدیکم الی المرفقین،، فلہذا اصحابہ کرام کے اجتہاد پر مرفوع احادیث کو ترجیح ہوگی،،

جواب،، (۲) اگر بالفرض یہ تیمم نبوی تھا تو پھر یہ منسوخ ہے کیونکہ یہ تیمم نزول آیت کے فوراً بعد کیا گیا ہے،،

بَابُ تَیَمُّمِ الْجُنُبِ

اَلْحَدِیْثُ الْاَوَّلُ :۔ مالك عن عبد الرحمٰن بن حرملة ان رجلا سأل سعيد بن المسيب عن الرجل الجنب يتيمم ثم يدرك الماء فقال سعيد اذا ادرك الماء فعليه الغسل لما يستقبل،،

ترجمہ حضرت عبدالرحمٰن بن حرملہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سعید بن مسیّب سے سوال کیا جنبی آدمی کے بارے میں جو تیمم کرتا ہے پھر پانی پالیا (تو اب وہ کیا کرے؟) تو اس پر سعید نے فرمایا جب پانی پالیا تو اس پر غسل واجب ہوگیا، آئندہ نمازوں کے لئے،،

اَلْحَدِیْثُ الثَّانِیْ :۔ قال يحيى، قال مالك فيمن احتلم وهو في سفر ولا يقدر على الماء الا قدر الوضوء وهو يعطش حتى يأتي الماء قال يغتسل بذلك الماء فرجه وما اصابه من ذلك الاذى ثم يتيمم صعيدا طيبا كما امره الله عز وجل،،

ترجمہ حضرت یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آدمی کے بارے میں جس کو احتلام ہوا حالانکہ وہ سفر میں ہے، اور وہ بقدر وضوء پانی ہی پر قادر ہے اور وہ پیاسا نہیں ہے یہاں تک کہ وہ آیا پانی کے پاس (تو اب وہ کیا کرے؟) امام مالک رح نے فرمایا اس پانی کے ذریعہ سے اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور گندگیوں کو دھوئے جو اس کے جسم پر لگ گئی ہے ما پھر تیمم کرے پاک مٹی سے اس طور پر جسطرح اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے"

الحدیث الثالث :- قال یحیی سئل مالکؒ عن رجل جنب اراد ان یتیمم فلم یجد ترابًا الا تراب سبخة هل تیمم بالسباخ و هل تکرہ الصلوٰة فی السباخ فقال مالکؒ لاباس بالصلوٰة فی السباخ والتیمم منها لان اللہ تعالیٰ قال "فتیمموا صعیدًا طیبًا" فکل ما کان صعیدًا فهو متیمم به سباخا کان او غیرہ"

ترجمہ حضرت یحییٰ سے روایت ہے کہ امام مالک رح سے سوال کیا گیا جنبی آدمی کے بارے میں جو تیمم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے پس وہ کوئی مٹی نہیں پایا سوائے دلدلی مٹی کے (نمکین مٹی) تو کیا اس دلدلی مٹی سے وہ تیمم کر سکتا ہے؟ اور کیا دلدلی میں نماز مکروہ قرار دی گئی ہے؟ تو امام مالک رح نے فرمایا دلدلی زمین میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کے ذریعہ تیمم کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم پاک مٹی کا قصد کرو! پس تمام مٹی لائق تیمم ہے خواہ دلدلی زمین ہو یا نہ ہو"

ما يحل للرجل من امرأته وهي حائض

الحديث الاول ،، مالك عن زيد بن اسلم ان رجلاً سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما يحل لي من امرأتي وهي حائض، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لتشد عليها ازارها ثم شأنك باعلاها ،،

ترجمہ حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میرے لئے میری بیوی حالت حیض میں حلال ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہئے کہ اس کے اوپر ازار باندھ دو پھر اس کے اوپر سے جو چاہو کرو ،،

مباشرتِ حائض کے انواع واحکام

جاننا چاہئے کہ مباشرت حائض کے تین اقسام ہیں، ــــــ ایک بالاجماع حرام، اور دوسرا بالاجماع جائز، اور ایک مختلف فیہ ،،

(۱) مباشرت فی الفرج بالاجماع حرام ہے (۲) مباشرت فیما فوق السرۃ وتحت الرکبۃ باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے۔ البتہ ابن عباس اور عبیدہ سلمانی کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے،

(۳) مباشرت بین السرۃ والرکبۃ، سوی القبل والدبر مختلف فیہ ہے،

امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی ابویوسف رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک حرام ہے،

امام احمدؒ محمدؒ اسحاق، سفیان ثوری، امام طحاوی رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے،

حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس اختلاف کو اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلے میں بوڑھے ایک طرف اور جوان ایک طرف ہیں بوڑھوں کے نزدیک جائز اور جوانوں کے نزدیک ناجائز ہے"

دلائل جمہور :- (۱) حدیث عائشہؓ "وکان یامرنی فاتزر فیباشرنی و انا حائض"، (متفق علیہ، مشکوٰۃ ج ۱، ص ۵۶) اس میں ازار باندھنے کا حکم واضح دلیل ہے اس پر کہ تحت الازار ننگے بدن سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں،

(۲) حدیث عبد اللہ بن مسعود انہ سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یحل لی من امرأتی وھی حائض قال لک مافوق الازار"،

(رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد فی مسندہ)

دلائل حنابلہ :- حضرت انس کی حدیث مرفوع "اصنعوا کل شیٔ الا النکاح"، یہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد وغیرہ کی روایت ہے اس کے اندر کل شیٔ مطلق ہے"

جواب :- احادیث مذکورہ کیوجہ سے کل شیٔ مقید ہے مافوق الازار کے ساتھ،

(۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وطی اور اس کے اسباب قریبہ کے سوا حائضہ سے ہر معاملہ کیا جاسکتا ہے، اور تحت الازار استمتاع وطی کا سبب قریب ہے لہٰذا وہ بھی ممنوع ہے"،

اَلْحَدِیْثُ الثَّانِیْ :- مالک عن ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن ان عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت مضطجعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثوب واحد وانھا وثبت وثبۃ شدیدۃ فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک لعلک نفست یعنی الحیضۃ قالت نعم قال شدی علی نفسک ازارک ثم عودی

موطا امام مالک

ترجمہ حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے روایت ہے کہ عائشہ زوجہ محترمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرمؐ کے ساتھ چت لیٹی ہوئی تھیں ایک کپڑے میں، وہ بے دھڑک اچھل پڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا ہوگیا، شاید کہ تو حائضہ ہو گئی تو اس نے کہا ہاں، آپؐ نے فرمایا اپنے اوپر ازار باندھ لو پھر اپنے آرامگاہ پر لوٹ آؤ"۔

الحدیث الثالث۔ مالک عن نافع ان عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر ارسل الی عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئلھا ھل یباشر الرجل امرأتہ وھی حائض فقالت تشد ازارھا علی اسفلھا ثم یباشرھا ان شاء"۔

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس سوال بھیجا کہ مرد اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں مباشرت کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا، چاہیے کہ فوق الرکبۃ وتحت السرۃ کپڑا کا ازار بنا کر باندھ لے پھر اس کے ساتھ مباشرت کرے جلتنا چاہے،

الحدیث الرابع ۱۔ مالک انہ بلغہ ان سالم بن عبد اللہ وسلیمان بن یسار سئلا عن الحائض ھل یصیبھا زوجھا اذا رأت الطھر قبل ان تغتسل فقالا، لا حتی تغتسل"۔

ترجمہ امام مالک رحؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ سالم بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار دونوں سے حائضہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس کا شوہر اس کے

پاس جاسکتا ہے جب پاکی کو دیکھے غسل سے پہلے پہلے تو ان دونوں نے کہا نہیں، یہاں تک کہ وہ غسل کرلے ،،

مطلب عورت یا تو معتادہ ہوگی یا مبتدئہ، اگر معتادہ ہوگی تو اس کے اعتبار سے حکم لاگو ہوگا، اور اگر مبتدئہ ہے تو اس کے اعتبار سے حکم لاگو ہوگا گویا کہ دونوں کے حکم میں فرق ہے۔ مثلاً ایک معتادہ عورت جسے اپنی مدتِ حیض معلوم ہے کہ اس کو ہر ماہ ۵ر دن خون آتا ہے، اب وہ اس مدتِ حیض میں پاک ہوگئی تو اب کیا کرے؟

مبتدی کا مسئلہ کہ اسکو اب تک خون پہلی بار آیا لیکن اس وقت وہ اس میں مبتلا ہوچکی ہے، اب درمیان میں ۳ر دن خون آیا پھر بند ہوگیا پھر دوروز آیا تو اب کب تک انتظار کرے؟

مسئلہ:۔ جب کسی عورت کو دس دن سے کم مدت میں خون بند ہوگیا تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہوگا جب تک کہ وہ غسل نہ کرے، اس لئے کہ خون کبھی بند ہوجاتا ہے اور کبھی جاری ہوجاتا ہے، اب ضروری ہے کہ غسل کرے تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ خون کا انقطاع ہوچکا ہے اور اس پر طاہرہ کا حکم لاگو ہوچکا ہے، مسئلہ:۔ عورت حائضہ ہے اب انقطاع ہوا لیکن اب تک غسل نہیں کیا کہ ایک نماز کا وقت گذر گیا تو اب اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہوگا۔ کیونکہ نماز اس کے ذمہ دین ہوئی تو وہ لازمی طور پر حکماً پاک شمار کیجائے گی ،،

مسئلہ:۔ اگر ایک عورت کو دس دن خون آیا اور رک گیا تو اب اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے غسل سے پہلے پہلے، کیونکہ دم حیض دس دن سے تجاوز نہیں کرسکتا لھذا اب احتمال بھی نہیں ہے کہ خون عود کرآئے، لیکن مستحب یہ ہے کہ قبل الغسل وطی نہ کیا جائے، اور حضرت امام شافعی، زفر، مالک اور احمد فرماتے ہیں کہ قبل الغسل وطی حلال ہی نہیں،

دلیل کے اندر قرآن کی آیت ہے ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن ای اغتسلن،، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاذا تطھرن کی تفسیر اغتسلن کیا ہے، اور بیہقی کے اندر اسی طرح ہے، اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا

اس پر اجماع ہے کہ قبل الغسل وطی درست نہیں ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حیض کی اکثر مدت ختم ہو جائے تو اس کے ساتھ اب اس حال میں وطی کرنا درست ہے ۔ اور اگر اقل مدت کے اندر خون بند ہوا تو قبل الغسل وطی درست نہیں ۔

بابُ طُهرِالحَائض

مالك عن علقمة بن ابى علقمة عن امه مولاة عائشة ام المومنين انها قالت كان النساء يبعثن الى عائشة بالدرجة فيها الكرسف فيه الصفرة من دم الحيضة يسئلنها عن الصلوٰة فتقول لهن لا تعجلن حتى ترين القصة البيضاء تريد بذالك الطهر من الحيضة .

ترجمہ حضرت امام مالک روایت کرتے ہیں حضرت علقمہ ابن ابی علقمہ سے وہ اپنی والدہ سے جو حضرت عائشہ رضؓ کی آزاد کردہ ہیں ، وہ فرماتی ہیں کہ عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس کرسف کے ٹکڑے کو بھیجتی تھیں (تاکہ دیکھے کہ حیض کا اثر باقی ہے یا نہیں) اس کے اندر حیض کے خون کی زردی ہوتی تو اس سے نماز کے متعلق سوال کرتی بس حضرت عائشہ رضؓ ان عورتوں سے فرماتی کہ تم لوگ جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم سب سفید دھاگہ کو دیکھ لو اس سے وہ حیض سے پاک ہونیکو مراد لیتی تھی ۔

حیض کی تعریف لفظ حیض درحقیقت حاض یحیض سے نکلا ہے جس کے معنی بہنے کے ہیں کہا جاتا ہے "حاض الوادی اذا جری وسال".. اصطلاح فقہ میں حیض کی تعریف یہ ہے دم ینفضہ رحم امرأة بالغة من غیر داء ، استحاضہ حیض ہی سے باب استفعال ہے اور باب استفعال میں آنے کے بعد اس میں مبالغہ کی خاصیت پیدا ہو گئی . باب استفعال کی ایک خاصیت التلاب ماہیت بھی ہوتی ہے جیسے استزق الجمل میں یہ مناسبت بس یہاں ملحوظ ہوسکتی ہے کہ حیض کی ماہیت بدل گئی اور وہ استحاضہ ہوگیا . صاحب

بحر نے فرمایا ھو دم یسیل من العاذل من امرأۃ لداءبہا ۔ (والعاذل عرق خارج الرحم عنه فمه) یہ بات ملحوظ رہے کہ عاذل اسی عرق کا طبی نام نہیں بلکہ چونکہ اس سے خروج دم سبب عذل وملامت ہے اسلئے اسے عاذل کہتے ہیں ۔

الدِّرجَة دال کے کسرہ کیساتھ ، اس کی جمع دُرُوج ہے دال کے ضمہ کے ساتھ ۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اسی کو پسند کیا ہے ۔ درجہ روئی کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو کرسف میں لگی ہوتی ہے اس کو عورتیں اس لئے لگاتی ہیں تاکہ حیض کا خون اس پر جذب کر جائے اور پتہ چل جائے کہ دم حیض باقی ہے یا ختم ہوا ۔ ھکذا فی الشرح المصفا ۔

الصُّفرۃ من دم الحیضۃ یہاں سے الوان دم حیض کو بیان کرنا چاہتے ہیں ۔

الوان حیض میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ نے فرمایا الوان حیض چھ ہیں سواد ، حمرۃ ، صفرۃ ، کدرۃ ، خضرۃ ، اور تربی ۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس رنگ بھی خون آئے وہ حیض ہے بشرطیکہ ایام حیض میں آئے الا یہ کہ سفید رطوبت خارج ہونے لگے ۔

حنفیہ کی دلیل وہ روایت ہے جو مؤطئین میں موصولا اور بخاری میں تعلیقا بصیغۃ الجزم مروی ہے "عن علقمۃ بن ابی علقمۃ عن امہ مولاۃ عائشۃ ام المومنینؓ انہا قالت کان النساء یبعثن الی عائشہ بالدرجۃ فیہا الکرسف فیہ الصفرۃ من دم الحیض یسئلنہا عن الصلوٰۃ فتقول لھن لا تعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء ترید بذلک الطہر من الحیضۃ ۔ (رواہ ایضا عبدالرزاق وابن ابی شیبہ واللفظ لفظ مالک) اس سے معلوم ہوا کہ جب تک بیاض خالص نہ آئے اسوقت تک ہر خون حیض ہوگا ۔

امام شافعی کے نزدیک صرف سرخ اور سیاہ رنگ کا خون حیض ہے باقی استحاضہ کے رنگ ہیں یہی مسلک حنابلہ کا بھی ہے ۔

امام مالکؒ اصفرا و راکدر کو بھی حیض قرار دیتے ہیں۔ علامہ نوویؒ نے فرمایا صفرۃ وکدرت ایام حیض میں حیض ہیں لیکن صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب یہ آخر حیض میں خارج ہو تو حیض میں شمار کیا جائیگا۔ ورنہ نہیں۔

مالك عن عبد الله بن ابى بكر عن عمته عن بنت زيد بن ثابت انه بلغها ان النساء كن يدعون بالمصابيح من جوف الليل ينظرن الى الطهر فكانت تعيب ذالك عليهن وتقول ما كان النساء يَصْنعنَ هذا ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے روایت کیا اپنی پھوپھی سے وہ زید بن ثابت کی لڑکی سے ان کو خبر پہونچی کہ عورتیں چراغ لیکر وسط لیل میں بلاتی تھیں طہر کو دیکھنے کے لئے تو وہ عورتوں پر گراں گزرتا تھا اور فرماتی تھی کہ عورتیں یہ کیا کرتی ہیں۔

قال يحيى سُئل مالك عن الحائض تطهر فلا تجد الماء هل تتيمم فقال نعم فان مثلها مثل الجنب اذا لم يجد الماء تيمم ۔

ترجمہ حضرت یحییٰ نے کہا کہ امام مالک سے سوال کیا گیا حائضہ عورتوں کے پاکی حاصل کرنے کے بارے میں کہ وہ پانی نہ پائے تو کیا تیمم کر سکتی ہے امام مالکؒ نے فرمایا ہاں چاہیئے کہ وہ تیمم کرے کیونکہ اس کے تیمم کرنیکا حکم جنبی کے مانند ہے جب وہ پانی نہ پائے تو تیمم کرے۔

بَابُ جَامِعِ الحيضة

امام مالکؒ باب قائم کر کے اس کے ذیل میں متفرق احکام کی احادیث لائے ہیں، کہیں تو مسئلہ یہ ہے کہ عورت حالت حیض میں نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ کہیں یہ مسئلہ ہے کہ حالت حیض

کی متروکہ نماز بعد میں قضا کرے گی یا نہیں ۔ اسی طرح حالت حیض میں شوہر و بیوی ایک ساتھ لیٹ سکتے ہیں یا نہیں ۔ نیز خون حیض کپڑا پر لگ جائے تو اس کو پاک کرنیکا کیا طریقہ ہے ؟ ۔

مالك انه بلغه ان عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت فى المرأة الحامل ترى الدم انها تدع الصلوة ۔

ترجمہ حضرت امام مالکؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا حاملہ عورتوں کے بارے میں وہ خون دیکھے تو نماز چھوڑ دے ۔

مالك انه سأل ابن شهاب عن المرأة الحامل ترى الدم قال تكف عن الصلوة ۔

ترجمہ امام مالک نے سوال کیا ابن شہاب زہری سے حاملہ عورتوں کے بارے میں کہ وہ خون دیکھے تو کیا کرے ۔ تو ابن شہاب زہری نے فرمایا کہ وہ نماز پڑھنے سے رک جائے ۔

قال يحيى قال مالك وذالك الامر عندنا ۔

ترجمہ حضرت یحیٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ امر ہمارے نزدیک ہے (یعنی یہ ہماری رائے ہے)۔

مطلب وذالك الامر عندنا ۔ امام مالک اس جملے کو لکھ کر بتانا چاہتے ہیں کہ اگر حاملہ عورت کو خون حالت حمل میں آئے تو ہمارے نزدیک اور اہل مدینہ کے نزدیک وہ دم حیض شمار کیا جائیگا ۔ اور امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے ۔ اور حضرت اسحاق کی بھی یہی رائے ہے کہ حالت حمل میں خون آئے تو وہ دم حیض ہے اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ بھی حیض کے خون کے صفات کے طرح ہے جہاں سے وہ آتا ہے دہیں سے اس کا بھی خروج ہوتا ہے لہذا یہ حیض کے حکم میں ہوگیا ۔ اور حیض کا حکم یہ ہے کہ جب خون آنے لگے تو عورت نماز کو چھوڑ دے گی ۔

اور امام ابوحنیفہ واحمد وابوثور وابن المنذر اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ حاملہ اگر خون دیکھے تو وہ حیض نہیں ہوگا۔ دلیل حضرت عباس کا قول، وعن ابن عباس رفع الحیض عن الحبلٰی وجعل الدم رزقا للولد، کہ حاملہ عورت سے حیض کے خون کو روک دیا جاتا ہے اور اس کو بچے کیلئے رزق مقرر کر دیتا ہے۔ اس کے متعلق کچھ تاریخی باتیں ملاحظہ ہوں؛ جو خون عورتوں کو تقاضائے فطری کی وجہ سے آتا ہے وہ حیض کہلاتا ہے اور ولادت کے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے جب پیٹ میں حمل ٹھہرتا ہے تو اس وقت سے خون کا باہر آنا بند ہو جاتا ہے اور پانچ مہینے کے بعد اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے اور اس خون سے بچہ غذا حاصل کرتا ہے کیونکہ بچہ پیٹ کے پردے میں رہتا ہے اور پردہ بچہ دانی میں رہتا ہے تو اس کے پیدائش سے پہلے ایک چکنا پانی جو پیٹ کے پردہ میں رہتا ہے وہ آہستہ آہستہ نکلتا ہے پھر بچہ باہر آتا ہے اور اس بچہ دانی کے اندر جتنا خون ہوتا ہے وہ سب چوبیس گھنٹے میں نکل جاتا ہے لیکن جو خون رگوں میں ہے وہ آہستہ آہستہ نکلتا رہے گا وہی نفاس کہلاتا ہے۔

مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انها قالت كنت ارجل راس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانا حائض۔

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن فاطمة بنت المنذر بن الزبير عن اسماء بنت ابی بكر الصديق انها قالت سألت امرأة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقالت أرأيت احدانا اذا اصاب ثوبها الدم من الحيضة كيف تصنع فقال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضۃ فلتقرصہ ثم لتنضحہ بالماء ثم لتصل فیہ ،

ترجمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رض سے روایت ہے ، وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ص سے سوال کیا ۔ اس نے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ ہم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو کیسے اسکو پاک کیا جائیگا ۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو چاہیئے کہ اس کو رگڑ کر دھوئے (تاکہ کپڑا نے جتنا خون چوسا ہے وہ باہر نکل جائے) پھر اسکو پانی سے دھوڈالے پھر چاہیئے کہ اس کپڑے میں نماز پڑھے ۔

تحقیق الحَیضَۃ حَاء کے فتحہ کے ساتھ ، امام نووی اور امام رافعی فرماتے ہیں کہ حاء کو مکسور بھی پڑھنا جائز ہے یعنی وہ حالت جس پر عورت موجود ہے ۔

فلتقرُصہ اس کے اندر حرف راء کو مضموم بھی پڑھ سکتے ہیں جیساکہ علامہ باجی نے یحیی سے روایت کیا ہے اور اکثر لوگوں کی رائے بھی یہی ہے ، اور اسکو مکسور بھی پڑھ سکتے ہیں جیساکہ علامہ قعنبی کی رائے ہے ۔ معنی ہوگا کہ کپڑا کو اس طرح رگڑ کر دھوؤ کہ اسکے اندر سے تمام وہ خون جس کو کپڑا نے چوس لیا ہے وہ باہر نکل جائے ۔

مسئلہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسکو دھونا ضروری ہے ۔ کسی کا بھی اختلاف نہیں ، اوپر کی حدیث میں کپڑا کو پاک کرنیکا طریقہ بھی ذکر کیا گیا ہے ۔

باب ما جاء فی المستحاضۃ

حد الاستحاضۃ واحکامہ واقسامہ استحاضہ کی تعریف کی گئی ہے کہ

وهی دم یخرج من المرأۃ فی غیر اوقاتہا المعتادۃ والمعینۃ یعنی استحاضہ وہ خون ہے جو مرج امرأۃ سے خارج ہوتا ہے اوقات معینہ معتادہ کے علاوہ ، رحم کے قریب ایک رگ ہوتی جس کا نام عاذل ہے اس سے یہ خون بہتا ہے بخلاف حیض کے کہ وہ قعر رحم سے نکلتا ہے ، اطبا نے استحاضہ کے متعلق تین سبب کو ذکر کیا ۔ اول کہ بچہ دانی کے منہ پر جو کہ نشیب کی جانب معلق ہے اس کے منہ پر زخم ہونیکی وجہ سے خروج الدم ہوتا ہے ،

دوسری توجیہ اینکہ رگوں میں سے کوئی رگ پھٹ جائے تو اسکے پھٹنے کی وجہ سے خون آتا ہے

سوم سبب کہ وہ مزاج کے خراب ہونیکی وجہ سے خارج ہوتا ہے ۔

استحاضہ حیض سے ماخوذ ہے جس کے معنی لغۃً سیلان کے ہیں ، چنانچہ کہا جاتا ہے حاض الوادی جب اس میں پانی بہنے لگے ۔ اسکو باب استفعال میں لے گئے تاکہ انقلاب اور تغیر پر دلالت کرے جو کہ خاصہ ہے باب استفعال کا جیسے کہا جاتا ہے استحجر الطین ، یہاں بھی حیض میں تغیر واقع ہو کر وہ استحاضہ ہو گیا ۔ یا یہ استفعال میں لے جانا اسلئے ہے تاکہ مبالغہ اور کثرت پر دلالت کرے ۔ علماء نے لکھا ہیکہ حیض ہمیشہ بصیغہ معروف استعمال ہوتا ہے ۔ کہا جاتا ہے حاضت المرأۃ اور استحاضہ بصیغہ مجہول استحیضت المرأۃ اس میں نکتہ یہ ہے کہ وجہ استحاضہ خلاف عادت اور غیر معروف چیز ہے فکانہ امر جہل سببہ بخلاف حیض کے کہ وہ معروف اور جانی پہچانی چیز ہے سبھی عورتوں کو آتا ہے ،

جو احکام پاک عورت کے ہیں وہی مستحاضہ کے ہیں جو کام پاک عورت کرے گی وہی مستحاضہ کر سکتی ہے ہاں مستحاضہ کے اوپر معذور کا حکم جاری ہوگا مثلاً سلس البول کا مریض حکم اس پر لگے گا وہی مستحاضہ کے اوپر لگے گا ۔ یعنی ہر نماز کیلئے وضو کریگی اور نماز پڑھے گی اور یہ معاملہ اسوقت تک جاری رہے گا جب تک اس پر آئندہ مہینے کا ایام حیض نہ آجائے جب وہ آجائے تو پھر وہ نماز چھوڑ دیگی مثلاً تین تاریخ کو حیض آیا لیکن پورا مہینہ آیا تو یہ اپنی عادت کے مطابق ایام حیض تک نماز کو چھوڑ دے پھر بقیہ ایام میں وضو کر کے نماز پڑھے لیکن جب آئندہ مہینہ کی تین تاریخ آئے تو پھر اس

کے اوپر حائضہ کا حکم جاری ہوگا۔

مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں جس پر ائمہ کا اتفاق ہے (۱) مبتدئہ جس عورت کو ابتدائے بلوغ ہی سے خون جاری ہو جائے مثلاً حمنہ بنت جحش جو زینب بنت جحش زوجہ مطہرہ کی بہن ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت اپنی قوم کی عورتوں کی عادت کا اعتبار کرتے ورنہ ہر ماہ ستر دن ایام کو حیض شمار کرے اور پھر انقطاع حیض والا غسل کر کے ہر وقت نماز کے لئے وضو کرے اور نماز ادا کرتی رہے۔

(۲) معتادہ جس عورت کے حیض کی عادت مقرر تھی اور وہ عادت اس کو یاد بھی ہے اور پھر دائمی خون جاری ہوگیا مثلاً فاطمہ بنت ابی حبیش رضی یا فاطمہ بنت قیس اس کا حکم یہ ہے کہ ایام عادت کو حیض شمار کرے اور پھر استحاضہ سمجھے اور نماز پڑھتی رہے۔

(۳) متحیرہ یا مضلہ جس عورت کے حیض کی عادت مقرر تھی یا عادت مقررہ تو تھی لیکن وہ بھول گئی ہے اور پھر دائمی خون جاری ہوگیا مثلاً بقول علامہ خطابی ام حبیبہ بنت جحش رضی۔ اس کے اجمالی احکام یہ ہیں کہ غیر معتادہ اپنی قوم کی عورتوں کی غالب عادت پر عمل کرے اور معتادہ ناسیہ تحری کر کے ظن غالب یا یقین پر عمل کرے کہ جن ایام میں اس کو طاہرہ ہونے کا یقین ہو ان میں وضو لکل صلوٰۃ کر کے نماز پڑھے گی اور جن ایام میں اس کے حائضہ ہونے کا یقین ہو ان میں ترک نماز کرے گی اور جن ایام میں تردد ہو تو دیکھو اگر دخول فی الحیض، وجود حیض، وجود طہر ان تینوں شقوں میں تردد ہے تو وضو لکل صلوٰۃ کر کے نماز پڑھے گی اور غسل کی ضرورت نہیں اور اگر دخول فی الطہر وغیرہ میں تردد ہے تو پھر اغتسال لکل صلوٰۃ کر کے نماز پڑھے گی یا غالب عادات النساء پر عمل کرے گی (دیکھو التنظیم الاشتات باب المستحاضہ، تحفۃ المرأۃ، اوجز المسالک، البذل)

مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم انها قالت قالت فاطمة بنت ابي حبيش يا رسول الله اني لا اطهر افادع الصلوٰة فقال لها رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم انما ذالك عرق ولیست بالحیضۃ فاذا اقبلت الحیضۃ فاترکی الصلوٰۃ فاذا ذھب قدرھا فاغسلی عنك الدم وصلی ؛

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے خدمت رسول میں آکر عرض کیا یارسول اللہ میں پاک نہیں ہوتی ہو تو کیا میں نماز کو ترک کردوں تو رسول اللہؐ نے فرمایا فاطمہ سے، وہ تو رگوں کا خون ہے وہ حیض کا خون نہیں جب حیض کا خون آئے تو نماز ترک کردو جب اس کی مقدار مدت گزر جائے تو دم حیض سے غسل کرلو اور نماز پڑھتی رہو

مسئلۃ الغسل والوضوء للمستحاضۃ فاذا ذھب قدرھا اس حدیث میں یہ ہے کہ جب اقبال حیض ہو تو عورت نماز ترک کردے اور جب اس کی مقدار گذر جائے تو غسل کرکے نماز شروع کردے، ایک بات سمجھئے: آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ اقبال کی روایات محدثین لون دم پر محمول کرتے ہیں اور حنفیہ ایام عادت پر، اس حدیث میں ذکر اقبال کے بعد فرمایا جارہا ہے فاذا ذھب قدرھا یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ اقبال حیض باعتبار ایام عادت کے مراد ہے نہ کہ باعتبار الوان کے، اس لئے کہ لون مقدار کے قبیل سے نہیں بلکہ کیف کے قبیل سے ہے (اوجز المسالک)

دوسرا مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ کیلئے صرف انقطاع حیض والا غسل ضروری ہے اور ہر نماز کیلئے غسل واجب نہیں لیکن حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے نزدیک ہر نماز کیلئے غسل واجب ہے۔

دلائل جمہور:- (۱) حدیث باب (۲)، فاذا کان الاخر فتوضئی وصلی رواہ ابو داؤد والنسائیؒ (مشکوٰۃ ص۵۶ ج۱) کیونکہ ان دونوں احادیث میں مستحاضہ پر ہر نماز کیلئے وجوب غسل کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل فریق ثانی :۔ حدیث عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوٰۃ (رواہ الترمذی وابوداؤد) مشکوٰۃ ص ۵۶ ج ۱)

جوابات دلیل فریق ثانی :۔ (۱) دلائل مذکورہ کے قرینے سے یہ حدیث منسوخ ہے۔
جواب (۲) یہ استحباب ونظافت اور احتیاط پر محمول ہے۔ (۳) یہ حدیث علاج پر محمول ہے تاکہ خون کی قوت وکثرت میں کمی آجائے (۴) یہ حدیث متحاضہ متحیرہ پر محمول ہے (۵) تغتسل پر کلام ختم ہو جاتا ہے اور وتتوضأ عند کل صلوٰۃ جملہ مستانفہ ہے۔

تیسرا مسئلہ

فاغسلی عنک الدم وصلی یعنی بعد الاغتسال ۔ جیسا کہ بخاری کے اندر واقع ہے اور بخاری کے اندر روایت ہے کہ اخیر میں ثم توضئی لکل صلوٰۃ کا لفظ زائد کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو کرنا ہوگا۔ یہ مسئلہ ہر معذور کیلئے ہے خواہ متحاضہ ہو، سلس البول کا مریض یا رعاف ہو یا استطلاق بطن ہو۔ تو اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ وضو ہر نماز کیلئے کرے یا ایک ہی وضو چند نماز کے لئے کافی ہے۔ تو امام اعظم فرماتے ہیں کہ جب تک وقت رہے اس درمیان میں ایک ہی وضو سے جتنی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتی ہے ہاں اگر وقت نکل جائے تو پھر از سرنو وضو کرے۔
امام مالک فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے اگر کوئی قضا کرنا چاہے تو اس کو دوسرا وضو کرنا ہوگا۔ ہاں سنت اور نوافل اس کے تابع ہوکر پڑھے گا یہ دونوں امام کے نزدیک مسئلہ معذور کے لئے ہے۔

حنفیہ کے یہاں فتوٰی اس پر ہے کہ وقت نکل جانے سے معذور کا وضو ٹوٹ جائے گا امام شافعی ومالک کا مستدل ثم توضئی لکل صلوٰۃ ہے اور کہا کہ ہر فرض نماز کیلئے وضو فرض ہے اور سنت ونوافل کو فرض کا تابع قرار دیا لیکن امام شافعی کا یہ استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ لفظ فرض کو اپنے جانب سے ذکر کیا حالانکہ حدیث مطلقاً ہے اور امام اعظمؒ کا بھی یہی مستدل ہے اور فرماتے ہیں کہ "لکل صلوٰۃ" کے اندر لام للوقت ہے اور معنی ہوگا

یہ ہوا کہ معتادہ تھیں اسی لئے ان کو ردالی العادۃ کا حکم دیا گیا اور یہ بات امام بیہقی کی رائے کے خلاف ہے اسی لئے انھوں نے ام سلمہ کی اس حدیث کو مرجوح قرار دیا ہے اور یہ کہا کہ فاطمہ کے سلسلے میں حضرت عائشہ کی حدیث بطریق ہشام بن عروۃ عن ابیہ زیادہ صحیح ہے جس سے معلوم ہوا کہ فاطمہ ممیزہ تھیں اور ام سلمہ نے جس عورت کے بارے میں سوال کیا تھا وہ فاطمہ کے علاوہ کوئی اور ہوگی اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اگر حدیث ام سلمہ کو فاطمہ کے سلسلے میں صحیح اور ثابت مان لیا جائے تو پھر یوں کہا جائیگا کہ ہوسکتا ہے کہ فاطمہ کی مختلف زمانوں میں دو حالتیں ہوں ایک تمیز کی دوسرے عدم تمیز کی۔ تمیز کے زمانہ میں ان کو اس کے مطابق حکم دیا گیا اور عدم تمیز کے زمانہ میں کہ کا (کذا فی البذل)

مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن زينب بنت ابى سلمة انها رأت زينب بنت جحش ت تحت عبد الرحمن بن عوف وكانت تستحاض فكانت تغتسل وتصلى ،

ترجمہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت زینب بنت جحش کو دیکھا اور یہ عبد الرحمن بن عوف کے زیر نکاح تھیں۔ کہ یہ خون جاری کے مرض میں مبتلا ہوگئیں تو یہ غسل کرتی تھیں اور نماز پڑھتی تھی۔

توضیح زینب بنت جحش، قاضی عیاض رح فرماتے ہیں کہ ابوداؤد مسلم وغیرہ کی روایات میں نیز نسائی اور دوسری حدیث کی کتابوں میں ام حبیبہ بنت جحش کے بارے میں واقعہ ہے جو عبد الرحمن بن عوف کی زوجہ تھیں لیکن مؤطا امام مالک کی اس روایت میں بجائے ام حبیبہ کے زینب بنت جحش مذکور ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ دوسری تمام کتب کی روایات اسکے خلاف ہیں۔

نیز عبد الرحمن بن عوف جو خود مؤطا کی روایت میں بھی موجود ہیں وہ زینب پر صادق نہیں آتا بلکہ وہ ام حبیبہ ہی ہیں چنانچہ شرّاح موطا نے موطا کی اس روایت کو وہم قرار دیا ہے اور یہاں ایک لطیفہ کی بات یہ ہے کہ بعض شراح موطا کی روایت کو وہم سے بچانے کیلئے یہ تاویل کی کہ جملہ

کہ ہر وقت کے نماز کیلئے وضو فرض ہوگا اب ان پر اعتراض ہوا کہ آپ "لام" کو وقت کیلئے مان لئے کیسے؟ جواب مسلم شریف کے اندر لتوضات لکل صلوٰۃ ہے اور الاحادیث یفسر بعضها بعضا کے تحت لام کو وقت کیلئے شمار کیا۔ اسی طرح دوسری روایت میں عند کل صلوٰۃ ہے، عند بمعنی وقت ہے۔

مالك عن نافع عن سليمان بن يسار عن ام سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ان امرأة كانت تهراق الدماء في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستفتت لها ام سلمة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لتنظر الى عدد الليالي والايام التي كانت تحيضهن من الشهر قبل ان يصيبها الذى اصابها فلتترك الصلوٰة قدر ذالك من الشهر فاذا خلفت ذالك فلتغتسل ثم لتستثفر بثوب ثم لتصل۔

ترجمہ حضرت ام سلمہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ ایک عورت خونوں کو بہاتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا چاہیئے کہ چند دن اور چند رات انتظار کرے جس دن کے اندر ہر ماہ حیض آتا تھا اس کے ساتھ واقع ہونے سے قبل پس چاہیئے کہ نماز کو چھوڑ دے ہر ماہ کے اندر اتنی مقدار کے بقدر جب وہ ختم ہونے لگے تو چاہیئے کہ اب وہ غسل کرے پھر لنگوٹ بنالے کپڑے کا پھر چاہیئے کہ وہ نماز ادا کرے اسی طریقے پر۔

توضیح انّ امرأۃ، یہاں پر مصداق امرأۃ میں شارحین کرام کے درمیان اختلاف ہوا ہے، جاننا چاہیئے کہ یہاں معتادہ کے بارے میں مسئلہ بتایا جارہا ہے امام ترمذی اور امام بیہقی کی رائے یہ ہے کہ فاطمہ ممیزہ تھی اور ام سلمہ کی ایک اور دوسری روایت.... جو بطریق ایوب ہے اس عورت کی تعیین فاطمہ بنت ابی حبیش کے ساتھ کی گئی جس کا مطلب

بنات جحش کو زینب کہا جاتا ہے تو گویا ان کا مطلب یہ ہوا کہ موطا کی روایت میں زینب بنت جحش کا مصداق ام حبیبہ ہی ہیں۔

نیز واضح رہے کہ زینب بنت جحشؓ تو ام المومنین ہیں جو آپؐ کے نکاح میں آنے سے پہلے زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں جیسا کہ مشہور ہے اور وہ ام حبیبہ جو ام المومنین ہیں وہ بنت جحش نہیں بلکہ بنت ابی سفیان ہیں اور اس کا واقعہ یوں ہے کہ ام حبیبہ بڑے برتن میں پانی بھر کر علاجا اس میں بیٹھا کرتی تھیں چونکہ مستحاضہ تھیں اس لیے خون کی رنگت کی وجہ سے وہ برتن خون سے لبریز معلوم ہوتا تھا۔ آگے اس روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے عبرۃ بالایام کا حکم فرمایا یعنی صرف ایام عادت میں اپنے آپکو حائضہ سمجھیں اسکے بعد طاہرہ۔

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے اوجز المسالک کے اندر المغنی سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حیض واستحاضہ کا مدار صرف تین احادیث پر ہے حدیث فاطمہ، حدیث ام حبیبہ، اور حدیث حمنہ یہ تینوں آپس میں بہنیں ہیں سب کی سب بنات جحش ہیں گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنات جحش نے استحاضہ کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ رضی اللہ عنہن اجمعین

فکانت تغتسل وتصلی بخاری ومسلم کے اندر عند کل صلوٰۃ، کا لفظ ہے۔ مرقات میں لکھا ہے کہ غسل لکل صلوٰۃ کے وجوب کے قائل بعض صحابہ جیسے حضرت علی، ابن مسعود، ابن الزبیر وغیرہم ہیں اور ابن شہاب نے تو ابن عباس کا بھی نام ذکر کیا ہے اور حضرت لیث فرماتے ہیں کہ باب کی اس حدیث کا مدار زہری پر ہے اور زہری سے روایت کرنے والے ان کے متعدد تلامذہ ہیں ان کے شاگرد حضرت عمر بن الحارث، یونس، لیث بن سعد تھے اور ایک روایت میں ابن ابی ذئب ہیں لیکن کسی میں بھی غسل لکل صلوٰۃ مرفوعا مذکور نہیں اور جمہور علماء بھی مستحاضہ کیلئے وجوب الغسل لکل صلوٰۃ کے قائل نہیں۔

مالك عن سمی مولیٰ ابی بکر ان القعقاع بن حکیم وزید بن اسلم ارسلاه الی سعید بن المسیب یسئله کیف تغتسل

المستحاضة فقال تغتسل من ظهر الى ظهر وتتوضأ لكل صلوٰة فان غلبها الدم استثفرت .

ترجمہ حضرت امام مالک نے روایت کیا سُمی سے جو ابوبکر کے آزاد کردہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ قعقاع بن حکیم اور زید ابن اسلم نے سعید بن مسیب کی طرف یہ لکھ بھیجا کہ مستحاضہ کیسے غسل کریگی تو حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا وہ ظہر سے لیکر ظہر تک غسل کرے گی اور ہر نماز کے لئے وضو کریگی اگر اسکے اوپر خون غالب آجائے تو لنگوٹ باندھ لے گی ۔

توضیح تغتسل من ظهر الى ظهر، روایات میں مستحاضہ کیلئے تین احکام وارد ہوئے ہیں (۱) غسل لکل صلوٰۃ (۲) جمع بین الصلوٰتین بغسل (۳) وضو لکل صلوٰۃ ۔

امام احمد اور امام اسحاق کے نزدیک سب سے افضل غسل لکل صلوٰۃ ہے اور دوسرے احکام پر بھی عمل جائز ہے ۔

امام طحاویؒ نے غسل لکل صلوٰۃ کو سہلہ بنت سہیل کی روایت سے جو طحاوی ج ۱ ص ۵۲-۵۱ باب المستحاضہ کیف تتطہر للصلوٰۃ پر ہے اس سے منسوخ قرار دیا ہے کہ جب ان پر غسل لکل صلوٰۃ شاق گذرا تو آپ نے انہیں جمع بین الصلوٰتین بغسل کا حکم دیا ورنہ پھر علاج پر محمول ہے کہ برودت سار قاطع دم ہوتی ہے یا پھر استحباب پر مبنی ہے یا پھر اس متحیرہ کے ساتھ خاص ہے جسے انقطاع حیض میں شبہ ہو ۔

امام طحاوی نے جمع بین الصلوٰتین بغسل کو بھی منسوخ کہا ہے اور وضو لکل صلوٰۃ کی روایات کو اس کیلئے ناسخ قرار دیا ہے اور بعض احناف نے علاج پر محمول کیا ہے مگر درحقیقت جمع بین الصلوٰتین بغسل کا حکم بھی اس متحیرہ کیلئے ہے جس کے لئے غسل لکل صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے یعنی وہ متحیرہ جسے انقطاع حیض میں شک ہو اس کے لئے اصل لکل صلوٰۃ ہی کا حکم دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اسکے لئے یہ آسانی بھی موجود ہے کہ وہ جمع بین الصلوٰتین بغسل کرے یعنی ظہر اور عصر کو جمع کرکے پڑھے

اور دونوں کیلئے ایک غسل کرے اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھے اور دونوں کیلئے ایک غسل کرے اس طرح اسے دن بھر میں تین غسل کرنا ہوگا۔

امام نووی لکھتے ہیں جمہور علماء سلفاً وخلفاً اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ پر صرف ایک بار غسل واجب ہے اور ابن عمر وابن الزبیر اور عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ غسل لکل صلوٰۃ واجب ہے اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ہر روز ایک بار غسل واجب ہے اور سعید بن المسیب وحسن بصری رحمہ کے نزدیک روزانہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت۔ اور حضرت علی وابن عباس رضی سے دونوں روایتیں ہیں غسل مرۃ اور غسل لکل صلوٰۃ۔

مالك عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال ليس على المستحاضة الا ان تغتسل غسلا واحدا ثم تتوضأ بعدَ ذالك لكل صلوٰة،

ترجمہ حضرت عروہ ابن زبیر سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ مستحاضہ پر صرف ایک غسل لازم ہے پھر وہ وضو کرے گی اس کے بعد ہر نماز کیلئے۔

قال يحيىٰ قال مالك الامر عندنا ان المستحاضة اذا صلت ان لزوجها ان يصيبها وكذالك النفساء اذا بلغت اقصىٰ ما يمسك النساء الدم فان رأت الدم بعد ذالك فانه يصيبها زوجها وانما هي بمنزلة المستحاضة،

ترجمہ حضرت یحیٰی نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا ہمارے نزدیک متحقق امر یہ ہے کہ مستحاضہ جب نماز پڑھنا چاہے تو پڑھے اسی طرح اس کا شوہر مجامعت کرنا چاہے تو کرے اسی طرح نفسا جب اپنے آخری مدت کو مکمل کرے باوجودیکہ خون نہ رکتا ہو اگر اس کے بعد بھی خون کو دیکھے تو اس کا شوہر اس کے ساتھ مجامعت کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ مستحاضہ کے حکم میں ہے۔

توضیحات: حیض اور استحاضہ کے مسائل فقہ اور حدیث کے مشکل اور پیچیدہ ترین

مسائل میں سے ہیں اسی لیے ہر دور کے اہل علم نے ان کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی پر مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ صاحب بحر نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے خاص انہی مسائل پر دو سو صفحات کا ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جو غالبًا اپنے موضوع پر سب سے پہلا رسالہ ہے امام طحاوی نے پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا، ابن العربی نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا۔ علامہ نووی ؒ نے فرمایا کہ ایک رسالہ علامہ دارمی وشافعیؒ نے تصنیف کیا جو اس موضوع پر بہترین ہے اور پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ خود علامہ نوویؒ نے ,,مہذب،، کی شرح کرتے ہوئے مسائل حیض واستحاضہ لکھنے شروع کیے تو ایک ضخیم جلد ہوگئی پھر الفوں نے خود اس کی تلخیص کی جو موجودہ ,,شرح المہذب،، کے دو سو صفحات میں آئی ہے۔ حنفیہ میں سے اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل بحث علامہ ابن نجیم اور صاحب بحر الرائق نے کی ہے۔

علامہ نوویؒ اور صاحب بحر الرائق نے اپنے زمانہ میں قلت علم اور شیوع جہل کی شکایت کی ہے اور فرمایا کہ ان مسائل پر جس قدر توجہ ہونی چاہیئے تھی وہ اب ممکن نہیں رہی۔

مدت حیض و نفاس اختلافی مسئلہ

اقل مدت حیض اور اکثر مدت حیض کے متعلق اختلاف ہے کہ امام مالک کے نزدیک لاحدّ لاقل الحیض، اگر ایک ساعت بھی خون نکلے وہ حیض میں شمار ہوگا کیونکہ دوسرے احداث کی طرح حیض بھی ایک حدث ہے تو جب دوسرے احداث میں اقل مدت کیلئے کوئی حد مقرر نہیں، ایسا ہی حیض کی اقل مدت کیلئے بھی کوئی حد نہ ہوگی۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک اقل الحیض ایک دن ایک رات ہے کیونکہ سیلان دم جب جمیع ساعات کو استیعاب کریگا تب پہچانا جائیگا کہ ان الدم جار من الرحم فهو الحیض (ہکذا فی العنایہ ص۱۱۱ ج ۱)

اور امام اعظمؒ کے نزدیک، اقل الحیض ثلثۃ ایام ولیالیہا وما نقص من ذالک استحاضۃ۔

دلائل احناف:- عن ابی امامۃ رضؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اقل الحیض للجاریة البکر والثیب الثلاث واکثر مایکون عشرة ایام فاذا زاد فهی مستحاضة (رواہ دارقطنی)

(۲) عن ابن مسعود انه قال الحیض ثلث واربع وخمس وست وسبع وثمانون وتسع وعشر فاذا زاد فهی مستحاضة (رواہ دارقطنی)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رح نے جو مدت بتائی شریعت میں اس کی اصل موجود ہے (ہٰذا کلہ فی الفتح القدیر صہ ۱۱۳ ج ۱)

جواب مالک وشافعی نے جو تین دن سے کم مدت کو اقل الحیض بتائے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے اس کا جواب دیا کہ ھذا النقض من تقدیر الشرع کیونکہ متعدد روایات سے ثابت ہوا کہ شرع نے تین دن کو اقل مدت حیض قرار دیا ہے اگر تین دن سے کم مدت کافی ہوتی تو اقل مدت حیض کی تین دن کے ساتھ تخصیص نہیں کیجاتی اور اثبات مذہب کیلئے ان کا قیاس کرنا بمقابلہ احادیث صریحہ کے حجت نہیں۔

اکثر مدت حیض کے متعلق شافعی رح نے فرمایا جو امام اعظم کا قول اول ہے کہ اکثر مدت حیض پندرہ دن ہے لقوله علیه السلام فی نقصان دین المرأة تقعد احدٰهن شطر عمرها لا تصوم ولا تصلی . شوافع کہتے ہیں کہ شطر سے مراد یہ ہے کہ عورت نصف عمر صوم وصلوٰۃ کے بغیر گذارے گی۔ اگر ہر ماہ میں پندرہ دن حیض شمار کیا جاوے تو نصف عمر قعود ہوگا اسلئے اکثر مدت حیض پندرہ دن ہیں۔

احناف کے یہاں عشرة ایام ولیالیها ، امام مالک کے یہاں سبعة عشر یوما . اور امام احمد کی مثل المذاهب الثلثة تین روایتیں ہیں خرقی نے پندرہ دن اور ابن قدامہ نے دس دن کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ہٰذا کلہ فی فتح القدیر والعنایة صہ ۱۱۳ ج ۱

فراجعه ان شئت التفصیل ،

اقل مدة الطهر : ۔ اکثر مدت طہر کیلئے تو کوئی حد نہیں لانه یمتد الی سنة

او سنتین ۔ اور اقل مدت طہر کے متعلق اختلاف ہے

علامہ نووی نے فرمایا کہ عطا کے نزدیک اقل مدۃ الطہر تسعۃ عشر یوما،
کیونکہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور جب اکثر مدت حیض دس دن ہوا تو بقیہ ۱۹ دن طہر کا ہوگا۔
(کما فی حاشیہ الہدایہ عن النہایۃ)

اور عینی شرح بخاری میں امام مالک سے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں

فروی بن قاسم امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ اقل مدۃ الطہر عشرۃ ایام،
وروی سحنون عن مالک ثمانیۃ ایام، وروی عبد الملک بن الماجشون عنہ
خمسۃ ایام

امام اعظمؒ وشافعیؒ وثوریؒ کے نزدیک اقل الطہر پندرہ دن ہیں بلکہ ابو ثورؒ و قاضی ابوالطیب
نے اقل الطہر پندرہ دن ہونے پر فقہا کا اجماع نقل کیا ہے لیکن نوویؒ نے اختلاف مذکور کی بنا پر کہا
کہ اجماع نہیں۔ (ہذا کلہ فی العینی)

امام احمدؒ کی ایک روایت امام ابوحنیفہ کی طرح ہے اور دوسری روایت تیرہ یوم کی ہے
جسے ابن قدامہ نے اختیار کیا ہے۔

بحث النفاس

اکثر مدت نفاس کیا ہے؟ اکثر مدت نفاس کے اندر اختلاف ہے مالک و
شافعی نے کہا کہ اکثر نفاس ساٹھ دن ہے (کذا فی حاشیۃ الہدایہ)

صاحب البذل نے علامہ شوکانی سے نقل کیا کہ امام اعظم و جمہور کے نزدیک اکثر نفاس چالیس دن ہے
کما قال الترمذی فی سننہ وقد اجمع الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم علی
ان النفساء تدع الصلوٰۃ اربعین یوما الا ان تری الطہر قبل ذالک۔

دلیل:۔ حدیث ام سلمہؓ، قالت کانت النفساء علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تقعد فی النفاس اربعین یوما ۔

اقل النفاس صاحب بذل نے شوکانی سے نقل کیا کہ زید بن علی کے نزدیک اقل مدت نفاس پندرہ دن ہے ۔ حضرت امام ثوری فرماتے ہیں کہ اقل النفاس ثلثة ایام ، وقال ابوحنیفة وابو یوسف اقل النفاس احد عشر یوما ، لیکن یہ جتنے بھی اقوال ہیں وہ اقوال قدیمہ ہیں جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔

اب امام اعظم واحناف وشوافع کے نزدیک اقل نفاس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کیونکہ ترمذی نے تمام صحابہ وتابعین ومن بعدہم کا اجماع نقل کیا ہے کہ ان النفساء تدع الصلوٰۃ اربعین یوما الا ان تری الطہر قبل ذالک فانہا تغتسل حینئذ وتصلیؒ ، اب الا ان تری الطہر سے ثابت ہوا کہ ان تمام حضرات کے نزدیک اقل نفاس کیلئے کوئی حد نہیں چونکہ زید بن علی وثوری کے پاس اثبات مذہب کیلئے بقول شوکانیؒ کوئی دلیل نہیں اس لئے جواب کی ضرورت بھی نہ ہوگی ۔ (کمافی البذل)

قَالَ یحییٰ قَالَ مَالِكٌ الامرُ عِنْدَنَا فی المُستحاضَۃِ علیٰ حدیثِ ہِشامِ بنِ عُروۃَ عنْ ابیہِ وہُوَ احبُّ مَا سمعتُ الیَّ فی ذالك

ترجمہ حضرت یحییٰ سے روایت ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا ہمارے نزدیک اور اہل مدینہ کے نزدیک مستحاضہ کے بارے میں ہشام بن عروۃ کی حدیث جس کو وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں زیادہ پسندیدہ ہے ان تمام روایتوں سے جو میں نے اسکے بارے میں سنی ہے ۔

باب ما جاء فی بول الصبی

الحدیث الاول : ۔ مالك عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت

اُتی رسُولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلّم بصَبیٍّ فبَالَ علیٰ ثوبِہٖ فدَعَا رسُول اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم بماءٍ فاتبعَہٗ ایاہُ ۔

ترجمہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے روایت کیا حضرت عائشہ سے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا پس اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس کے تابع کردیا (یعنی پیشاب کی جگہ پر پانی بہادیا)

حکم بول الصبی واختلاف الائمۃ

شیر خوار بچے کے پیشاب کے بابت میں داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ وہ نجس نہیں ہے جب کہ جمہور نجاست بول غلام کے قائل ہیں ، قاضی عیاض نے امام شافعی کا مسلک بھی وہی بیان کیا ہے جو داؤد ظاہری کا ہے یعنی بول غلام طاہر ہے ، لیکن علامہ نووی نے قاضی عیاض کی تردید کی کہ امام شافعی بھی جمہور کی طرح نجاست کے قائل ہیں ۔

مسئلہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر بچہ باہر کی غذا مثلاً ماں کے دودھ کے علاوہ تمام دودھ اور غذا لینے لگے تو بچہ اور بچی سب کا پیشاب ناپاک ہے ۔

پھر جمہور کے درمیان کہ لڑکے اور لڑکی کے پیشاب کو پاک کرنیکے طریقہ اور اس کے حکم میں تین آراء ہوگئے ہیں ۔ ایک طرف امام مالک تنہا ہیں ان کا کہنا ہے کہ دونوں پیشابوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تین مرتبہ دھوکر بقدر طاقت نچوڑنے سے پاک ہو جائیگا ۔

اب ان کے بالمقابل امام شافعی واحمد ، اسحاق ، حسن بصری ، عطاء بن ابی رباح وابن وہب مالکی کے نزدیک دونوں کے پیشاب کو پاک کرنے میں دو طریقے ہیں ۔ غسل بجائے اس پر پانی کے چھینٹے مار دیا جائے اور لڑکی کے پیشاب کیلئے غسل ضروری ہے ۔

اب تیسری رائے امام اعظم ، سفیان ثوری ، سعید بن المسیب وابراہیم نخعی کی ہے جو بین بین ہے یعنی کہ دونوں کے پیشاب کو دھول کر پاک کرنا واجب ہے لیکن دھونے میں فرق ہے ۔ بول غلام صبیح میں زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں لیکن لڑکی کے بول کو دھونے میں مبالغہ کیا جائیگا اور اچھی طرح دھویا

جائے گا۔

سوال :۔ اچھی طرح کیسے دھویا جائے گا؟

جواب :۔ اس کی تشریح فقہ کی کتابوں میں ہے کہ کپڑا کو تین بار دھویا جائے اور اس کو تین بار نچوڑ دیا جائے اور ہلکا دھونا اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ پانی بہا کر اسے چھوڑ دیا جائے۔

خلاصہ تمام ائمہ کے یہاں اتفاق ہے کہ قبل ان یطعم الطعام بول بھی ناپاک ہے۔

قبل ان یطعم الطعام یعنی بول غلام رضیع کو پاک کرنے میں حدیثوں میں پانچ الفاظ آئے ہیں (۱) اتباع الماء یعنی پیشاب کے پیچھے پانی کرنا (۲) صب الماء یعنی پانی کا ریڑنا (۳) نضح اس کے معنی میں اختلاف ہوا (۴) رش یعنی چھینٹے مارنا (۵) لم یغسلہ غسلاً

دلائل شوافع روایت ام قیس . انہا اتت بابن لہا صغیر لم یاکل الطعام الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجلسہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ فبال علی ثوبہ فدعا بماء فنضحہ ولم یغسلہ (متفق علیہ)،

(۲) وفی روایۃ السمح انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال یغسل من بول الجاریۃ ویرش من بول الغلام (رواہ ابو داؤد والنسائی)

(۳) روی عن عبد اللہ بن عمر انہ علیہ السلام اتی بصبی فبال علیہ فنضحہ واتی بجاریۃ فبالت علیہ فغسلہ رواہ الطبرانی فی الاوسط،

(۴) وفی روایۃ البابۃ بنت الحارث انہ علیہ السلام قال انما یغسل من بول الانثی وینضح من بول الذکر رواہ ابو داؤد واحمد.

اسی طرح تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں بول غلام کے ساتھ "نضح" یا "رش" کے الفاظ آئے ہیں۔

حنفیہ ومالکیہ کا استدلال ان کا استدلال اول تو ان احادیث سے ہے جن میں پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور

اسے نجس قرار دیا گیا ہے قوله عليه السلام استنزهو عن البول فان عامة عذاب القبر منه ، یہ حدیث عام ہے کہ خواہ بول صبی ہو یا بول جاریہ ۔ (۲) نیز حدیث عمار المشهور وفيه انما تغسل ثوبك من البول یہ بھی عام ہے ۔

(۳) بول غلام کے سلسلے میں حدیث میں ، وصب عليه الماء اور اتبعه الماء ، بھی وارد ہوا ہے جو غسل پر صریح ہے ۔ (۴) اعلان السنن ص۱۸۷ ج۱ پر حضرت عائشہ کی حدیث مروی ہے جس سے صراحۃً غسل بول کا پتہ چلتا ہے قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتى بالصبيان فاتى بصبي مرة فبال عليه فقال صبوا عليه الماء صبا (رواه الطحاوي واسناده صحيح) (آثار السنن ص۱۷ ج۱)

جواب دلائل شوافع

انھوں نے جو دلیل اول وثانی ورابع وخامس کی احادیث میں نضح بول صبی کی حدیث لایا جواب یہ ہے کہ نضح سے غسل مراد ہے لان العرب تسمى ذالك نضحا جیسا کہ حضرت علی کی حدیث میں مذی کے متعلق سوال کئے جانے پر حضور صلعم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی مذی کو پائے تو چاہیئے کہ اپنی شرمگاہ کو دھوئے حدیث یہ ہے انه عليه السلام قال اذا وجد احدكم ذالك فلينضح فرجه ، یہاں یقیناً نضح سے مراد غسل ہے بدلیل روایت مسلم يغسل ذكره . نضح کی جگہ میں غسل وارد ہوا ۔ اسی طرح ترمذی شریف کے اندر سہل بن حنیف کی روایت ہے جس میں آنحضرت ص نے مذی سے تطہیر کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا يكفيك ان تاخذ كفا من ماء فتنضح به ثوبك حيث ترى انه اصاب منه ، اس روایت کے تحت امام ترمذی فرماتے ہیں ۔ وقد اختلف اهل العلم في المذى يصيب الثوب فقال بعضهم لا يجزى الا الغسل وهو قول الشافعي واسحاق ، ظاہر ہے کہ یہاں امام شافعی نے نضح کو غسل خفیف پر محمول کیا ہے ۔

اسی طرح امام زرقانی فرماتے ہیں المراد بالنضح ههنا الغسل اور دلیل اول میں جو . لم يغسله کا لفظ لایا جواب یہ کہ كما قال الزرقاني اى لم يغسله غسلا مبالغا ،

لہذا مطلق غسل کی نفی مراد نہیں بلکہ غسل شدید کی نفی مراد ہے ویؤیدہ روایۃ مسلم ولم یغسلہ غسلاً یہاں مفعول مطلق جو تنکیر مبالغہ کیلئے لایا نفی اس کی طرف متوجہ ہوگی، اور دلیل ثالث میں جو یرش من بول الغلام ہے جواب یہ کہ لفظ رشّ بھی بمعنی الغسل مستعمل ہے کما فی روایۃ الترمذی حُتیہ ثم اقرصیہ ثم رشّیہ وصلی فیہ یہاں رشّ سے غسل مراد ہے (هذا کلہ فی العیق وفتح الملہم، والبذل، والتعلیق والاوجز المسالك

سوال :۔ اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ غلام اور جاریہ کے بول میں فرق کیوں کیا گیا! اگرچہ وہ فرق حنفیہ کے نزدیک مبالغہ اور عدم مبالغہ کا ہے ۔

جواب :۔ اس کے مختلف جوابات دے گئے ہیں جن میں بہتر یہ ہے کہ جاریہ کا بول زیادہ غلیظ اور متنتن ہوتا ہے اور غلام کا اس درجہ میں نہیں ہوتا ۔

دوسرا فرق ۔ صبی تنگی مخرج کیوجہ سے ایک جگہ بول کرتا ہے اور بول صبیہ وسعت مخرج کی وجہ سے پھیل جاتا ہے لہذا غسل شدید ضروری ہے۔ (۳) بچوں کو اکثر مجالس میں لایا جاتا ہے تو تخفیف مناسب ہے بخلاف بچیوں کے، اسلئے وہاں اصل حکم باقی رہا (۴)، قال الشافعی بول الغلام من الماء والطین وبول الجاریۃ من اللحم والدم، لانہ تعالیٰ لما خلق آدم خلقت حواء من ضلعہ القصیر فصار بول الغلام من الماءِ والطین وصار بول الجاریۃ من اللحم والدم (ابن ماجہ صنـ)

الحدیث الثانی :۔ مالك عن ابن شہاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود عن ام قیس بنتِ محصن انہا اتتْ بابن لہا صغیرٍ لم یاکلِ الطعامَ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجلسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہِ فبال علی ثوبہ، فدعا رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بماءٍ فنضحہ ولم یغسلہ ،

ترجمہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ام قیس بنت محصن اپنے چھوٹے بچے کو جو باہر کی غذا نہیں کھاتا تھا لیکر رسول اللہ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اسکو اپنے گود میں بٹھایا تو اس نے پیشاب کر دیا آپ کے کپڑے پر تو رسول اللہ ؐ نے پانی منگوایا پھر اسکو ہلکا دھویا، خوب زیادہ نہیں دھویا۔

تشریح یہ روایت بظاہر شوافع کا مستدل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بول غلام رضیع پر صرف چھینٹا دیا جائیگا اور اسکو دھویا نہیں جائیگا۔ حنفیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں نفی جو ہے وہ غسل شدید کی نفی ہے کما قال الزرقانی۔

باب ما جاء فی البول قائما وغیرہ

الحدیث الاول :- مالك عن یحیی بن سعید انہ قال دخل اعرابی المسجد فکشف عن فرجہ لیبول فصاح الناس بہ حتی علا الصوت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُترکوہ فترکوہ . فبال ثم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذنوب من ماء فصب علی ذالك المكان ،

ترجمہ حضرت یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک اعرابی مسجد کے اندر داخل ہوا پس اپنے شرمگاہ کو کھولا تاکہ پیشاب کرے تو لوگ اس سے چیخنے لگے یہاں تک کہ آواز بلند ہوگئی پس سرکار دو عالم ؐ نے فرمایا اسکو چھوڑ دو تو صحابہ کرام نے اسکو چھوڑ دیا پس پیشاب کیا پھر رسول اللہ ؐ نے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا پس اسکو اس جگہ پر بہا دیا۔

تشریح۔ واقعہ حدیث زمین پر پیشاب گر گیا تو اس کو کیسے پاک کیا جائیگا؟ اس کا بیان یہاں سے شروع کر رہے ہیں۔ اصل واقعہ

حدیث یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی مجلس میں جو مسجد نبوی کے اندر لگی ہوئی تھی جلوہ افروز تھے اسی اثناء میں ایک اعرابی آیا اور نماز پڑھنا شروع کر دیا چنانچہ جب وہ فارغ ہوا تو زور زور سے دعا کرنا شروع کیا جس کو آپ اور صحابہ کرام سن رہے تھے اللھم ارحمنی ومحمدا ولا ترحم معنا احدا اے اللہ ہمارے اوپر اور محمدؐ کے اوپر ہی رحم فرما اس کے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔ صحابہ کرام اس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تحقیق کہ تم نے اس کو تنگ کر دیا جس کو اللہ نے کشادہ کیا تھا تم کو اس طرح دعا نہ کرنی چاہیئے بعد دعا وہ مجلس میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر وہ ٹھہرا رہا اس کے مسجد کے ایک کونے میں جا کر وہ پیشاب کرنا شروع کر دیا اس کی جانب صحابہ کرام شور مچا کر دوڑتے ہوئے گئے اور روکنا چاہا تو نبی کریم ؐ نے فرمایا کہ اس کے پیشاب کرنے پر بندش نہ لگاؤ اس کے فارغ ہونے کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ سہولت پیدا کرنے کیلئے پیدا کئے گئے ہو سختی کیلئے نہیں، لہٰذا اولاً تم اس مٹی کو کرید کر نکال دو پھر ایک بالٹی پانی بہا دو۔

مسئلہ اگر مٹی پر نجاست ہے وہ دھوپ اور ہوا سے خشک ہو گئی اب نہ اس پر بو ہے اور نہ ہی رنگ، لہٰذا اب وہ مٹی پاک ہو گئی۔ اسی طرح جو بھی زمین سے متصل ہے وہ سب کا سب پاک ہے مثلاً مٹی، درخت، گھاس اسکے سوکھنے سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت:۔ آپ اسکو دھو لیجیئے خواہ کوئی بھی چیز ہو اگر زمین ناپاک ہو گئی تو اسے بھی دھو لو۔ اب زمین کی تین قسمیں ہیں ایک تو سمینٹیڈ ہے دوسری زمین سخت ہے جس سے پانی نکل جاتا ہے تیسری زمین نمی والی ہے۔ تو سمینٹیڈ پر تین بار پانی بہا دو۔ دوسری زمین چونکہ سخت ہے اس کو کدال سے کرید کر پانی ڈال دو، جب بو، مزہ، رنگ ختم ہو جائے تو وہ پاک ہو جائیگی۔ نمی والی زمین کے اوپر بھی پانی ڈال دو اور رنگ بو کو ختم کر دو تو وہ پاک ہے۔

دخل اعرابی:۔ اس اعرابی کے نام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض نے ان کا نام اقرع بن حابس، بعض نے عیینہ بن حصن، بعض نے ذوالخویصرہ تمیمی، بعض نے ذوالخویصرہ یمانی ذکر کیا ہے۔ آخری قول راجح ہے، کما فی فتح الباری۔

اُتْرکُوہُ: اس کو چھوڑ دو اس لئے کہ معذور ہے وہ علم ادب سے واقف نہیں، یا اس وجہ کر کہ اگر پیشاب کرنے سے روک دیا جائے تو اسکو نقصان پہونچے گا۔ ذنوب، بڑا ڈول کو کہتے ہیں۔

مسئلہ طہارت ارض

زمین خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر بالکل باقی نہ ہو تو اب یہ زمین پاک ہوئی یا نہیں تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمدرحؒ یہ کہتے ہیں کہ زمین کی تطہیر صرف پانی بہانے سے ہوتی ہے حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ پانی بہانے کے علاوہ حُفر اور یُبس سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے۔

دلائل احناف

ابو داؤد ص۵۵ ج۱ میں باب فی طہور الارض اذا یبست کے تحت حضرت ابن عمر کی روایت۔ قال کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکونوا یرشون شیئاً من ذالك (رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ ص۵۳ ج۱)

امام بیہقی نے بھی یہ حدیث اپنی سنن کبریٰ ص۴۲۹ ج۲ میں کتاب الصلوٰۃ کے تحت تخریج کی ہے۔ (۲) حضرت عائشہ و محمد بن حنفیہ سے موقوفاً روایت ہے زکوٰۃ الارض یُبسها (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ بذل المجہود ص۲۲ ج۱ ہکذا فی الاوجز المسالک)

دلیل شافعی

حدیث باب ہے۔

جواب

طہارت ارض کا ایک طریقہ پانی بہانا بھی ہے اس کے ہم بھی قائل ہیں اور اس سے دوسرے طریق کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں۔

> الحدیث الثانی:۔ مالك عن عبد اللہ بن دینار انہ قال رأیتُ عبد اللہ بن عمر یبول قائماً،

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن دینار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا ہے۔

مسئلہ اختلافی:۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا درست ہے یا نہیں تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ وسعید ابن المسیب و عروہ، محمد بن سیرین و زید بن الاصم و ابراہیم نخعی و حکم و شعبی وغیرہم کے نزدیک بول قائما جائز و مباح ہے (کذا بذل صـ۱ و عینی شرح بخاری صـ۸۶ میں ہے)

امام مالک نے کہا کہ اگر بول قائما ایسے مکان میں ہو کہ جس میں چھینٹا پڑنے کا احتمال نہیں ہے تو لا باس بہ ورنہ مکروہ۔

اور احناف و عامۃ الفقہاء کے نزدیک بول قائما مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ مکروہ تحریمی۔

دلیل حنابلہ ترجمۃ الباب کی حدیث ہے کیونکہ ابن عمرؓ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے (۲) حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالے عنہ۔ انہ اتی سباطۃ قوم فبال قائما۔

دلائل احناف حدیث عائشہ۔ من حدثکم انہ علیہ السلام کان یبول قائما فلا تصدقوہ، اسی طرح حضورؐ نے عمرؓ سے فرمایا۔ لا تبل قائما۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ سے فبال قائما ثابت ہے۔ دونوں قسم کی احادیث کو ملانے سے کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔

جواب دلیل حنابلہ الجواب مع حکمۃ البول قائما (۱) شافعیؒ نے حکمت بیان کرتے ہوئے جواب دیا کہ اہل عرب بول قائما کر کے وجع الصلب سے شفا حاصل کرتے تھے، حضورؐ نے بھی اسی مطلب شفاء کیلئے کیا ہوگا کما فی البیہقی انہ بال قائما بوجع الخ اس لئے بول قائما نہیں کیا کہ وہ بالکل جائز و مباح ہے (۲) قاضی عیاض نے کہا کہ حضور امور مسلمین میں دیر تک مشغول رہنے کیوجہ سے بول اس قدر رک گیا کہ دور جا کر جو حضور کی عادت تھی بیٹھ کر پیشاب نہ کر سکے اس عذر کی بنا پر بول قائما کیا ہے (۳) بعض نے کہا کہ بیان جواز کیلئے اس مرتبہ حضورؐ نے بول قائما کیا ہے (۴) بعض نے کہا کہ حضورؐ نے اس لئے

قائما پیشاب کیا کہ نجاست کی وجہ سے وہاں بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ بعض نے کہا کہ بعض اطبا کے نزدیک کبھی کبھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا صحت کیلئے مفید ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ کے گھٹنے میں تکلیف تھی جس کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا اس کی تائید حاکم اور بیہقی کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں "بال قائما" کے ساتھ "لوجع کان فی مابضہ" کے الفاظ موجود ہیں۔

الحدیث الثالث:۔ قال یحییٰ سُئل مالك عن غسل الفرج من البول والغائط هل جاء فیه اثر فقال بلغنی ان بعض من مضی کانوا یتوضؤن من الغائط وانا احب غسل الفرج من البول۔

ترجمہ یحیٰ نے کہا کہ سوال کیا گیا امام مالک سے پیشاب و پاخانہ کے بعد شرمگاہ کے دھونے کے بارے میں کہ کیا اس سلسلے میں کوئی اثر وارد ہے تو حضرت امام مالک نے فرمایا کہ مجھ کو ان لوگوں کے بارے میں جو گذر چکے ہیں یہ خبر پہونچی کہ وہ لوگ پیشاب و پاخانہ کے بعد وضو کیا کرتے تھے۔ اور میں پیشاب کے بعد فرج کے دھونے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

حکم الاستنجاء بالماء واختلاف الائمة

اول بات ایکہ امام مالکؒ کا یہ کہنا کہ ہم سے پہلے کے آدمی وضو کرتے تھے اور استنجاء بالماء والی حدیث کا تذکرہ نہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو نبی کریمؐ کا فرمان "الاستنجاء بالماء" والی روایت نہ پہونچی ہو۔ یہ روایت متعدد سندوں کے ساتھ بخاری و مسلم کے اندر مروی ہے عن انسؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستنجی بالماء،

بعض من مضی سے مراد حضرت عمرؓ ہیں اس لئے کہ وہ وضو کیا کرتے تھے پیشاب کرنے کے بعد کما قال ابن عبد البر۔

مسئلہ:۔ استنجاء بالماء درست ہے یا نہیں تو یہ مختلف فیہ ہے۔ عینی شرح بخاری ص۲

میں ہے کہ خطابی نے نقل کیا کہ سعید ابن المسیب نے کہا استنجار بالمار ممنوع ہے کیوں کہ پانی شئ مطعوم ہے اس کو ناپاکی میں استعمال نہ کرنا چاہیئے لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور سلف و خلف و جمیع اہل فتویٰ نے کہا کہ الافضل ان یجمع بین الماء والحجر، فیقدم الحجر اولاً ثم یستعمل الماء فان اراد الاقتصار علی احدھما فالماء افضل لکونہ یزیل عین النجاسۃ واثرھا، والحجر یزیل العین دون الاثر لکونہ معفو عنہ (۲) طحاوی ؒ نے استنجار بالمار پر استدلال کیا بقولہ تعالیٰ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا (۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ دخل الخلاء فوضعت لہ وضوءً الخ (۴) وما رواہ مسلم انتقاص الماء ای الاستنجاء بالماء (۵) وروا ابن خزیمۃ فی صحیحہ انہ علیہ السلام قضی حاجتہ فاتاہ جریر باداوۃ من ماء فاستنجی بہ،

جواب اجتہاد سعید بن المسیّب آیت قرآن و بخاری و مسلم وغیرہ کی صحیح احادیث کے مقابلہ میں سعید بن مسیبؓ اور ان کے متبعین کا قیاس و اجتہاد باطل ہے ۔ ہٰذا کلہ فی العینی والاوجز المسالک

باب ما جاء فی السّواک

مِسْوَاک بکسر السین مصدر بھی ہے اور بمعنی مسواک کی لکڑی بھی ۔

فضائل مسواک اس کے متعلق چالیس مرفوع احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے مرفوعاً مروی ہے تفضل الصلوٰۃ التی یستاک لھا علی الصلوٰۃ التی لایستاک لھا سبعین ضعفا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ ص۴۴ ج۱)

اور ابوامامہؓ سے مرفوعاً روایت ہے، ماجاء نی جبرئیل علیہ السلام قط الا امرنی

بالسواك لقد خشيت ان احفى مقدم فيّ (رواه احمد)

آداب مسواک یہ چھ ہیں۔ (۱) خنصر کے برابر موٹی ہو اور بالشت کے برابر لمبی ہو۔ (۲) پیلو یا کسی کڑوے درخت کی ہو (۳) دائیں جانب سے شروع کرے (۴) دانتوں کی چوڑائی میں کرے لمبائی میں نہ کرے۔ (۵) مسواک نرم ہو (۶) حافظ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ دھوئے۔

فوائد مسواک یہ کل ستر ہیں جن میں سے پانچ یہ ہیں (۱) بینائی تیز ہوتی ہے (۲) معدہ درست ہوتا ہے (۳) منہ کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے کما فی الحدیث السواك مطهرة للفم (۴) رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے مرضاۃ للرب (۵) موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب ہوتا ہے۔

مقامات مسواک یہ متعدد ہیں جن میں سے پانچ یہ ہیں (۱) دانتوں کی زردی کے وقت (۲) منہ کے ذائقے کے تغیر کے وقت (۳) نیند سے بیدار ہونے کے وقت (۴) تلاوت قرآن کے وقت (۵) دخول بیت کے وقت، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ جب بھی گھر میں داخل ہوتے تو پہلے مسواک فرماتے اگرچہ آپ کے منہ میں ذرہ برابر بھی بو نہ تھی پھر بھی تعلیماً ایسا کرتے تھے تاکہ بات کرتے وقت بدبو محسوس نہ ہو (تنظیم الاشتات ص۱۲۱)

الحديث الاول:۔ مالكٌ عن ابنِ شِهابٍ عن ابنِ السباقِ انَّ رسُولَ الله صلى الله عليه وسلم قالَ في جمعةٍ من الجُمَعِ يامَعشَرَ المُسلِمينَ انَّ هٰذا يوم جعلهُ الله عيدًا فاغتسلُوا من كان عندهٗ طِيبٌ فلا يَضُرّهٗ ان يمسّ منهُ وعَليكُم بالسواكِ۔

ترجمہ حضرت ابن سباق سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے جمعوں میں سے کسی جمعہ کے اندر فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعتو! یہ وہ دن ہے جس کو اللہ نے عید مقرر کر دیا ہے لہٰذا غسل کرو، جس شخص کے پاس خوشبو ہو تو اس کے لگانے کی وجہ سے اس کو کوئی

کمی واقع نہ ہوگی اور تمھارے اوپر مسواک لازم ہے۔

مسواک کی شرعی حیثیت

مسواک کی شرعی حیثیت میں تھوڑا سا اختلاف ہے علامہ نوویؒ نے مسواک کے سنت ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ البتہ امام اسحٰق و داؤد ظاہری سے دو قول منقول ہیں ایک وجوب کا اور ایک سنیت کا۔

وجوب کے قول پر استدلال:۔ السواك واجب وغسل الجمعة واجب على كل مسلم (رواه ابو نعيم فى كتاب السواك وذكره السيوطى فى الجامع الصغير) لیکن حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اسناده واه (اکمزور) لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں، علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ امام اسحٰق کی طرف وجوب کے قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بھی جمہور کی طرح سنیت سواک کے قائل ہیں اب صرف داؤد ظاہری رہ جاتے ہیں ان کے بارے میں بھی مشہور یہی ہے کہ وہ سنیت کے قائل ہیں اور اگر بالفرض وجوب کے قائل ہوں تب بھی ان کا اختلاف اجماع کیلئے مضر نہیں ہے۔

الحديثُ الثانى:۔ مالكٌ عنْ ابى الزِّنادِ عنِ الاَعرجِ عنْ ابى هُرَيْرَةَ انَّ رسُولَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلَّمَ قالَ لوْلَا انْ اَشُقَّ على امتى لامَرْتُهُمْ بالسِّوَاكِ۔

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھ کو اپنی امت پر شاق گزرنے کا خوف نہ ہوتا تو ضرور ان کو مسواک کا حکم دیتا۔

الحديث الثالث:۔ مالكٌ عنِ ابنِ شِهابٍ عنْ حُمَيْدِ بنِ عبدِالرحمٰنِ بنِ عوْفٍ عنْ ابى هريرةَ انهُ قالَ لوْلَا انْ يَشُقَّ على اُمَّتِهِ لَامَرَهُمْ بالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضوءٍ۔

هل السواك سنة صلوٰة ام وضوء

تمام ائمہ متفق ہیں کہ مسواک سنت ہے لیکن یہ مسواک سنت صلوٰۃ ہے یا سنت وضو، تو اس کے اندر فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک ہر وضوء کے ساتھ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے اور ہر نماز کے لئے تکبیر تحریمہ سے پہلے مقام وضو میں صرف مستحب ہے۔

ثمرۂ اختلاف اس طرح نکلے گا کہ اگر کوئی شخص وضوء اور مسواک کر کے ایک نماز پڑھ چکا ہو اور اسی وضو سے دوسری نماز پڑھنا چاہے تو امام شافعیؒ کے نزدیک تازہ مسواک کرنا مسنون ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ وہ سنت وضو ہے اس لئے دوبارہ مسواک کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

دلائل احناف

(۱) حدیث ابوہریرۃ مرفوعا، لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل وضوء (رواه احمد والطبرانی) (۲) ایک دوسری روایت میں ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل طهور، (رواه ابن خزيمة والحاكم والبخاری) (۳) عن عائشة رضا انه قال لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك مع الوضوء عند كل صلوٰة (نقله فی نيل الاوطار وقال النووی اسناده صحيح) (۴) وفی النسائیؒ انه عليه السلام قال السواك مطهرة للفم ومرضاة للرب، اور تطہیر فم بوقت وضو ہوتا ہے لہذا مسواک اسی وقت ہونا چاہیئے۔ (۵) وفی الطحاوی عن ابی هريرة رضا انه عليه السلام قال لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك مع كل وضوء

دلائل شوافع

(۱) حديث ابی هريرة رضا لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل صلوٰة (متفق عليه) (۲) وفی البيهقی عن جابر رضا كان السواك من اذن النبی صلی الله عليه وسلم موضع القلم من الكاتب۔

جواب دلائل شوافع

انھوں نے جو "لامرتهم بالسواک عند کل صلوٰۃ" لایا۔ جواب (۱) یہ ہے کہ جن احادیث میں صلوٰۃ کا ذکر ہے وہاں لفظ "عند" لایا گیا اور جن احادیث

میں وضو کا ذکر ہے وہاں لفظ مع وعند دونوں ہے (کما فی فتح الملہم ص۴۱۶ ج۱) (۲) یہ حدیث استحباب پر محمول ہے اور تکبیر تحریمہ سے قبل پر محمول ہے (۳) یہ حدیث محتمل ہے کیونکہ عندیت متصلہ مراد ہے یا منفصلہ کوئی وضاحت نہیں ہے۔ لہذا یہ حدیث مفسر عند کل وضوء پر محمول ہے اور تقدیر عبارت عند وضوء کل صلوٰۃ ہے اور قرآئن تین ہیں (۱) قیام الی الصلوٰۃ اور تکبیر تحریمہ کے وقت آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین سے مسواک کرنا ثابت نہیں نماز کے متصل مسواک کرنے سے خروج دم کا اندیشہ ہے جو ہمارے نزدیک ناقض وضو ہے اور اس میں حرج ہے۔ ایک دوسری صریح روایت میں یوں آتا ہے

لامرتہم بالسواک مع الوضوء عند کل صلوٰۃ ، رواہ ابن حبان فی صحیحہ من حدیث عائشۃ بحوالہ فتح الملہم ص۴۱۶ ج۱ واسنادہ صحیح ،

واللہ اعلم بالصواب

وقد حصل الفراغ من کتاب الطہارۃ بتوفیقہ وفضلہ وکرمہ وارجو من فضلہ وکرمہ ان یوفقنی لاتمام تنقیح المسالک للشرح الموطا امام مالک ببرکۃ سیدنا محمد ﷺ ، آمین برحمتک یاارحم الراحمین ۔

محمد عالمگیر دانش دھنکولوی
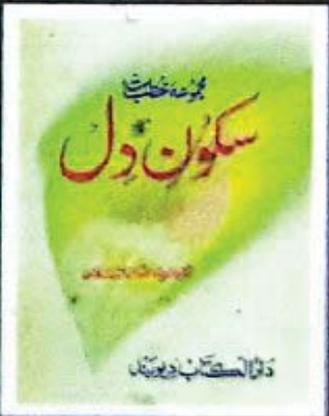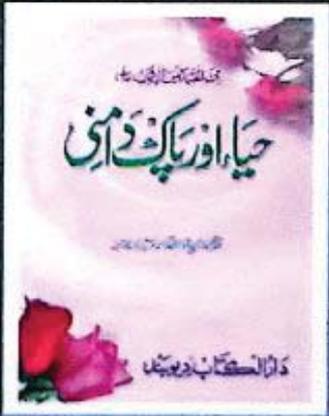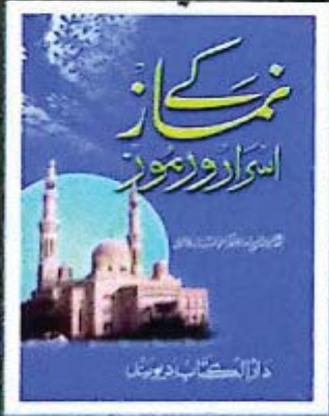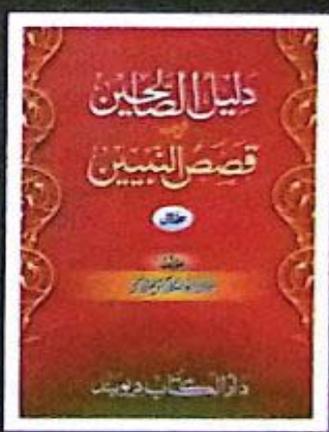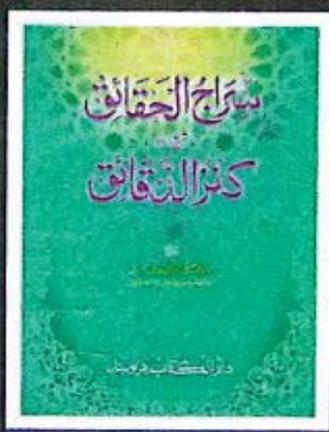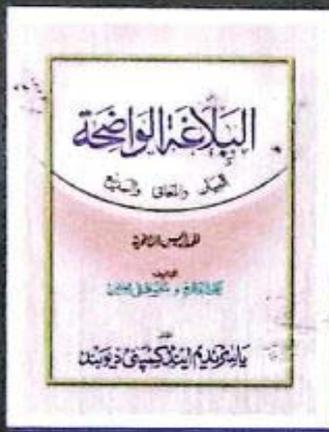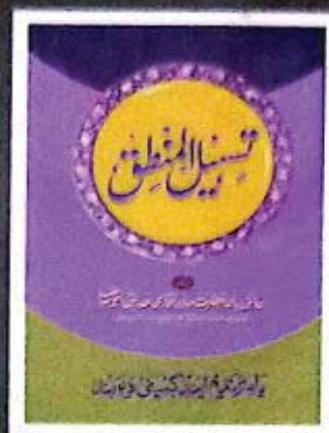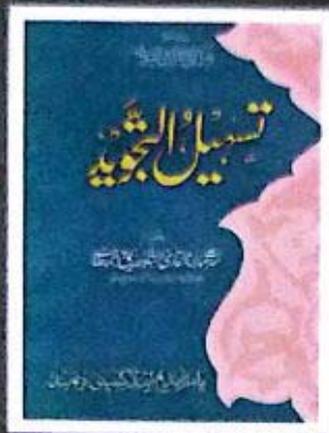
DARUL KITAB
DEOBAND -247554(U.P.)INDIA